محمد اجمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا دوماہی

دینی و علمی مجلہ

زمزم

جلد ۵ | محرم/صفر ۱۴۲۳ھ | شمارہ نمبر ۱

مُدیر مسئول و مُدیر التحریر

محمد ابوبکر غازیپوری

سالانہ چندہ ———— ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازیپور، یوپی

پن کوڈ ۔ ۲۳۳۰۰۱ | فون نمبر ۲۲۱۷۵۷-۰۵۴۸

فہرستِ مضامین

قارئین حضرات نوٹ فرمائیں

زمزم کا سالانہ زرِ اشتراک ۶۰ روپیہ ہے۔
پاکستان اور بنگلہ دیش کیلئے ایک سو بیس ۱۲۰ روپے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزشتہ دنوں ملتِ اسلامیہ کو دو عظیم حادثوں سے گزرنا پڑا، حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب برنی مدینہ منورہ میں انتقال فرماگئے، اور مولانا سید احمد ہاشمی صاحب کا دہلی میں انتقال ہوا۔

مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب برنی مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ تھے، پھر پاکستان چلے گئے اور ایک عرصہ تک حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ دارالعلوم کورنگی کراچی میں افتاء و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر جذبۂ محبت نے مدینہ منورہ کے قیام و ہجرت پر ابھارا تو وہ پاکستان سے مدینہ منورہ ہجرت فرماگئے اور ایک طویل مدت جوارِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں گذار کر گزشتہ رمضان کو داعیٔ حق کو لبیک کہا اور صحابہ کرام اور اولیاء عظام کی جھرمٹوں میں بقیع مقدس میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مولانا مفتی عاشق الٰہی برنی سے میرا تعارف چند سال پہلے ہی ہوا تھا، اس سے پہلے نام سنا کرتا تھا مگر مولانا سے براہ راست ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہو سکا تھا، سالوں سے

میرا معمول ہے کہ میں رمضان شریف کے پندرہ روز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارتا ہوں لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ مولانا سے کبھی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

تقریب ملاقات و شرف زیارت کی داستان یہ ہے کہ جب غیر مقلدوں نے سازشی انداز میں علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کے لئے الدیوبندیہ کتاب لکھی اور اس کو پہلے خفیہ طریقہ پر سعودیوں میں پھیلانے کی خدمت انجام دی تو اس کا انکشاف ہوجانے پر تمام وابستگان اکابر دارالعلوم دیوبند کو جو سعودیہ کے کسی بھی حصہ میں مقیم تھے بڑا فکر لاحق ہوا، اسی زمانہ میں مفتی صاحب کو کسی طرح اطلاع ملی کہ احقر اس کا جواب لکھ رہا ہے، تو مفتی صاحب نے مولانا رشید احمد ناظم مدرسہ مرقاۃ العلوم کو خط لکھا کہ الدیوبندیہ کا جواب لکھنے والا پختہ کار اور منجھا ہوا صاحب قلم اور وسیع المطالعہ شخص ہونا چاہیے، اسی زمانہ میں مدرسہ مرقاۃ العلوم سے شائع ہونے والے مجلہ المآثر میں میرے غیر مقلدیت کے سلسلہ کے بعض مضامین شائع ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب کی نظر سے جب یہ مضامین گذرے تو انھوں نے مولانا رشید احمد صاحب کو خط لکھا کہ اگر الدیوبندیہ کا جواب لکھنے والے یہی ابوبکر غازیپوری صاحب ہیں تو امید ہے کہ اس کا جواب لکھا جاسکے گا۔ اس کے بعد ہی سے مولانا سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں ان کی کرم فرمائیوں اور ان کی سادگی و بے تکلفی اور پرمزاحیہ انداز تحریر سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا رہا، اس کے بعد جب اس سال مجھے رمضان میں حرمین شریفین کی حاضری کے لئے رخت سفر باندھنے کی سعادت میسر آئی اور مجھے دہلی کا سفر کرنا پڑا تو ہوائی جہاز پر بیٹھنے سے صرف ایک روز قبل خواب دیکھا کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوں اور جب حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کے لئے ان کی قیام گاہ پہونچا تو انھوں نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر مجھے لپٹا لیا اور اپنی جگہ پر بٹھلایا، اب یہ اتفاق ہی ہے کہ جب مدینہ شریف حاضری ہوئی اور میں حضرت کی قیام گاہ پر پہونچا تو انھوں نے میرا استقبال اسی طرح کیا جس طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اکرام و اعزاز کی حد کردی، پھر اس کے بعد تو تقریباً ہر ہی سال حضرت مفتی صاحب کی رمضان شریف والی قیام گاہ میری بھی قیام گاہ

بن گئی، مدینہ شریف حاضری کے موقع پر کھانا اور سحر بھی زیادہ تر انھیں کے ساتھ ہوا کرتی بڑی پُرلطف ملاقاتیں رہتیں۔

حضرت مفتی صاحب کا علم بہت پختہ تھا، مشکوٰۃ شریف کی احادیث تقریباً نوک برزبان تھیں، افتاء میں غیر معمولی مہارت تھی، اپنے اکابر سے عشق تھا، ان کا قلم بڑا سیال اور بروقت رواں دواں رہنے والا قلم تھا، زیادہ تر املا کراتے، اور جہاں ہوتے لکھنے والے کو اپنے ساتھ رکھتے اور جب بھی ذرا موقع ملتا لکھوانا شروع کر دیتے، دماغ حاضر تھا اور حافظہ بھی قوی تھا، مزاج بے انتہا سادہ اور تصنع و تکلف سے پاک تھا، چھوٹوں کو سر پر بٹھلاتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کے کاموں کی تحسین کرتے اور داد دیتے، مہمان نوازی ان کا خاص وصف تھا، ان کا دسترخوان سب کے لئے تھا، رمضان کے زمانہ میں ہند و پاک کے علما و عوام مفتی صاحب سے ملنے آتے تھے، اور وہ سب کا مسکراتے ہوئے استقبال کرتے، ضیافت کا اہتمام کرتے، بے تکلفانہ گفتگو کرتے، مزاج میں ایک طرح کی مجذوبیت کی شان بھی، دینی غیرت میں اپنی مثال آپ تھے، خلاف شرع بات کو برداشت کرنا ناممکن تھا، دعوتی انداز میں نصیحت کرنے سے بڑے سے بڑوں کو بھی نہیں چوکتے، وقت حاضر کے کثیر التصانیف لوگوں میں ان کا شمار تھا، بعض بعض کتابیں کئی کئی ہزار صفحات کی ہیں، وقت میں بے انتہا برکت تھی، ہجوم و اشغال میں بھی ان کا تصنیفی کام جاری رہتا، ان کی مجلس صاف ستھری اور بڑی پاک ہوتی، کسی کی غیبت و برائی کا وہاں ذکر نہیں تھا، سلفیت کے نام سے جو فتنہ اس وقت ابھرا ہے، اس کی طرف سے بہت متفکر رہتے اور اس کی روک تھام کے لئے تدابیر اختیار فرماتے اور دوسروں کو مشورہ دیتے۔

غرض حضرت مفتی صاحب کی ذات مجموعۂ کمالات تھی، یعنی بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں، میرے ساتھ ان کا معاملہ انتہائی بے تکلفی کا تھا، میرے مضامین اور میری کتابیں بڑے شوق سے پڑھتے اور دوسروں کو دیتے انھیں کی توجہ سے میری عربی کتاب دقفة مع اللامذهبية کی پاکستان میں دوبارہ طباعت و اشاعت کا نظم ہوا۔

اس سال جب میں رمضان شریف میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور حضرت سے ملاقات ہوئی تو خیریت دریافت کرنے پر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ " بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں " " مزے اڑا رہا ہوں " پھر مجھ سے فرمایا کہ یا قرآن پڑھو یا لیٹ جاؤ آرام کرو ، افطار اور کھانا ساتھ ہوگا ، میں سوگیا اور حضرت قرآن کا اپنا دور پورا کر کے لیٹ گئے ، طبیعت بالکل ٹھیک تھی ، جب میری آنکھ کھلی تو وہ سوئے ہوئے تھے میں حرم چلا آیا اور حرم ہی میں افطار کیا نماز سے فارغ ہو کر جب ان کی قیام گاہ کے ارادہ سے نکلا تو دیکھا کہ وہ بقیع کی جانب ۲۵ نمبر دروازہ پر اپنے نوافل میں مشغول ہیں میں رک گیا اور پھر ساتھ ہی انکی قیام گاہ پر پہنچا افطار کا باقی موجود تھا اسے کھایا ، اسی وقت بعض پاکستانی احباب بھی آگئے مفتی صاحب نے ان کو بھی اس میں شریک کیا اور پھر فرمایا کہ آپ لوگ جا سکتے ہیں اور میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بلا کھانا کھائے ٹلنے والے نہیں ہیں ان کو یہیں رہنے دیں ، اس وقت بالکل نہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی یہ چہچہاتا ہوا بلبل کل دو پہر کو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا ، دوسرے روز حسب معمول ظہر کی نماز حرم شریف میں پڑھ کر ان کی قیام گاہ پر ملاقات اور آرام کی غرض سے گیا تو معلوم ہوا کہ آج رات مفتی صاحب کو نیند بالکل نہیں آئی اور صبح سے بھی وہ مستقل جاگ رہے تھے ، ابھی ابھی آنکھ لگی ہے ، میں دوسرے کمرہ میں جا کر آرام کی خاطر لیٹ گیا ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے احمد سلمہ میرے پاس بھاگتے ہوئے آئے کہ ابا کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے نماز کے لئے جگایا جا رہا ہے تو وہ نہ آنکھ کھولتے ہیں اور نہ بولتے ہیں ، میں بھاگا ہوا گیا تو دیکھا کہ عشق رسول میں دیوانہ مہاجر مدینہ پاک ہمیشہ مسکرانے اور چہچہانے والا ، بلبل گلزار محمدی ، سنت رسول کا عاشق ، اکابر واصاغر کا محبوب اپنے وقت کا عظیم صاحب فضل وکمال ، پچاسوں کتابوں کا مصنف اپنے رب کے حضور عصر اور ظہر کے درمیان ماہ مبارک کی مبارک ساعتوں میں جا پہونچا ہے ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

گھر پر اس وقت مفتی صاحب کے گھر میں ان کی ایک بچی اور ان کے بڑے لڑکے احمد سلمہ تھے

اور باہر کا میں اکیلا تھا، بڑی تگ و دو کے بعد ایمبولنس آئی اور پولیس کی مدد اور تعاون سے مفتی صاحب کو ہسپتال لے جایا گیا جہاں ضابطہ کی کاروائی ہوتی ہے، لوگوں سے سنا کہ عموماً باہر کے لوگوں کے انتقال پر دفتری اور سرکاری کاروائیوں کے پورا ہونے میں دو تین دن ضرور لگ جاتے ہیں۔ مگر مفتی صاحب کے ساتھ اللہ کا خصوصی کرم یہ ہوا کہ ساری کاروائیوں میں بہت تھوڑا وقت لگا اور اسی دن عشاء کی نماز اور تراویح کے بعد وتر کی نماز کے دوران ہی مفتی صاحب کا جنازہ آگیا اور وتر بعد حرم شریف کے امام نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ جب بقیع کی طرف بڑھا تو انسانوں کا ایک ہجوم تھا جس میں بہت بڑی تعداد میں عرب بھی تھے، تعجب ہو رہا تھا کہ بہت مختصر عرصہ میں اتنے لوگ کہاں سے جمع ہو گئے، پھر بقیع میں جہاں اللہ کے نیک وصالحین ہزاروں بندے ہیں انہی کے پہلو میں ۱۳ ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کی شب میں حضرت مفتی صاحب دفنا دیے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وغفر لہ وعفا عنہ واجزل مثوبتہ عندہ

مولانا سید احمد ہاشمی

مولانا سید احمد ہاشمی صاحب میرے ہم وطن تھے۔ ۴ر نومبر ۲۰۰۱ء کو گیارہ اور بارہ کے بیچ ان کا انتقال ہوا، عجیب اتفاق کہ میں ان دنوں دہلی تھا اور ان کے انتقال سے ایک روز قبل دیوبند چلا گیا تھا، دوسرے روز جب دیوبند سے واپس ہوا تو اخبار سے معلوم ہوا کہ سید احمد ہاشمی کا انتقال ہو گیا ہے، فوراً ان کے گھر جمعیۃ بلڈنگ گلی قاسم جان پہونچا اور ان کے بچوں سے تعزیت کی، جنازہ میں شریک نہ ہونے کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔

ہاشمی صاحب کا تعلق ہمارے گھرانہ سے بہت قدیمی تھا، میرے بھائی کے ساتھ مدرسہ دینیہ غازی پور میں پڑھے ہوئے تھے اور میرے والد کی گود میں کھیلے ہوئے تھے، شروع ہی سے بہت ذہین تھے، دیوبند سے فارغ ہوئے تو کلکتہ چلے گئے اور دہلی آنے سے پہلے کلکتہ ہی ان کے دینی، وصحافتی، وسیاسی کاموں کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ ان کی سیاسی و صحافتی زندگی کا آغاز یہیں سے ہوا۔ ہاشمی صاحب کو شروع ہی سے اکابر جمعیت سے قلبی

وابستگی تھی اس لئے وہ کلکتہ میں جمیعۃ علماء کے ایک پرجوش ورکر تھے پھر جب دہلی منتقل ہوئے تو جمیعۃ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی قیادت کا فریضہ انجام دیتے رہے، جمیعۃ کے ناظم عمومی بنائے گئے اور بہت دنوں تک وہ اس منصب پر فائز رہے، پھر بعض اسباب کی بنا پر انھوں نے جمیعۃ سے علیحدگی اختیار کر لی اور ملی جمیعۃ کے نام سے ایک دوسری جمیعۃ بنائی جس کے صدر مولانا وحید الزماں کیرانوی تھے۔ جس جماعت کا صدر مولانا کیرانوی جیسا ذرا سا میں پانی اور ذرا سا میں آگ والا انسان ہو اور اس کا ناظم عمومی مولانا ہاشمی جیسا خوددار ہو اور اس کے ارکان میں مولانا افضال جوہر جیسے بے باک و بے دھڑک نہ آؤ دیکھیں نہ تاؤ اور کہدیں اپنی بات جیسی صفت کا آدمی ہو اور مولانا عبد اللہ مغیثی جیسے اصحاب اغراض و مصالح ہوں، اس جماعت کا حشر پہلے ہی معلوم تھا، چنانچہ ہوا وہی جو ہونا تھا، اور یہ جماعت انتشار کا شکار ہوگئی اور اس کا شیرازہ بکھر گیا، مولانا ہاشمی یکا و تنہا رہ گئے آخر وقت بہت تنہائی و یاس کا گزرا، جتنے اپنے وہ قریب تھے سب دور ہو گئے، اور ایک اچھا بھلا انسان جو بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا جس کے اندر قیادت کی بے پناہ صلاحیت تھی وہ زمانہ کے ہاتھوں اس طرح کچلا گیا کہ اس کی موت پر آنسو بہانے والے بھی بہت کم رہے۔

مولانا ہاشمی صاحب کردار کے بہت پختہ تھے، مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم سے اختلاف ہوجانے کے بعد بھی میں نے ان کی زبان سے نہ ان کے بارے میں نہ خاندان مدنی کے بارے میں کوئی ایسا کلمہ سنا جس سے اس خاندان کی برائی ظاہر ہو، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے عشق تھا اور تمام اکابر جمیعۃ سے گہری وابستگی تھی، اور دل میں سب کی عقیدت و احترام تھا، انکے کردار کی پختگی کی بات ہے کہ ایک دفعہ ان کے رہائش گاہ کے باہری کمرہ میں مغیثی گروپ بیٹھا ہوا تھا، اس میں ایک صاحب حضرت مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم کو فرانٹے دار سنا رہے تھے، میں بھی تھا، مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا میں نے ان کو سخت ملامت کی کچھ تو تو میں میں بھی ہوگئی، کھانے پر ان شریف صاحب نے جو مولانا اسعد کو گالیاں دے کر مولانا ہاشمی کا تقرب حاصل کرنا چاہ رہے تھے ہاشمی صاحب سے میری شکایت کی کہ مولانا غازی پوری مولانا اسعد کے

آدمی ہیں اور وہ یہاں جاسوسی کے لئے آتے ہیں، تو مولانا ہاشمی صاحب نے اسی وقت ان کو جواب دیا کہ میں ابوبکر کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں اور فرا ٹا بھرنے والے شریف صاحب اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

ہاشمی صاحب نے کئی دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ زندگی وموت کا کچھ ٹھکانا نہیں میں چاہتا ہوں کہ مولانا اسعد صاحب سے اپنا معاملہ ٹھیک کرلوں، اوراسی خواہش کا اظہار مولانا کیرانوی نے بھی مجھ سے آخر عمر میں کئی دفعہ کیا تھا مگر حاشیہ برداروں لوگوں نے نہ یہاں چلنے دی اور نہ وہاں۔

مولانا ہاشمی صاحب دو دفعہ ممبر پارلیمنٹ رہے، لوگ ایک دفعہ بھی ممبر پارلیمنٹ ہوجاتے ہیں تو ان کے یہاں پیسوں کی ریل پیل ہوجاتی ہے۔ مگر مولانا ہاشمی اس صف کے آدمی نہیں تھے، اپنا گھر بھی وہ نہ بنا سکے وہ پیسہ جمع کیا کرتے، شاہ خرچ بھی تھے، جو آتا ختم ہوجاتا ہندوستان کے مختلف فسادات کے موقع پر مولانا ہاشمی صاحب نے قوم وملت کی بہت خدمت کی اور بے انتہا جرأت وہمت کا مظاہرہ کیا، کئی دفعہ تو ایسا ہوا کہ وہ پولیس کی گولی کا نشانہ بن جائیں گے، مگر اللہ نے ان کو محفوظ رکھا۔ ہاشمی صاحب کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں میں ایسے مخلص قائدین بہت کم ہوتے ہیں۔ آخر وقت میں ملی جمعیت قائم کرلینے کے بعد وہ ایک آزمائش سے دوچار ہوگئے، افسوس اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے، اور استقامت کا جو مظاہرہ کرنا چاہئے تھا، ان سے وہ نہ ہوسکا، اس کے بعد ہی سے ان کی شخصیت پر زوال آنا شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور سب کی مغفرت فرمائے اور ہم تمام کے گناہوں کو معاف کرے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی لوگوں کو ناراضگی کی پرواہ نہ کرے اور اللہ کے رضا کا طالب ہو اللہ اس سے راضی ہوگا اور لوگوں کو بھی اللہ اس سے راضی کرے گا، اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی کا طالب ہوگا اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا اور لوگوں کو بھی اللہ اس سے ناخوش کرے گا۔ (رواہ ابن حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کو ہر حال میں راضی کرنا ہے، خواہ دنیا والے اس سے ناراض ہوں یا خوش، اصل چیز اللہ کی رضا جوئی ہے، جو اللہ کو راضی کرنے میں لگے گا اس سے اللہ بھی خوش ہوں گے اور انجام کار یہ ہوگا کہ دنیا والے بھی اس سے خوش رہیں گے اور ان کی ناراضگی ختم ہو جائے گی، اس کے برخلاف جو دنیا والوں کو راضی کرنے کی فکر میں جان کھپائے گا اور اللہ کی رضا جوئی کا اس کو احساس اور فکر نہ ہوگی تو وہ ہر اعتبار سے خسارہ اور نقصان میں رہے گا اللہ کی ناراضگی کا وبال اس کے سر پر مسلط تو رہے ہی گا دنیا کے لوگ بھی اس قسم کے انسان کو پسند نہیں کریں گے۔

اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو اللہ والوں کی زندگیوں پر نظر ڈالو، اولیاء اللہ محض اللہ کی خاطر دنیا والوں سے اپنا رشتہ منقطع کئے رہتے ہیں، تو ساری دنیا ان کے قدموں میں گری نظر آتی ہے اور بڑے بڑے اغنیاء اور ملکوں کے بادشاہ اللہ والوں کی کٹیا میں حاضری دینے کو اپنی

سعادت سمجھتے ہیں، برخلاف اس انسان کے جو محض دنیا اور دنیا والوں کی خاطر اپنے آقا و مولیٰ کو ناراض کرتا ہے تو اس کی زندگی سراپا عبرت بنی رہتی ہے، اور نہایت ذلیل و خوار ہو کر وہ زندگی گزارتا ہے سب اسے لعنت و ملامت کرتے ہیں ۔

۲ ۔ مسند احمد و صحیح ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص جنت میں نہیں جائیں گے، ہمیشہ کا شرابی، رشتہ داریوں کو توڑنے والا، اور جادو کو سچ سمجھنے والا۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو شخص ان باتوں کو حلال سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو تو وہ جنت میں نہیں جائے گا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور تہدید کے ہے کہ ایسے لوگ جنت کے مستحق نہیں ہوتے یہ اور بات ہے کہ اللہ ان کے کسی عمل سے خوش ہو کر اپنے فضل سے جنت میں داخل کر دیں، یا یہ کہ یہ اپنی گناہوں کی سزا بھگت کر پھر جنت میں جائیں، بہر حال معلوم ہوا کہ ان تین چیزوں کا گناہ بہت بھاری ہے ۔

شراب ام الخبائث اور تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس کا پینا قطعی حرام ہے، اس سے عقل ناکارہ ہو جاتی ہے، اور آدمی کسی کام کا نہیں رہتا، شراب پینے کا اثر صحت پر بھی برا پڑتا ہے ۔ عادی شرابی کی صحت عموماً خراب رہتی ہے ۔

رشتہ داری کو قائم رکھنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے ، دینی بنیاد کے علاوہ کسی اور وجہ سے رشتہ و قرابت کا ختم کرنا اور رشتہ داروں سے علیحدگی اختیار کرنا جائز نہیں ہے ۔

جادو سیکھنا و سکھانا حرام ہے، اس شریعت میں اس کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے جادوگر کی باتوں کو سچ سمجھنا ایمانی تقاضا کے خلاف ہے ۔

۳ ۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں جاہلیۃ کی ہیں میری امت ان کو چھوڑے گی نہیں (۱) باپ دادا پر فخر کرنا، (۲) دوسروں کے نسب میں عیب نکالنا (۳) ستاروں کے ذریعہ بارش کا قائل ہونا (۴) اور مرنے پر مرنے والے کا نوحہ کرنا ۔

ان چار باتوں کے بارے میں آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری امت میں یہ باتیں ہمیشہ

رہیں گی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا کرنا جائز و حلال ہے، آپ نے ان باتوں کو جاہلیت کا فعل بتلایا ہے یعنی یہ کام زمانہ جاہلیت کی یادگار ہیں۔ جب اسلام کا آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا تو لوگ ان کاموں میں پڑے ہوئے تھے، اسلام کے آنے کے بعد یہ سب کام حرام قرار پائے، اسلئے ان باتوں سے بچنا ہم سب کی دینی ذمہ داری ہے۔

باپ دادا پر فخر کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اگر آدمی میں خود تقویٰ نہیں ہے اور اس کی زندگی ایمان و اسلام والی نہیں ہے تو باپ دادا چاہے کیسے بھی ہوں اس کے کچھ کام کے نہیں ہیں۔

دوسروں کے نسب میں عیب نکالنا ذلیلوں کا کام ہے، شریف آدمی ایسا نہیں کرتے مثلاً یہ کہنا کہ فلاں آدمی فلاں کی اولاد نہیں ہے یا فلاں آدمی تو ایسے شخص یا ایسے خاندان کا ہے جس میں ایسے ایسے عیب تھے۔ اس طرح دوسروں کو ذلیل و شرمندہ کرنا اسلامی آداب و اخلاق کے خلاف حرکت ہے۔

ستاروں کے ذریعہ سے بارش کا قائل ہونا کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں جب پہنچ جائے گا تو بارش ہوگی یا اس وجہ سے بارش ہو رہی ہے کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں ہے یہ دور جاہلیت کے لوگوں کا عقیدہ تھا مسلمان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے۔

مرنے پر بلند آواز سے میت کو یاد کرنا اور رونا پیٹنا ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے۔ نہ یہ اسلام اور دین کی بات ہے، نوحہ کرنے والا گویا اللہ کے فیصلہ کا شاکی ہوتا ہے اور اللہ نے جو مقدر فرمایا ہے اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، مرنے پر طبعی رنج و غم ہونا الگ بات ہے مگر چیخنا چلانا گریبان پھاڑنا، منہ پر طمانچہ مارنا، سینہ پر ہاتھ مارنا یہ سب جاہلانہ حرکتیں ہیں۔

۴ ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو ترمذی اور حاکم نے ذکر کیا ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا

باقی صفحہ پر

محمد اسحاق بھٹی

محمد / جمل مفتاحی

ہندوستان کے مسلم حکمراں

سکندر لودھی

سکندر اپنے عظیم باپ سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد ۸۹۴ھ میں تختِ ہند کا وارث بنا۔ یہ اپنے باپ کے ساتھ بہت سے معرکوں میں شریک رہا۔ بڑا شجاع اور جنگجو بادشاہ تھا۔ انتظامی صلاحیتوں کا مالک، سیاسی بصیرت کا حامل اور طرزِ حکمرانی کے جملہ پہلوؤں سے خوب آگاہ تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں مملکت کی حدیں دور دور تک پھیل گئی تھیں، دشمن اس کے زورِ بازو سے کانپتے اور اس کی جنگی تدبیروں کا لوہا مانتے تھے۔ اس میں بڑی خوبی یہ تھی کہ علم و علماء کا دوست اور مذہبی و دینی امور سے کامل دلچسپی رکھتا تھا۔

سکندر کی ماں ایک ہندو سنار کی بیٹی تھی۔ اس کا نام ہیماں تھا۔ کہتے ہیں، ہیماں بہت خوب رو عورت تھی، بہلول لودھی کی اس پر نظر پڑی تو اس کا گرویدہ ہو گیا اور بالآخر وہ اس کے عقد میں آگئی۔ یہ بھی منقول ہے کہ سکندر کی پیدائش سے قبل ہیماں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ چاند ٹوٹ کر اس کی گود میں آگرا ہے، نجومیوں سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے بتایا، اس کے بطن سے ایک لائق اور ہونہار بیٹا پیدا ہوگا جو سلطنت کو چار چاند لگائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہلول نے سکندر کی تعلیم و تربیت کا خاص طور سے اہتمام کیا، لیکن اس کی تعلیم کے حدود کہاں تک پھیلے ہوئے تھے؟ اس نے کن اساتذۂ عصر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے کن کن علوم کی کون کون کتابیں پڑھیں، اس کی وضاحت تاریخ کی کتابوں میں ہماری نظر سے نہیں گزری۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ وہ آغازِ زندگی ہی سے سخت دینی حمیت اور شدید مذہبی عصبیت کا حامل تھا۔ اس کے فکر

وعمل پر اسلام کا غلبہ اور شعائر دین کا قبضہ تھا۔

اس کے حالات میں یہ بھی مرقوم ہے کہ وہ ہندوؤں سے بے حد تعصب رکھتا تھا اور اس ضمن میں کسی قسم کی مداہنت یا رواداری کا قائل نہ تھا۔ اس قسم کا کوئی مسئلہ اگر سامنے آجاتا اور اس میں دو رائیں ہوتیں تو وہ عام طور پر درشت رائے کی تائید کرتا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اس کے زمانۂ شہزادگی میں جب کہ وہ ایک علاقے کا والی تھا، اسے اطلاع پہنچی کہ کرکشیتر میں ہندو کثیر تعداد میں جمع ہو گئے ہیں اور وہ اپنے مذہب کے مطابق وہاں تالاب میں اشنان اور مندر میں مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ نیز انھوں نے وہاں کچھ ہنگامہ بھی بپا کر رکھا ہے۔ سکندر نے فوری طور پر علماء کا محضر طلب کر کے ان سے مشورہ کیا کہ بغیر کسی تاخیر کے ان ہندوؤں کو قتل اور مندر کو مسمار کر دیا جائے۔ اس محضر میں ملک العلما میاں عبد اللہؒ بھی موجود تھے۔ علماء نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، اس اہم مسئلے میں فیصلہ کن رائے ان ہی کی ہو سکتی ہے۔ شہزادہ میاں عبد اللہؒ کی طرف متوجہ ہوا انھوں نے دریافت فرمایا:

کرکشیتر کیا شے ہے؟

جواب ملا۔ ایک تالاب ہے جہاں کفار بطور عبادت ملک کے ہر شہر سے جمع ہو کر آتے اور غسل کرتے ہیں۔ نیز وہاں کے مندر اور بت خانے میں اپنے مذہب کے مطابق فرائض عبادت بجا لاتے ہیں۔

فرمایا۔ یہ رسم عبادت کب سے جاری ہے؟

جواب دیا۔ یہ ایک قدیم رسم ہے۔

ملک العلماء نے تفصیلات سے مطلع ہونے کے بعد فتویٰ دیا۔

بت خانۂ قدیم را ویران ساختن جائز نیست

کسی دیرینہ بت خانے کو تباہ کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ جواب سکندر کی مرضی کے بالکل خلاف تھا۔ ملک العلماء کی زبان سے یہ الفاظ سن کر وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے خنجر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

طرف کفار می کنی، اول ترای زنم، بعد آں بر کرکشیتر خواہم تاخت۔
کافروں کی طرف داری کرتا ہے۔ میں پہلے تیرا خاتمہ کروں گا پھر کرکشیتر کو تباہ کرونگا۔

ملک العلماء کے لئے یہ بہت بڑے امتحان کا وقت تھا۔ انھوں نے نہایت جرأت اور متانت سے جواب دیا۔

مرگ حق است، بغیر حکم حق کسے نمیرد، چوں کسے پیش ظالمے می آید اول مُردنِ خود را اختیار کردہ می آید، ہرچہ بادا باد۔ چوں مرا پرسیدید مسئلہ شرع بیان نمود، اگر پروائے شرع ندارید حاجت پرسیدن نیست۔

موت حق ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نہیں مرتا۔ جب کوئی شخص ظالم کے سامنے آتا ہے پہلے اپنی موت کے لئے تیار ہو کر آتا ہے۔ جو کچھ بھی ہونا ہے ہو جائے۔ جب آپ نے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے شریعت کا مسئلہ بیان کر دیا۔ اگر آپ کو شریعت کی پروا نہیں ہے تو پھر پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ صحیح اور جرأتمندانہ جواب سن کر سکندر کا غصہ رفع ہو گیا اور میاں عبد اللہ سے کہا:

اگر اجازت می دادید چندیں ہزارہا مسلمانان آسودہ می شدند

اگر آپ اجازت دیدیتے تو کتنے ہی ہزار مسلمان مطمئن ہو جاتے۔

جب مجلس برخاست ہو گئی تو سکندر نے ملک العلماء سے خاص طور سے مخاطب ہو کر کہا:

میاں عبد اللہ! شما گاہ گاہ با ما ملاقات فرمائید[1]

میاں عبد اللہ! آپ گاہے گاہے ہم سے ملتے رہیں

تخت نشینی

بہلول لودھی نے ۸۹۴ھ کو وفات پائی، اس کے بعد سکندر لودھی تخت دہلی پر متمکن ہوا ـــــ تخت نشینی سے پہلے اس نے شیخ سماء الدین کنبوہ کی خدمت میں حاضری دی اور

---

[1] واقعاتِ مشتاقی ص۱۹

عرض کیا :

یا شیخ ! می خواہم کہ در علم صرف کتاب میزان پیش شما بخوانم

یا شیخ ! میں علم صرف کی کتاب میزان آپ سے پڑھنے کا خواہاں ہوں

شیخ نے فرمایا : بداں اسعدك الله فی الدارین خیرا[1]

سکندر نے یہ کلمہ تین بار شیخ کی زبان سے کہلوایا اور پھر اسے نیک فال سمجھ کر ان کے ہاتھ چوم کر کھڑا ہو گیا۔

فرائض ونوافل کا التزام

تمام مورخین اور تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ سکندر لودھی ارض ہند کا نہایت متدین بادشاہ تھا اور فرائض و نوافل کا سختی سے پابند تھا۔ افسانۂ شاہان کا مصنف لکھتا ہے :

نماز با جماعت ہر پنج وقت می گزاردے ونوافل بسیاری کردے ونماز تہجد واشراق گاہے فوت نہ کردے[2]

پانچوں وقت کی نماز با جماعت ادا کرتا تھا، نوافل کثرت سے پڑھتا اور تہجد اور اشراق کی نماز کبھی ترک نہ کرتا تھا۔

اس کی نیکی اور شب بیداری کا یہ عالم تھا کہ نماز فجر سے تین گھنٹے قبل بیدار ہو جاتا اور غسل کر کے نماز تہجد ادا کرتا۔ بعد ازاں :

سہ سپارہ کلام ربانی دست بستہ خواندے[3]

قرآن کے تین سپارے ہاتھ باندھ کر اور کھڑا ہو کر تلاوت کرتا۔

غرباء ومساکین کی مدد :۔ سکندر متعدد اوصاف کا مالک تھا۔ وہ رعایا کے

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۶

[2] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۴۲۷ بحوالہ افسانۂ شاہان ورق ۳۸

[3] تاریخ شاہی ص ۴۹

غربا و مساکین کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ قابل امداد لوگوں کی سال میں دو مرتبہ فہرستیں تیار کراتا اور ان کی مدد کرتا تھا۔ جاڑوں کے موسم میں بھی غربا میں کپڑے تقسیم کرتا اور گرمیوں میں بھی۔ اس نے تقسیم خیرات کے لئے یہ التزام کر رکھا تھا کہ بعض مقامات کے لوگوں کو پکا ہوا کھانا دیا جاتا کچھ لوگوں کی نقدی اور جنس کی صورت میں مدد کی جاتی اور کچھ مستحقین کو ششماہی دیا جاتا تھا۔ اس کے لئے ہر روز، ہر جمعہ اور سال میں دو مرتبہ حسبِ ضرورت لوگوں کی امداد کی جاتی۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے لئے بھی ان کے والدین کو خاص رقوم عطا کی جاتیں۔ طبقات اکبری کا مصنف نظام الدین بدخشی رقم طراز ہے۔

یومیہ و جمعگی و دو دو مرتبہ انعام درسالے در کل ممالک مخصوص فقرا بود[1]

روزانہ اور جمعہ کے دن اور سال میں دو مرتبہ تمام علاقوں کے فقرا میں تقسیم کرنے کے لئے چیزیں مخصوص تھیں۔

سلطان نہ صرف خود مستحقین کی مدد کرتا، بلکہ امرائے سلطنت اور ارکان حکومت کو بھی اس کی تلقین کرتا۔ ان میں سے جو شخص جس قدر غربا کی مدد کرتا، اسی قدر سلطان اس کو معزز و محترم گردانتا تھا۔ یعنی اس کے نزدیک پیمانہ قدر و منزلت مستحقین کی امداد تھا۔

رعایا کا یہاں تک خیال رکھتا تھا کہ ایک مرتبہ ملک میں قحط کی وجہ سے غلّے کی پیداوار میں کمی واقع ہو گئی تو عشر معاف کر دیا۔ بعد ازاں حالات بدل گئے اور غلّے کی قلت دور ہو گئی مگر عشر وصول نہیں کیا۔[2]

طرز بود و باش

دسویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کا یہ نامور حکمراں جو تاریخ میں سکندر لودھی کے نام سے معروف ہے، نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا اور اس کا طرز بود و باش شاہانہ جاہ و جلال کا مظہر نہ تھا بلکہ اس میں ایک عام آدمی کے اسلوب معاشرت کی جھلک نمایاں تھی۔

---

[1] طبقات اکبری ج ا ص ۳۲۶، تاریخ فرشتہ ج ا ص ۱۸۶ [2] ایضاً۔

اس کا ذکر افسانہ شاہاں کا مصنف ان الفاظ میں کرتا ہے:

عادت سلطان چناں بود تا آنکہ جامہ پارہ نشدے جامۂ نو نپوشیدے۔ تا آنکہ خواب غلبہ نکردے نخسپیدے، ونیز تا آنکہ اشتہا غالب نشدے طعام نخوردے[۱]

سلطان کی عادت تھی کہ جب تک کپڑا پھٹ نہ جاتا، نئے کپڑے نہیں پہنتا تھا، جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو جاتا، سوتا نہیں تھا اور جب تک بھوک غالب نہیں ہو جاتی تھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔

احمد یادگار کی روایت کے مطابق وہ اپنا "جامہ و پلنگ" ہر روز بدلتا تھا اور یہ جامہ و پلنگ یتیم بچیوں کے جہیز میں دے دیا جاتا تھا[۲]

مساجد میں ائمہ وخطباء کا تقرر

سکندر لودھی سخت مذہبی جذبات کا حامل بادشاہ تھا۔ مورخین نے اس کے حالات میں اس ضمن کے بہت سے واقعات تحریر کئے ہیں۔ یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں، اس لئے ہم اس کا مختصر سا تذکرہ کرکے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اس کی طرف سے پورے ملک کی مساجد میں قاری، امام، خطیب اور خدام وجاروب کش مقرر تھے، اور ان کے وظائف ومشاہرات کا باقاعدہ انتظام۔ رمضان اور عیدین وغیرہ ایام متبرکہ میں زیادہ سے زیادہ فقراء ومساکین کی مدد کی جاتی تھی[۳]

سکندر لودھی کے مذہبی اور دینی احساسات بہت نازک تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو نظام الدین بدخشی نے طبقات اکبری میں لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے جس زمانے میں سکندر اپنے بھائی باربک شاہ سے برسر جنگ تھا، ایک قلندر اس کے سامنے آیا اور سکندر کا ہاتھ پکڑ کر کہا، اس لڑائی میں تو فتح پائے گا۔ سکندر نے سختی سے ہاتھ کھینچ لیا، اور درشت لہجہ میں کہا:

---

[۱] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات بحوالہ افسانہ شاہان ورق ۲۹

[۲] تاریخ شاہی ص ۴۹ [۳] طبقات اکبری جلد ۱ ص ۳۳۶

ہر گاہ کہ در طائفہ اسلامیہ جنگ باشد حکم بریک طرف نباید کرد۔ بلکہ باید گفت در آنچہ خیریت اسلام است آں شود۔ و در فتح ہر کہ صلاحِ خلق باشد از حق باید خواست۔[1]

جب باہم مسلمانوں کے درمیان سلسلۂ جنگ جاری ہو تو ایک فریق کے حق میں فیصلہ نہیں کر دینا چاہیے، بلکہ کہنا چاہیے کہ وہی کچھ ظہور میں آئے جو اسلام کے لئے بہتر ہو اور اللہ سے اس فتح کی خواہش کرنی چاہیئے جس میں خلق خدا کی صلاح کا راز مضمر ہو۔

اس کے ان ہی اوصاف کی بنا پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

بالحقیقت محامد زمان سلطنت آں سلطان سعادت نشان از حدِ تقریر و تحریر خارج است[2]

حقیقت یہ ہے کہ اس سلطان سعادت نشان کے عہد کی خوبیاں حد تقریر و تحریر سے باہر ہیں۔

شیخ فخر الدین زاہدی سے ملاقات

سکندر لودھی بہار کے سفر پر گیا تو کئی روز وہاں ٹھہرا اور وہاں کے علماء و مشائخ سے ملاقات کی۔ بہار کے ایک بزرگ شیخ فخر الدین زاہدی تھے جو اس علاقے کی مشہور شخصیت تھے۔ ان کے مریدوں میں بنگال کے بادشاہ بھی شامل تھے۔ ان کا معمول تھا کہ آنے والوں کو شربت پلاتے تھے۔ قیام بہار کے زمانے میں سکندر بھی ان کی خدمت میں گیا۔ اتفاق سے اس وقت مصری یا چینی موجود نہ تھی۔ ایک خادم نے اشارے سے شیخ کو یہ بات بتائی۔ انھوں نے انگلی سے اشارہ کیا: "از شیرینی چینی خواشیدہ ساختہ بیارید" (مٹھائی پر سے چینی کھرچ کر شربت بناؤ اور لے آؤ) بادشاہ اور اس کے رفقاء نے شربت پیا۔

---

[1] طبقاتِ اکبری ج ۱ ص ۳۲۵

[2] اخبار الاخیار ص ۲۲۷

مولانا جمالی بھی بادشاہ کے ساتھ تھے۔ شیخ سے اجازت لے کر باہر آئے تو بادشاہ نے مولانا جمالی سے کہا۔ یہ اپنے دور کے بہت بڑے شیخ ہیں، اس وقت کوئی شیخ نیکی میں ان کی ٹکر کا نہیں ہے، لیکن ان میں ایک نقص یہ ہے کہ جاہل ہیں۔ دورانِ گفتگو میں "من شمارا فبتاً یادی کردم" کہا تھا۔ جہالت کی وجہ سے "فبتاً" اور "غیبتاً" میں فرق نہ کر سکے "من شمارا غیبتاً یادی کردم" کہنا چاہیئے تھا۔

نماز جمعہ کے لئے مسجد میں حاضری

قیام بہار کے زمانے میں سکندر باقاعدگی سے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز اسے آنے میں تاخیر ہو گئی تو میاں بدی حقانی نے جو بہار کے جلیل القدر عالم تھے اور سکندر ان کی بہت قدر کرتا تھا، معمول سے زیادہ انتظار کئے بغیر جماعت کھڑی کرا دی۔ نماز ختم ہو چکی تو بادشاہ پہنچا، مولانا جمالی بھی ساتھ تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ نماز ہو چکی ہے، لیکن یوں ہی نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

اے مرداں! بس ایں مقدار تاخیر نباید کرد کہ بادشاہ بیاید

لوگو! بادشاہ کے انتظار میں اتنی زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہیئے

میاں بدی حقانی نے مولانا جمالی کو جواب دیا:

من نماز خدائے را گزرانیدم وگزاردیم

ہم کو اللہ کی نماز پڑھنا تھی، وہ پڑھالی

بادشاہ نے مولانا جمالی سے خاموش رہنے کی درخواست کی اور میاں بدی سے مخاطب ہو کر کہا:

آپ نے بہت اچھا کیا کہ نماز ادا کر لی، کوتاہی تو میری ہے۔[1]

---

[1] طبقاتِ اکبری ج ۱ ص ۳۲۰ – تاریخ داؤدی ص ۵۳، ۵۴

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

کیا اِن کتابوں سے نماز کا مسنون طریقہ معلوم کیا جا سکتا ہے؟

شیخ محمد ناصر الدین البانی سلفیوں کے امام وقت تھے جن کا انتقال جلد ہی ہوا ہے حدیث وسنت کے ماہر سمجھے جاتے تھے، غیر مقلدین ان کا تذکرہ بہت بلند انداز میں کرتے ہیں ان کی ایک کتاب کا نام صفة صلاة النبی من التکبیر الی التسلیم کانك تراها ہے۔ (اردو میں اس کا پورا نام یوں ہوگا، آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حالت تکبیر سے لے کر سلام تک اس طرح کہ گویا تم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔)

اس کتاب کی اہمیت خود شیخ البانی کے نزدیک یہ ہے، فرماتے ہیں۔ ان کتابنا هذا لما جمع السنن الثابتة عنه صلى الله عليه وسلم فی صفة صلاته فلا عذر لاحد فی ترك العمل بها۔ ص۲۵

یعنی چونکہ میری یہ کتاب آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت نماز کے بارے میں ان تمام سنتوں کی جامع ہے جو آپ سے ثابت ہیں۔ اس لئے اب کسی کو اس پر عمل نہ کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے۔

یعنی اس کتاب میں نماز کا بعینہٖ وہی طریقہ ذکر کیا گیا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہوا کرتی تھی اور جب تم لوگ کو تم اس کتاب میں بیان کردہ طریقہ پر نماز پڑھتے دیکھو گے تو گویا تم نے بعینہٖ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھ لیا ہے۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ کتاب کس قدر جامع اور نماز کے بارے میں کیسی معتبر ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ عرب کے سلفیوں میں نماز کے سلسلہ میں اب یہی کتاب مرجع اور اصل ہے اب یہ سلفی حضرات احادیث اور فقہ کی کتابوں سے نہیں اپنی نماز البانی صاحب کی اس کتاب سے پڑھتے اور سیکھتے ہیں۔

یہ کتاب مکہ مکرمہ کے مدرسہ صولتیہ سے ہمارے ایک کرم فرما نے میرے پاس دو تین ماہ پہلے بھیجی تھی۔ اس کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کا اتفاق اب تک نہیں ہو سکا تھا ابھی دو چار روز قبل میں نے اسے ذرا غور سے پڑھا ہے۔

اس سے پہلے برصغیر کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی نماز ہی کے بارے میں ایک کتاب پڑھ چکا تھا۔ مولانا صادق سیالکوٹی کی کتاب کا نام "صلوٰۃ الرسول" یعنی رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے یہ کتاب بھی ان کے زعم کے مطابق خالص حدیث وسنت کی روشنی میں تیار ہوئی ہے، جیسا کہ غیر مقلدین علماء اور خود مولانا سیالکوٹی صاحب کا دعویٰ ہے۔ مولانا صادق صاحب اپنی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بتائی اور پڑھ کر دکھائی نماز پر مدلل کتاب لکھوں تاکہ میرے پیارے مسلمان بھائی اور بہنیں اسے پڑھ کر نمازیں سنت کے مطابق ادا کریں" ص۴

یعنی اس کتاب میں بھی جو طریقہ نماز بتلایا گیا ہے وہ خالص سنت والا طریقہ ہے اور بعینہ وہی نماز کا طریقہ ہے جس پر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

اس کتاب صلوٰۃ الرسول کے بارے میں مولانا محمد داؤد غزنوی فرماتے ہیں:

"تمام مسائل سنت کے مطابق بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے" ص۱۶

مولانا محمد صاحب گوندلوی ارشاد فرماتے ہیں:

آپ نے عاشقان رسول کے لئے "نماز اسوۂ رسول کے مطابق پیش فرمائی ہے" ص۱۹

غرض جس طرح البانی صاحب کی کتاب میں بعینہ نماز کا وہی طریقہ بیان کیا گیا ہے جو رسول اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا، اسی طرح صلوٰۃ الرسول کے بارے میں بھی یہی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس میں جو نماز کا طریقہ ہے وہ بعینہٖ وہی طریقہ ذکر کیا گیا ہے جس پر رسول اللہ کی نماز تھی۔

مگر عجیب بات ہے کہ دونوں کتابوں کے بارے میں ایک ہی طرح کے دعوے کے باوجود جب ہم ان دونوں کتابوں کو غور سے پڑھتے ہیں تو بہت سی جگہوں پر نماز کا طریقہ بیان کرنے میں نمایاں اختلاف ہے، شیخ البانی صاحب کے یہاں آنحضورؐ کی نماز کا طریقہ کچھ تھا اور صلوٰۃ الرسول کے مصنف سیالکوٹی صاحب کے یہاں آنحضورؐ کی نماز کا طریقہ کچھ اور تھا، حالانکہ دعویٰ دونوں کا یہی ہے کہ ان کی نماز کا طریقہ بعینہٖ حضور والا ہے، اور وہی ہے جس کا ثبوت احادیث اور سنتِ رسول سے ہے۔

ذیل کی کچھ مثالوں سے ان دونوں کتابوں میں آنحضور کی نماز کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ واضح ہو رہا ہے۔

(۱) صادق صاحب فرماتے ہیں کہ

"الحمد شریف پڑھے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی فرض ہو، نفل ہو، نمازی امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا: ص۲۰"

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضور کی نماز کا طریقہ یہ تھا کہ جہری نماز میں مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا بلکہ خاموش رہے گا، فرماتے ہیں:

ثم نهاهم عن القرأة كلها في الجهرية كلها یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو تمام جہری نمازوں میں ہر قسم کی قرأت سے منع کردیا"

وجعل الانصات لقرأة الامام عن تمام الأئتمام به فقال وانما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا، ص۸۰

اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے امام کی قرأت کو خاموش رہ کر سننے کو امام کی پوری اقتدار کی تمامیت قرار دیا اور فرمایا کہ امام اسلئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

دیکھئے کہ دونوں صاحبان کے بیان کردہ طریقوں میں کتنا زبردست اختلاف ہے،
البانی صاحب کے یہاں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ یہ تھا کہ جہری نمازوں میں مقتدی
خاموش رہے گا کچھ نہیں پڑھے گا اور صادق صاحب کے یہاں مقتدی کا ان نمازوں میں
بھی سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے بلا اس کے نماز ہی نہیں ہوگی۔

اب ہم حیران ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کونسی تھی؟ صادق صاحب والی یا
البانی صاحب والی! دعویٰ دونوں ہی کا ہے کہ وہ نبی کی نماز سکھلا رہے ہیں۔

(۲) صادق صاحب فرماتے ہیں:

ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیاں کشادہ اور کھلی رکھیں ص۱۸۰

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"لا یفرج بینها ولا یضمها" ص۹

یعنی نمازی ہاتھ اٹھاتے وقت نہ انگلیاں کشادہ رکھے گا اور نہ ملا کر رکھے گا۔ (یعنی
انگلیاں اپنی طبعی حالت پہ رہیں گی۔

دیکھئے دونوں سلفی عالم کے بیان میں کیسا زبردست اختلاف ہے، ایک کہتا ہے کہ ہاتھ
اٹھاتے وقت انگلی کھلی رکھے گا اور دوسرا کہتا ہے کہ کھلی نہیں رکھے گا۔

اب ہم کیسے جانیں کہ آنحضور کی نماز کس طرح پر تھی، دعویٰ دونوں کا
یہی ہے کہ وہ آنحضور کی نماز سکھلا رہے ہیں۔

(۳) صادق صاحب فرماتے ہیں:

نیت کے ساتھ باوضو قبلہ کی جانب منہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یدین کرے" ص۱۸۰

اور البانی صاحب فرماتے ہیں:

وکان یرفع یدیه تارة مع التکبیر وتارة بعد التکبیر وتارة
قبله ص۸ یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کبھی تکبیر کے ساتھ رفع یدین
کرتے تھے کبھی تکبیر کے بعد اور کبھی تکبیر سے پہلے رفع یدین کرتے تھے۔

دیکھئے صادق صاحب کا طریقہ رسول اور البانی صاحب کا طریقہ رسول دونوں میں کتنا زبردست اختلاف ہے، اب معلوم نہیں ان دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے۔

(۴) صادق صاحب فرماتے ہیں:

پھر یہ پڑھیں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ص۱۹۳

اور البانی صاحب فرماتے ہیں:

ثم کان صلے اللہ علیہ وسلم یستعیذ باللہ تعالیٰ فیقول: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم من ھمزہ و نفخہ و نفثہ وکان احیانا یزید فیہ فیقول اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن ص۶۸

یعنی پھر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے ذریعہ پناہ چاہتے تھے اور کہتے تھے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم من ھمزہ و نفخہ و نفثہ اور کبھی یوں کہتے تھے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن۔

دیکھئے تعوذ کے سلسلہ میں دونوں صاحبوں کے درمیان کیسا اختلاف ہے اب معلوم نہیں کس کی بات صحیح ہے، اور ہمیں کیسے معلوم ہو کہ آنحضور کی نماز کا طریقہ ان دونوں میں سے کون صاحب صحیح بتلا رہے ہیں، دعویٰ دونوں صاحبان کا یہی ہے کہ وہ مسنون نماز کی تعلیم و تلقین فرما رہے ہیں۔

(۵) صادق صاحب فرماتے ہیں کہ:

جب آپ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ہوں تو جس وقت امام ولا الضالین کہے تو آپ کو اونچی آواز سے آمین کہنی چاہیئے۔ ص۱۵۹

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

تامین المقتدین وراء الامام یکون جھرا ومقرونا مع تامین الامام حاشیہ ص۴۳

یعنی مقتدی زور سے امام کے آمین کہنے کے ساتھ ساتھ آمین کہے گا۔

دیکھئے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ مقتدی کے آمین کہنے کا وقت وہ ہے جب امام ولا الضالین کہے اور دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ امام جب آمین کہے گا تب مقتدی آمین کہیں گے۔ اب معلوم نہیں ان دونوں صاحبوں میں سے کس کا بیان صحیح ہے، دعویٰ دونوں کا یہی ہے کہ وہ آنحضورؐ والی نماز کی تعلیم فرما رہے ہیں۔

(۶) صادق صاحب فرماتے ہیں کہ

اب آپ قرأت سے فارغ ہو کر رکوع کریں ص۲۱۶

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ

ثم کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ عن القرأۃ سکت سکتۃ ص۹۶

یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب قرأت سے فارغ ہوتے تھے تو تھوڑی دیر خاموش رہتے تھے۔

دیکھئے دونوں صاحبوں کے بیان میں کیسا فرق ہے، صادق صاحب فرماتے ہیں کہ قرأت ختم کرکے رکوع کرے اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے تھوڑا سکوت اختیار کرے پھر رکوع کرے، اب ہمیں کیسے معلوم ہو کہ کون سا مسنون طریقہ ہے، دعویٰ دونوں صاحبوں کا یہی ہے کہ وہ مسنون نماز سکھلا رہے ہیں۔

(۷) صادق صاحب فرماتے ہیں:

اگر آپ امام ہیں تو رکوع سے قومہ میں جاتے وقت یہ پڑھیں سمع اللہ لمن حمدہ مقتدی یہ کہیں ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ ص۲۲۲

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ

ثم یقول سمع اللہ لمن حمدہ حتی یستوی قائما ثم کان یقول وھو قائم ربنا ولک الحمد وامر بذلک کل مصل موتما اوغیرہ ص۱۰۲

یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز یہ تھا کہ آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے پھر اسی کھڑے ہونے کی حالت میں ربنا ولک الحمد

کہتے تھے اور اسی کا آپ نے مقتدی وغیر مقتدی سب کو حکم دیا۔

آپ غور فرمائیں کہ ان دونوں سلفی اماموں کے بیان میں کتنا اختلاف ہے۔ صادق صاحب فرماتے ہیں کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا۔ اور مقتدی صرف یہ کہیں گے ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ۔ جب کہ البانی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا ولک الحمد کہیں گے۔

صادق صاحب نے مقتدی کے لیے اس موقع کا ذکر مسنون قرار دیا ہے یعنی سمع اللہ لمن حمدہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ۔ البانی صاحب کے یہاں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں۔

اس زبردست اختلاف کے باوجود دونوں صاحبان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی نماز آنحضور والی ہے۔

(۸) صادق صاحب نے اپنی کتاب میں کہیں یہ نہیں بتلایا ہے کہ آنحضور کی نماز کا طریقہ یہ تھا کہ رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے بھی رفع یدین کرنا چاہئے جب کہ البانی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی طریقہ تھا کہ آپ سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے، فرماتے ہیں :

وکان احیانا یرفع یدیہ اذا سجد ص۱۰۶ یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت رفع یدین دس صحابہ سے مروی ہے

وقد روی ھذا الرفع من عشرۃ من الصحابۃ ص۱۰۶ یعنی یہ رفع یدین دس صحابہ کرام سے مروی ہے۔

(۹) صادق صاحب فرماتے ہیں :

وائل بن حجر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے، معلوم ہوا کہ قومہ سے سجدہ میں گرتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے چاہئیں ص۲۴۵

اور البانی صاحب فرماتے ہیں ۔

وکان یضع یدایہ علی الارض قبل رکبتیہ ص۱۰۱

یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے وقت زمین پر گھٹنوں سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے تھے ۔

دیکھیے دونوں کے بیان میں زمین آسمان کا اختلاف ہے ، ایک کا کہنا ہے کہ سجدہ کرتے وقت آنحضور کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے زمین پر گھٹنے رکھتے تھے ، دوسرا کہتا ہے کہ نہیں پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھتے تھے ۔ اب پتہ نہیں کس کی بات آنحضور والی ہے ۔

(۱۰) صادق صاحب نے یہ نہیں ذکر کیا ہے کہ پہلا سجدہ کر کے جب معلی اٹھے گا تو بھی رفع یدین کرے گا ، مگر البانی صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضور کی نماز میں سجدہ کر کے اٹھتے وقت بھی رفع یدین تھا ۔

وکان یرفع یدیہ مع ھذا التکبیر احیانا ۔ ص۱۶۷

یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز یہ تھا کہ آپ پہلے سجدہ والی اس تکبیر کے ساتھ بھی رفع یدین کرتے تھے ، اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس جگہ رفع یدین صحیح سند سے مختلف صحابہ وتابعین سے ثابت ہے ۔

(۱۱) صادق صاحب نے دوسرے سجدہ میں جاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا صرف اتنا کہا کہ جب اطمینان سے پہلے سجدہ سے فارغ ہولیں ... ۔ تو پھر دوسرا سجدہ کریں ص۲۶۳

لیکن البانی صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دوسرا سجدہ کرتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے ۔

وکان یرفع یدیہ مع ھذا التکبیر احیانا ص۱۱۹

یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے سجدہ میں جاتے وقت تکبیر کے ساتھ بھی کبھی رفع یدین کرتے تھے ۔

(۱۲) دوسرا سجدہ کرنے کے بعد بیٹھتے وقت رفع یدین کرنا چاہئے کہ نہیں ؟

البانی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز یہ تھا کہ کبھی کبھی اس موقع پر بھی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے ۔

وکان یرفع یدیہ احیانا ص۱۲۰

صادق صاحب نے اس جگہ بھی رفع یدین کا ذکر چھوڑ دیا ہے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہاں دوسرے سجدہ سے اٹھنے کے وقت کی کیفیت کو بتلانے کے لئے جس حدیث کو ذکر کیا ہے اس میں رفع یدین کا بھی ذکر ہے مگر چونکہ صادق صاحب کا یہ مذہب نہیں ہے اس وجہ سے ترجمہ میں خیانت کرتے ہوئے رفع یدین کا ذکر ہی ترجمہ میں اڑا دیا، سنئے صادق صاحب فرماتے ہیں :

دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت ذرا بیٹھ کر اٹھیں اس کی صورت یہ ہے ۔

ثم یقول اللّٰہ اکبر ویرفع ویثنی رجلہ الیسری فیقعد علیہا ثم ینہض

پھر حضور اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسرے سجدہ سے اٹھنے اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے اس پر پھر کھڑے ہوتے دوسری رکعت کیلئے ۔ ص۲۲۴

صادق صاحب نے ازراہ دیانت ویرفع کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہتے اور رفع یدین کرتے ۔

البانی صاحب نے دیانت داری سے کام لیا ہے کہ جو بات حدیث میں ہے اسے پوری بتلائی، صادق صاحب نے حدیث رسول کے ساتھ کھلواڑ کیا اور خیانت سے کام لیا۔

اب ایسے اہلحدیث لوگ نماز کا وہ طریقہ بتلائیں گے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔

(۱۳) تشہد میں انگلی ہلائی جائے یا نہیں تو صادق صاحب فرماتے ہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انگلی کو (تشہد میں) رفع کے دوران ہلانا بھی درست ہے اور نہ ہلانا بھی درست ہے ص۲۷۱ ، اور فرماتے ہیں کبھی کبھی انگلی ہلائی بھی جائے ص۲۷۲

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ :

وعنه يتبين ان تحريك الاصبع فى التشهد سنة ثابتة عن النبى صلے اللہ علیہ وسلم . . . . . وحديث انه كان لا يحركها لا يثبت من قبل اسنادہ ۔ ص ۱۲۴

یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد میں انگلی کا ہلانا آنحضور کی سنت ثابتہ ہے اور نہ ہلانے والی حدیث سند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے ۔

ناظرین غور فرمائیں دونوں سلفی عالم کے بیان میں کتنا تضاد و اختلاف ہے ، اور دعویٰ دونوں کا یہی ہے کہ وہ نماز کا وہ طریقہ بتلا رہے ہیں جو آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ۔

(۱۵) دو تشہد والی نماز میں صادق صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے تشہد میں بیٹھ کر صرف التحیات پڑھیں گے ، فرماتے ہیں :

اب آپ قعدہ نماز میں تشہد پڑھیں ص ۲۶۵

اور دوسرے تشہد میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھیں گے ص ۲۷۴

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے تشہد اور دوسرے تشہد دونوں میں التحیات کے ساتھ دعا بھی پڑھیں گے ۔ فرماتے ہیں :

قلت وظاهر الحديث يدل علے مشروعية الدعاء فى كل تشهد ولو كان لا يليه السلام ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ حدیث کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ ہر تشہد میں دعا مشروع ہے خواہ سلام اس کے بعد ہو یا نہ ہو ص ۱۲۵ حاشیہ

"دیکھئے دونوں حضرات کی باتوں میں کتنا اختلاف ہے اب کیسے معلوم ہو کہ البانی صاحب والا طریقہ رسول اللہ والی نماز کا طریقہ ہے یا سیالکوٹی والا طریقہ ، رسول اللہ والی نماز کا طریقہ ہے ۔ دعویٰ دونوں ہی کا ہے کہ وہ رسول اللہ کی نماز بتلانے والی کتاب لکھ رہے ہیں ۔

(۱۶) صادق صاحب کے فرمان کے مطابق جیسا کہ اوپر معلوم ہوا کہ پہلے تشہد میں صرف التحیات پڑھے گا اور دوسرے تشہد میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھے گا ۔ اور

البانی صاحب فرماتے ہیں :

وکان یصلی علی نفسہ فی التشہد الاول وغیرہ ص۱۲۸

یعنی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پہلے تشہد اور دوسرے تشہد دونوں میں درود شریف پڑھتے تھے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ دونوں سلفی علماء کے بیان میں کیسا اختلاف ہے، جبکہ دعویٰ دونوں حضرات کا یہی ہے کہ جو وہ لکھ رہے ہیں وہی رسول اللہ کی نماز تھی۔

نماز میں سلام کا طریقہ کیا ہو تو البانی صاحب نے اس کا بیان چار طرح کیا ہے۔

(۱) السلام علیکم ورحمۃ اللہ (دائیں) السلام علیکم ورحمۃ اللہ (بائیں)

(۲) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۳) السلام علیکم ورحمۃ اللہ (دائیں) السلام علیکم (بائیں)

(۴) السلام علیکم (قبلہ رخ منہ کر کے) (صرف ایک دفعہ) ص۱۲۹

اور صادق صاحب فرماتے ہیں

عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں سلام پھیرتے اور کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ، اور بائیں سلام پھیرتے اور کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ ص۲۹

صادق صاحب نے بارگاہ ایزدی سے رخصت والا یہی سلام بتلایا ہے اس کے بعد ایک سلام بابرکات کا بھی ذکر کیا ہے، مگر صاف بتلایا نہیں ہے کہ وہ بھی بارگاہ ایزدی سے رخصت کے وقت کہنا چاہیئے یا نہیں۔

بہرحال معلوم ہوا کہ سلام کا طریقہ بھی صادق صاحب والا اور ہے اور البانی صاحب والا اور، اب کیسے معلوم کہ آنحضور کی نماز کس طرح پڑھی۔

(۱۷) صادق صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ الرسول میں نماز کے بعد بہت سے اذکار بھی ذکر کئے ہیں اور ان اذکار کے بارے میں ان کا ارشاد ہے :

امام اور سب مقتدیوں کو مندرجہ ذیل اذکار اور اوراد جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلے ہوئے ہیں فرض نمازوں کے بعد پڑھنے چاہئیں۔ ص۲۹۲
جب کہ البانی صاحب نے سلام پر اپنی کتاب ختم کر دی ہے اور نماز کے بعد کا کوئی ایک ذکر یا ورد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱۸) البانی صاحب نے فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ یہی تھی کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر یا بلا ہاتھ اٹھائے دعا نہیں مانگی جائے گی۔

اور مولانا صادق صاحب فرماتے ہیں :

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے ص۳۱۱

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ ہم کیسے جانیں کہ آنحضور کا نماز والا طریقہ کون سا ہے، البانی صاحب والا یا صادق صاحب والا۔

(۱۹) البانی صاحب جیسا کہ معلوم ہوا سلام پھیر کر کسی طرح کی دعا کو مسنون نہیں قرار دیتے ہیں۔

اور صادق صاحب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو درست کہتے ہی ہیں ایک اور طریقہ دعا کا بتلاتے ہیں، فرماتے ہیں :

معلوم ہوا کہ امام کا سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا درست ہے ص۳۱۲

(۲۰) تشہد کے بعد صادق صاحب فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھے، درود شریف سے پہلے کسی حمد و ثنا کا وہ ذکر نہیں کرتے۔

اور البانی صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ کا فرمان تھا کہ :

واذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید ربہ عزوجل والثناء علیہ ثم یصلی، یعنی جب تم میں کا کوئی درود پڑھے تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرے ص۱۴۴

یعنی صادق صاحب کا درود کا طریقہ الگ ہے اور البانی صاحب کا درود پڑھنے کا طریقہ

الگ ہے۔

(۲۱) درود شریف کے بعد صادق صاحب نے صرف دو دعا ذکر فرمائی ہے کہ ان میں سے جو چاہے مصلی پڑھے اور دونوں کو پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ ص۲۷۸

اور البانی صاحب نے بہت سی دعائیں ذکر کی ہیں اور ان سب کو مسنون قرار دیا ہے، مصلی ان میں سے جو چاہے پڑھ لے سنت ادا ہو جائے گی، فرماتے ہیں۔

وکان یدعو فی صلوٰته بادعیة متنوعة یعنی آنحضور قسم قسم کی دعائیں مانگا کرتے تھے (کبھی یہ کبھی وہ) اور فرماتے ہیں کہ وامر المصلی ان یتخیر منها ما شاء یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو حکم فرمایا کہ ان دعاؤں میں سے جو چاہے پڑھے۔

(۲۲) صادق سیالکوٹی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز ایک رکعت سے نو رکعت تک پڑھتے تھے، فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف احوال و اوقات میں وتر ایک بھی پڑھا ہے اور تین بھی اور سات بھی اور نو بھی پڑھے ہیں ص۳۵۴

اور البانی صاحب کے نزدیک وتر صرف تین رکعت ہے، فرماتے ہیں:

صلوٰۃ الوتر، وکان یقرأ فی الرکعة الاولیٰ سبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الثانیة، قل یاایها الکافرون، وفی الثالثة قل هو الله احد۔ ص۱۰۴

یعنی وتر کی نماز، آپ صلے اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں قل یاایها الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو الله احد۔

البانی صاحب نے اس تین رکعت والی وتر کے علاوہ ایک، پانچ، سات اور نو رکعتوں والی وتر کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

ناظرین ان دونوں سنتوں کے ماہرین کے بیان میں سے کس کا بیان صحیح ہے، اس کا اندازہ آپ کیسے لگائیں گے؟ اور کیسے معلوم ہو کہ وتر کی نماز کے بارے میں آنحضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کا طریقہ کیا تھا، ایک کچھ کہتا ہے اور دوسرا کچھ کہتا ہے، اور دعویٰ دونوں کا یہی ہے کہ وہ نماز کا وہی طریقہ بتلا رہا ہے جو نبی کا طریقہ تھا۔

(۲۳) البانی صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وتر میں دعا قنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:

وکان یقنت فی رکعۃ الوتر احیانا ویجعلہ قبل الرکوع ص۱۴۲

یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کبھی وتر میں دعا قنوت پڑھا کرتے تھے اور اس کو رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

اور صادق صاحب فرماتے ہیں کہ وتر میں دعا قنوت رکوع کے بعد آنحضورؐ پڑھا کرتے تھے۔ ص۲۵۹ و ص۲۶۰

دیکھئے دونوں حضرات کے بیان میں کتنا تضاد ہے، ایک کہتا ہے کہ دعا قنوت رکوع سے پہلے ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ رکوع کے بعد ہے۔ اب عام لوگوں کو کیسے معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کا طریقہ کیا تھا۔

ناظرین کرام ہم انھیں مثالوں پر اس وقت اکتفا کرتے ہیں ورنہ دونوں کتابوں میں اختلاف اور تضادات کی اور بھی مثالیں ہیں جن کو مضمون کی طوالت کے پیش نظر ہم نے نظر انداز کر دیا ہے۔

اب قارئین کرام ذرا سنجیدگی سے تھوڑی دیر غور کریں کہ جن کے سامنے ان دونوں کتابوں کا مضمون ہوگا اور پھر وہ البانی صاحب اور صادق صاحب کے ان تضادات و اختلافات کو دیکھے گا کیا اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ واقعی آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ کیا تھا، اور مسنون نماز وہ ہے جس کا ذکر صلوٰۃ الرسول میں ہے یا وہ ہے جس کا بیان البانی صاحب کی کتاب میں ہے۔

اور ایک بات جو بہت اہم ہے اور دونوں کتابوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ

ان دونوں کتابوں کے پڑھنے کے بعد ان کے زعم و خیال کے مطابق آنحضور کی نماز کا طریقہ تو معلوم ہوجاتا ہے اگرچہ دونوں کا بیان کردہ طریقہ الگ الگ ہے، مگر ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب سے یہ تفصیل سامنے نہیں آتی ہے کہ نماز میں کون سی چیز واجب ہے اور کون سی چیز سنت ہے اور کون سی چیز مستحب ہے، کس عمل سے نماز باطل ہوجائیگی اور کس سے باطل نہ ہوگی ناقص رہے گی، اس اعتبار سے یہ دونوں کتابیں انتہائی ناقص اور غیر مفید ہیں ۔

اور یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسئلے مسائل پر گفتگو کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہے جن کے ہاتھ میں احادیث کی چند کتابیں ہوں، یہ کام ان لوگوں کا ہے جن کو اللہ نے دین میں فقاہت کی دولت سے نوازا ہے، یہ کام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان جیسے دوسرے مجتہدین وائمہ فقہ وحدیث کا ہے، البانی صاحب، شوکانی صاحب، اور صادق صاحب جیسے لوگوں کا کام نہیں ہے اگر یہ حضرات یا ان جیسے لوگ دینی مسائل میں دخل اندازی کریں گے تو نماز جیسی اہم عبادت کی بھی ایک کتاب صحیح ڈھنگ سے مرتب نہیں کرسکیں گے، اور اگر اس کی جرأت کی بھی تو صادق صاحب کی کتاب صلوٰۃ الرسول اور البانی صاحب کی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی جیسی کتابیں تیار ہوں گی جو تضادات واختلافات سے بھری اور نہایت ناقص ہوں گی ۔

صـ۴۲ کا بقیہ:
ذرا بھی تکلف نہیں، بہترین رفیق سفر، بمبئی کے راستوں سے ایسے واقف کہ ڈرائیوروں کی بھی رہنمائی کریں۔ تحفظ سنت کے عشرہ کو کامیاب بنانے میں جہاں بہت سے بزرگوں کا کردار ہے وہیں اس نوجوان کا بھی قابل رشک کردار ہے، ان سطور کو لکھتے لکھتے جب میں نے شفیق احمد سلمہٗ اور ان کی برق رفتاری کا تصور کیا تو فی البدیہہ یہ شعر زبان پر جاری ہوگیا ؎

بجلی سی دوڑتی ہے میرے جسم میں شفیق ٭ اک پل کے برابر بھی نہیں چین ہے مجھے

(جاری)

محمد اعجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اس کا جواب

فقہ حنفی کا ایک مسئلہ

اور اس پر غیر مقلدین کے اعتراض کی حقیقت

محترم المقام حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری مدظلہ،
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمدللہ مجلہ زمزم کا مطالعہ پابندی سے ہم اور ہمارے احباب کرتے ہیں، اور آپ کی پرمغز اور مدلل تحریروں سے ہمیں بے انتہا فائدہ ہوا ہے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے غیر مقلدیت کی حقیقت سے ہمیں آگاہ کر دیا، اور فقہ حنفی پر ہمارے اعتماد کو مستحکم بنا دیا۔

غیر مقلدین فقہ حنفی کے اس مسئلہ کو بہت اچھالتے ہیں کہ اگر میاں بیوی سال بھر کی مسافت پر ہوں اور ان کا نکاح ہوا اور بظاہر میاں بیوی کے ملنے کی بھی کوئی شکل نہیں ہے، پھر بیوی کو لڑکا پیدا ہوا تو اگر نکاح کے بعد چھ مہینہ کی مدت میں یہ بچہ پیدا ہوا تو بھی لڑکا حرامی نہیں ہوگا بلکہ اس کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔

براہ کرم اس مسئلہ پر تھوڑی سی روشنی ڈالیں کرم ہوگا۔ والسلام

ولی اللہ قاسمی
سدھارتھ نگر۔ یوپی

ناظرین! غیر مقلدین حضرات مذکورہ بالا مسئلہ کو اسلئے اچھالتے ہیں کہ ان کا رشتہ کتاب وسنت سے بہت کمزور ہے، اور شریعت کے مسائل کی حکمتوں سے یہ ناواقف ہیں۔ ان کی نگاہ میں نہ وسعت ہے نہ گہرائی، ان کا اوڑھنا بچھونا رفع یدین، آمین بالجہر جیسے کچھ مسائل ہیں یہ انھیں میں اپنی زندگی کھپاتے ہیں، ان کو شریعت اور فقہ کے دقیق ترین مسائل کا علم ہو بھی تو کیسے ہو، اور لطف یہ ہے کہ یہ خود اپنی کتابوں سے جاہل ہوتے ہیں، ان کو پتہ ہی نہیں کہ ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے الولد للفراش وللعاهر الحجر، یعنی لڑکا شوہر کا ہوتا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔ یعنی اس کا لڑکے سے کوئی حق متعلق نہیں ہوگا بلکہ اس کو پتھر کی سزا ملے گی، یہ حدیث تقریبًا بیس صحابہ کرام سے منقول ہے، اس حدیث کی بناپر جمہور امت کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں نکاح کا تعلق قائم ہے، اور کسی طرح پر صحبت اور وطی کا امکان بھی پایا جاتا ہے اگرچہ یہ امکان بعید تر ہو اور چھ ماہ کی مدت گزرنے پر بچہ پیدا ہو رہا ہے اور میاں بیوی میں سے کوئی بھی اس بچے کا منکر نہیں ہے بلکہ دونوں اس کو اپنا بچہ تسلیم کر رہے ہیں تو یہ لڑکا حرامی نہیں قرار پائے گا، اور اس کا نسب اس کے باپ سے ثابت ہوگا ۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مشہور غیر مقلد عالم اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وظاهر الحديث ان الولد انما يلحق بالاب بعد ثبوت الفراش وهو لا يثبت الا بعد امكان الوطی فی النكاح الصحيح او الفاسد، والی ذلك ذهب الجمهور۔ (تحفۃ الاحوذی ص۲۰۳ ج۲) مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ نکاح قائم ہونے کی شکل میں لڑکا باپ کا قرار پائے گا۔ اگر میاں بیوی میں صحبت کا پایا جانا ممکن ہے، خواہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو، اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

اس عبارت میں آپ غور فرمائیں کہ میاں بیوی میں صحبت کا پایا جانا متیقن نہیں ہے،

بلکہ صرف امکان ہے کہ میاں بیوی میں صحبت پائی جاسکتی ہے تو محض اس امکان کے پیش نظر لڑکے کا نسب محفوظ ہوگا اور یہ لڑکا شوہر کا بیٹا قرار پائے گا، شوہر اس کا باپ ہوگا، بیوی اس کی ماں ہوں گی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر میاں بیوی میں ملاپ کی کسی شکل کا کوئی امکان ہے اگرچہ وہ امکان بعید ہی سہی تو بھی اس حدیث کی روشنی میں یہ لڑکا اس شوہر اور بیوی کا ہوگا، الایہ کہ ماں باپ دونوں یا ان میں کا کوئی انکار کرے تو اس شکل میں شریعت کا دوسرا قانون جاری ہوگا لیکن ماں باپ اگر اس کو اپنا لڑکا تسلیم کر رہے ہیں تو اب لڑکے کو حرامی قرار دینا اور ماں کو زانیہ بتلانا اور باپ سے لڑکے کا نسب تسلیم نہ کرنا یہ قطعاً درست نہیں ہے۔ اگر کوئی غیر مقلد اس پر مصر ہے کہ نہیں صاحب لڑکا حرامی ہے، ماں زانیہ ہے، باپ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا تو اس حدیث کی رو سے وہ غیر مقلد شریعت کا نافرمان ہے۔ صحیح حدیث کا منکر ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ الولد للفراش والی حدیث حدیث حسن اور صحیح ہے، افسوس کہ غیر مقلدین اس مسئلہ کو اچھال کر فقہ حنفی کے خلاف ہی نہیں جمہور کے مذہب کے خلاف طوفان برپا کئے ہوئے ہیں اور حدیث رسول کا انھوں نے مذاق بناکر رکھدیا ہے۔

ہمیں اس موقع پر مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری کی بھی ایک غلط بیانی کو واشگاف کرنا ہے، مولانا نے اس حدیث کی شرح میں جمہور کا مذہب بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ وروی عن ابی حنیفۃ انہ یثبت بمجرد العقد یعنی حضرت امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ لڑکے کا باپ سے نسب محض عقد ہی کی وجہ سے ثابت ہو جائے گا۔ مولانا مبارکپوری نے یہاں بہت سے فریب کو کام میں لاکر اپنی غیر مقلدیت اور احناف اور امام ابوحنیفہ کے خلاف اپنے دلی بغض کو ظاہر کیا ہے۔ پہلا فریب تو ان کا یہ ہے کہ انھوں نے بلا دلیل ایک مرجوح روایت کو امام کا مذہب بتلایا، جب کہ وہ خود رُوِیَ مجہول کا صیغہ لا رہے ہیں جس کا مطلب اہل علم خوب سمجھتے ہیں کہ اگر یہ بات امام ابوحنیفہ سے منقول بھی ہے تو یہ قول مرجوح اور غیر مفتی بہ قول ہے، امام ابوحنیفہ کا یہ اصل مذہب نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کا اصل مذہب

وہی ہے جو جمہور کا ہے تو اب بلا وجہ امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ایک مرجوح قول کو علیحدہ سے ذکر کر کے مذہب حنفی کو جمہور کے مذہب کے خلاف بتلانا یہ کون سی دیانت و امانت ہے۔

دوسری خیانت یا فریب مبارکپوری صاحب کا یہ ہے کہ انھوں نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ بات انھوں نے کس کتاب سے نقل کی ہے۔ ہوا میں ایک فائر کر دیا، کیا ہوائی فائر سے مولانا مبارکپوری صاحب فقہ حنفی کے مضبوط قلعہ میں شگاف ڈالنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

تیسرا فریب یا ان کی چالاکی یہ ہے کہ اس بارے میں انھوں نے فقہ اہل حدیث کا مسئلہ نہیں بیان کیا اور جمہور کے سایہ تلے پناہ لینے کا حیلہ اختیار کیا، فقہ اہل حدیث یعنی اس بارے میں غیر مقلدوں کا کیا مذہب ہے، اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

چوتھی خیانت یا فریب مبارکپوری صاحب کا یہ ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ کا صحیح مذہب نقل نہیں کیا، امام ابو حنیفہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان وطی اور صحبت کا امکان ہو (اگرچہ بطور کرامت یا جنات وغیرہ کے واسطے) اور چھ ماہ کی مدت میں لڑکا پیدا ہوا ہو، اس سے کم مدت میں نہیں تب بھی وہ لڑکا باپ کا قرار پائے گا۔ اور یہ اسلئے کہ جب باپ اور ماں اس لڑکے کے بیٹا ہونے کے منکر نہیں ہیں تو یہ صریح دلیل ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان کا آپس میں میل ہوا ہوگا ورنہ کون ایسا باپ ہوگا جو حرامی بچہ کو خوشی سے اپنا بچہ بتائے گا، غیر مقلدین کے عقل و فہم کا عجیب عالم ہے کہ جس لڑکے کو باپ اپنا بچہ تسلیم کر رہا ہے اس کو یہ زبردستی حرامی قرار دے رہے ہیں اور ماں باپ کو بلا دلیل خواہ مخواہ زانی اور زانیہ قرار دینے پر مصر ہیں، اگر یہ زمانہ خلافتِ اسلامیہ کا ہوتا تو ایسے غیر مقلدوں کو ماں باپ کی شکایت پر حد قذف لگائی جاتی اور جب کوڑے پیٹھ پر پڑتے تب ان کی غیر مقلدیت ہوا میں تحلیل ہو جاتی۔

قربان جائیے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دور بینی، فہم و فراست اور تفقہ میں وسعت و گہرائی پر کہ گویا وہ آج سے تیرہ سو سال پہلے دیکھ رہے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسافت سمٹ جائے گی اور مشرق و مغرب کا فاصلہ گھنٹوں اور دنوں کا ہو جائے گا اور ایک آدمی

بڑی آسانی سے ہزاروں میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے کر کے واپس بھی آجائے گا، آج ہم اسی دور میں ہیں، صبح دہلی میں ہوائی جہاز پر سوار ہوئے، چار پانچ گھنٹہ میں سعودیہ پہنچ جائیں گے وہاں کچھ وقت گزارئے اور رات میں پھر دہلی واپس آجائیے، آپ دہلی میں ہیں، بیوی جدہ میں ہے یا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیا اب بھی اور اس دور میں بھی کسی کو مشرق و مغرب کی مسافت پر میاں بیوی کے ہونے پر ان کے ملاپ کے امکان میں بلکہ عین وقوع میں کچھ شبہ ہے یہ حقیقت آج غیر مقلدین کے سامنے بھی واضح ہے مگر یہ عقل کے اندھے حنفیہ کے اس مسئلہ پر آج بھی اعتراض کئے جا رہے ہیں۔ فهل نبکی علی عقول هولاء الغرباء ام نضحك علی علی عقول هولاء الحمقاء۔

بہرحال آپ نے معلوم کر لیا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ عین شریعت کے مطابق ہے، صحیح حدیث سے اس کی تائید ہو رہی ہے، اور یہی مذہب جمہور کا بھی ہے، اور آج تو اس مسئلہ کی واقعیت روز روشن کی طرح واضح ہے۔

فقہ حنفی کے مسئلہ پر تو میں نے روشنی ڈال دی، اب ذرا آپ غیر مقلدین کے گھر کا مسئلہ بھی اس بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ نزل الابرار میں ہے:

اذا اتت زوجة الرجل بولد بعد نصف سنة منذ وقع الاجتماع بها۔
. . . . ولو كان الزوج ابن عشر سنين لحقه نسبه (نزل الابرار ص ۱۹۱ ج ۲)

یعنی میاں بیوی میں ملاقات ہوئی، میاں صاحب صرف دس سال کے ہیں یعنی نابالغ ہیں اور بیوی کو چھ مہینہ میں بچہ پیدا ہوا، تو اب یہ بچہ . . . دس سال کے میاں صاحب کا ہوگا اور اس بچہ کا نسب ان میاں صاحب نابالغ سے ثابت ہوگا۔

اور آگے یہ بھی ملاحظہ فرمائیے اور غیر مقلدین کے ڈھیٹ پنے کی داد دیجئے، نواب صاحب وحید الزماں فرماتے ہیں:

وان لم یمکن کونه من الزوج (ص ۱۹۲ ج ۲) یعنی وہ لڑکا نابالغ شوہر ہی کا ہوگا، اگرچہ اس مولود کا شوہر کا لڑکا ہونا ممکن بھی نہ ہو تب بھی وہ لڑکا اس نابالغ شوہر کا ہوگا۔

یعنی فقہ اہلحدیث کا مسئلہ یہ ہے کہ اگرچہ اس کا امکان بھی نہ ہو کہ یہ پیدا شدہ بچہ اپنے باپ کا ہے تب بھی وہ باپ ہی کا قرار پائے گا۔

اور فقہ اہلحدیث کا یہ مسئلہ کیوں ہے تو نواب صاحب فرماتے ہیں کہ :

انما الحقنا الولد به حفظا لانساب المسلمين واحتياطا۔

یعنی ہم نے (یعنی خدا اور رسول نے نہیں بلکہ غیر مقلدوں نے) لڑکے کو باپ کا لڑکا اسلئے قرار دیا تاکہ مسلمانوں کا نسب محفوظ رہے اور اسلئے بھی کہ یہی احتیاط کا تقاضا ہے۔

آپ فرمائیے کہ فقہ حنفی کا مسئلہ زیادہ تعجب خیز ہے یا فقہ اہلحدیث کا یہ مذہب اور یہ مسئلہ کہ باپ سے لڑکے کے ہونے کا کوئی امکان بھی نہیں ہے پھر بھی لڑکا باپ ہی کا قرار پائے گا۔

امید ہے کہ غیر مقلدین اپنے فقہ اہلحدیث کے اس مسئلہ کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے سرخرو ہوں گے۔ والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

صـ۱۳ کا بقیہ

شرک کیا۔

اللہ کے علاوہ کی قسم کھانا جیسے باپ دادا کی قسم یا اپنی اولاد کی قسم اس طرح قرآن وکعبہ کی قسم یا اور کسی محترم ومعظم چیز کی قسم کھانا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آدمی کو قسم کھانا ہو تو اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

رہا یہ کہ قرآن میں خود اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بعض کی قسم کھائی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ حاکم مطلق ہے وہ جو چاہے کرے، ہم کو اس کے کسی کام پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، ہم اس کے بندے اور غلام اور مملوک ہیں، ہمیں وہ کرنا ہے جو ہم سے اللہ چاہتا ہے اور جس سے وہ ہم کو منع کرتا ہے اس سے رکنا ہے۔

از
محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

کیا صاحبین نے امام ابو حنیفہ سے دو ثلث مسائل میں اختلاف کیا ہے؟

محترم حضرت مولانا غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

الحمد للہ زمزم پابندی سے مل رہا ہے، اور اس کے مضامین سے ہم نے بڑا نفع اٹھایا ہے، براہ کرم یہ واضح کریں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں نے امام ابو یوسف اور امام محمد نے جن کو صاحبین کہا جاتا ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو تہائی مسئلوں میں اختلاف کیا ہے — اس کو غیر مقلدین بہت اچھالتے ہیں۔

والسلام

عبد القدوس میرٹھ

ناظرین! غیر مقلدین حضرات کی سب سے لذیذ غذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توہین وتنقیص کرنا ہے، یہ ہر اس بات کو اچھالتے ہیں جس سے امام عالی مقام کا رتبہ گھٹے، آج کل غیر مقلدیت کا شیوہ وشعار یہی بات رہ گئی ہے، اور سب سے بڑا غیر مقلد وہی ہے جس کی زبان حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں سب سے زیادہ چلے، اگر یہ بیچارے اس بات سے واقف

ہوتے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں گستاخی کرنے والا اپنے ایمان سے بھی محروم ہوجاتا ہے تو یہ ایسی حرکت کبھی نہ کرتے، سنئے امام ابوحنیفہ کی شان گھٹانے والوں کا حشر کیا ہوتا ہے اور وہ ایمان کی دولت سے کیسے محروم ہوجاتا ہے۔

مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور غیرمقلد واہلحدیث عالم تھے، ان کے والد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اہلحدیث تھے مگر صاحب دل اور صاحب معرفت تھے، مولانا داؤد غزنوی اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں:

. ایک روز حضرت والد بزرگوار کے درس بخاری میں ایک طالب علم نے کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہ کو پندرہ حدیثیں یاد تھیں، مجھے ان سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، والد صاحب کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا، اس کو حلقۂ درس سے نکال دیا اور مدرسہ سے بھی خارج کردیا، اور بعنوائے "اتقوا بفراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله (۱) فرمایا کہ اس شخص کا خاتمہ دین حق پر نہیں ہوگا۔ ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ معلوم ہوا کہ وہ طالب علم مرتد ہوگیا، (داؤد غزنوی ص۳۸۴)

ہم مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحب دل اور صاحب معرفت تو نہیں ہیں کہ ہم قطعیت کے ساتھ اس طرح کا کوئی دعویٰ کرسکیں، مگر ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ ائمہ دین کی شان میں گستاخ غیرمقلدین کی دینی زندگی تباہ و برباد رہتی ہے حتی کہ یہ عبادتوں سے بے تعلق ہوجاتے ہیں اور نماز جیسی عبادت بھی ان کے یہاں ایک رسمی کاروائی بن کر رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائے۔

رہا آپ کے سوال کا جواب تو ہمارا دوٹوک جواب تو یہ ہے کہ یہ غیرمقلدین کا بدترین پروپیگنڈہ ہے، اگر یہ بات غیرمقلدین کسی سے نقل کرکے کہتے ہیں تو ان کی یہ تقلیدی حرکت ان کی غیرمقلدانہ شان کے بالکل خلاف ہے، بلاتحقیق منہ سے بات نکالنا اہل اجتہاد کا کام نہیں ہے۔

---

(۱) یعنی مومن کی فراست سے ڈرو اسلئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں شاگردوں کی بہت سی کتابیں اب طبع ہو چکی ہیں، ان کو آدمی دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے کہ جس نے یہ اڑایا ہے کہ صاحبین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو تہائی مسئلوں میں اختلاف کیا ہے اس کی بات میں کتنی سچائی اور کتنا وزن ہے۔

اور کتابوں کو تو جانے دیجئے صرف موطا امام محمد کو ہاتھ میں آپ لے لیں اور اس کا صفحہ الٹتے جائیں اور ہاتھ میں قلم اور کاغذ بھی رکھ لیں اور امام محمد ہر حدیث کے ساتھ اپنا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں اس کو نوٹ کرتے جائیں اور پھر شمار کرلیں کہ کیا امام محمد دس فی صد مسائل میں بھی امام اعظم سے اختلاف کرتے ہیں، دو تہائی کی بات تو بہت بڑی ہے، یہ اس بات کی تحقیق کا بہت عمدہ اور آسان ذریعہ ہے اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ غیر مقلدین حضرات اس طرح کی باتیں بلا تحقیق اڑاتے ہیں، اور اگر کسی حنفی کی کتاب میں ان کو اسی طرح کی بات مل جائے تو پھولے نہیں سماتے، مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی نے یہ بات کہیں لکھ دی ہے اور وہ بھی ایک ایسی کتاب کے حوالہ سے جو منسوب تو ہے امام غزالی کی طرف مگر فی الاصل وہ ان کی کتاب ہی نہیں ہے، اور اگر کسی نے اس کو امام غزالی کی کتاب کہا بھی ہے تو اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کتاب میں تمام باتیں امام غزالی کی نہیں ہیں بلکہ بہت سی باتیں دوسروں نے اس میں شامل کردی ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل علامہ ابن حجر مکی شافعی کی کتاب الخیرات الحسان میں موجود ہے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

پیمانۂ اہلحدیثیت سے جہالت کا ترشح

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی مولانا محمد جوناگڈھی ہماری جماعت کے بہت بڑے عالم تھے ؟

باپ ۔ جی بیٹا، بہت بڑے اہلحدیث عالم تھے، محمدیات تصنیف کیا کرتے تھے، جوانی میں جوش کا عالم یہ تھا کہ ایک جلسہ میں کرسی پر بیٹھ کر تقریر کر رہے تھے دورانِ تقریر دو دو کرسیاں چٹاخ چٹاخ ہو گئیں ۔

بیٹا ۔ اباجی آج صبح شیخ جمن حفظہ اللہ کے ہاتھ میں ان کی ایک کتاب تھی وہ اسے پڑھ کر خوب جھوم رہے تھے، میں نے ان سے لے کر اس پر جو سرسری نظر ڈالی تو وہ مجھے جہالت کا پشتارہ نظر آئی، ہمارے یہ مولانا صاحب بے تکی ہانکے جاتے ہیں جیسے عقل سے پیدل ہوں اور ذہن پر " اعلیٰ حضرت " سوار ہوں ۔

باپ ۔ بیٹا وہ بہت بڑے قابل تھے، اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اپنے اساتذہ تک کو کافر و مشرک قرار دے دیتے تھے، ہماری جماعت میں ان کا بڑا نام ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی، میں ان کو قابل کیسے سمجھوں، دیکھئے وہ اس سادہ سی عربی عبارت کا کتنا غلط

ترجمہ کرتے ہیں۔

انا اول صاحب حدیث فی الدنیا

کا ترجمہ انھوں نے یہ کیا ہے۔

دنیا میں میں پختہ اہلحدیث ہوں (ص۲۳ سراج محمدی)

اباجی، اس کا ترجمہ تو شیخ چھکو حفظہ اللہ کا پانچواں لڑکا جو اپنے مدرسے میں چھ بار اپنی جماعت میں فیل ہو چکا ہے، صحیح کرے گا۔ یعنی "میں دنیا میں سب سے پہلا حدیث والا ہوں"

ہمارے کرسی توڑ بڑے مولانا صاحب انا اول صاحب حدیث کا ترجمہ پختہ اہلحدیث ہوں کر رہے ہیں۔

اور انھوں نے اسی کتاب میں اس عبارت کا من یعتقد مذھب اھل الحدیث کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

یعنی ہمیشہ حق پر قائم اور مظفر و منصور رہنے والی وہ جماعت ہے جو مذہب اہلحدیث کی پابند ہو۔

اباجی، ہماری جماعت کے بڑے بڑے لوگوں پر بھی اہلحدیثیت کا اتنا بھوت سوار کیوں رہتا ہے کہ ہمیں ان جہالت کے نمونوں سے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے؟

اباجی، جو ایسے جاہل ہوں ان کی باتوں پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

جب پڑی اپنے اوپر تو سوجھی دور کی

بیٹا۔ اباجی

باپ، جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی شیخ ہبد حفظہ اللہ اور شیخ جمن حفظہ اللہ میں آج بڑی زور کی ٹھنی تھی۔

باپ ۔ بات کیا تھی بیٹا ؟

بیٹا ۔ اباجی شیخ ہر ہر قاضی شوکانی مدد دے کا وظیفہ مسجد میں بڑے زور سے پڑھ رہے تھے، اور شیخ جن آپ کو شرکیہ وظیفہ بتلا رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ قاضی شوکانی سے مدد مانگنا شرک ہے۔

باپ ۔ بیٹا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جن کو ہمارے علماء کی باتوں کا علم نہیں ہے، ہمارے علماء نے اس وظیفہ کی بالکل اسلامی اور سلفی توجیہ کی ہے، مولانا محمد جوناگڈھی صاحب نے اپنے رسالہ سراج محمدی میں لکھا ہے:

"ایک موحد کی زبان سے اگر کوئی کلمہ مبہم نکل جائے اور قابل تاویل ہو تو وہی تاویل مناسب مقام ہوا کرتی ہے پس ممکن ہو کہ یہ خدا سے دعا ہو کہ یا رب تعالیٰ تو پھر قاضی شوکاں جیسا شخص پیدا کر کے اپنے بندوں کی مدد فرما" ص۱۰

بیٹا ۔ اباجی وہ کون سے موحد صاحب ہیں جن کی زبان سے یہ مبہم کلمہ نکلا ہے ؟

باپ ۔ بیٹا یہ ہماری جماعت کے نمبر ۲ کے مجتہد مجدد سلفیت صاحب ہیں یعنی سیدنا علامہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ یہ انھیں کا شعر ہے، اس لئے اس شعر کی تاویل ضروری ہے۔

بیٹا ۔ اباجی مگر مجھے تو اس شعر میں کوئی مبہم کلمہ نظر نہیں آتا، قاضی۔ شوکاں، مدد دے یہ سب کلمے بالکل واضح ہیں، سب کا معنی بالکل واضح ہے، یہ تو خالص شرکیہ شعر ہے، ہمارے نواب صاحب قاضی شوکانی سے مدد طلب کر رہے ہیں۔

باپ ۔ بیٹا مگر چونکہ نواب صاحب موحد اعظم تھے اس وجہ سے ہمیں ان کے کلام کی تاویل کرنی ضروری ہے، ان کے ایمان کی بنا اسی پر موقوف ہے۔

بیٹا ۔ اباجی، ہمیں اپنے علماء کے شرکیہ کلام کی تاویل کے لئے اتنی دور کی کیسے سوجھ جاتی ہے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

شاباش مولانا محمد جوناگڈھی تمہاری دیانت پر ہم قربان

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی، ہمارے مولانا محمد جوناگڈھی جنھوں نے اپنی جوانی میں تقریر کرتے کرتے دو کرسیاں توڑ دی تھیں، ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟

باپ ۔ بیٹا، بڑے زبردست عالم تھے، ایک زمانہ میں حنفیوں کا بھرتہ نکال کے رکھدیا تھا، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دس مسئلوں میں موٹی موٹی غلطیاں نکال کے رکھدی تھیں، کیا پوچھنا ان کے علم و فضل کا۔

بیٹا ۔ اباجی، مگر میں جب ان کی کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے دو باتوں کا احساس ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ بڑے بدزبان تھے، دوسرے یہ کہ وہ بہت بڑے فراڈیا تھے ۔

باپ ۔ ان کے بارے میں تمہارا خیال ایسا کیوں ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی ان کی کتابوں کے پڑھنے سے میرے اوپر یہی تاثر قائم ہوتا ہے، ان کی بدزبانی کی مثالیں تو بعد میں دوں گا سردست ان کا فراڈ پنا دکھاتا ہوں، دیکھئے یہ ان کی کتاب طریق محمدی ہے، اور یہ اس کا صفحہ ۱۰۴ ہے، حضرت امام شافعی کی انھوں نے یہ عبارت نقل کی ہے ۔

ھیہ ابی اللہ ان یکون کتابا صحیحا غیر کتابہ

جس کا سیدھا سادھا ترجمہ یہ ہے ۔

بس رہنے دو اللہ کو یہ منظور نہیں ہے کہ اس کی کتاب کے سوا کوئی اور کتاب غلطیوں سے محفوظ رہے ۔

لیکن مولانا جوناگڈھی صاحب اس کا یہ ترجمہ و مطلب بیان کرتے ہیں ۔

" یعنی چھوڑو یہ ناممکن ہے کہ خدا کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب کسی بندے کی

تمام کی تمام صحیح ہو یعنی کسی بندے کا کلام غلطی سے پاک نہیں ہوتا یہ صرف خدا و رسول کے کلام کا خاصہ ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، مولانا کا کلام تو بالکل صحیح ہے ترجمہ بھی صحیح ہے اور مطلب بھی بالکل صحیح ہے تمہارا اشکال کیا ہے ؟

بیٹا ۔ ابا جی، مولانا نے ترجمہ تو صحیح کیا ہے مگر جو اس کا مطلب بیان کیا ہے وہ سراسر دھوکہ دہی ہے، امام شافعی کسی کے کلام کی بات نہیں کر رہے ہیں وہ کتاب کی بات کر رہے ہیں کہ اللہ کی کے سوا کسی اور کتاب کا غلطی سے پاک رہنا ممکن نہیں ہے، مگر مولانا نے امام شافعی کی بات کو بالکل الٹ کر اس کا رخ دوسری طرف پھیر دیا یعنی کلام کی طرف ۔

باپ ۔ بیٹا تو اس میں فراڈ کیا ہے ؟

بیٹا ۔ ابا جی ابھی آپ نے مولانا کا مقصد نہیں پایا، اگر امام شافعی کی عبارت کا سیدھا سادھا مطلب بیان کر دیتے تو امام بخاری کی کتاب بخاری شریف کے بارے میں بھی ان کا یہ کہنا صحیح ثابت ہوتا کہ امام بخاری کی کتاب بخاری شریف بھی چونکہ وہ اللہ کی کتاب نہیں ہے امام بخاری کی کتاب ہے اس وجہ سے وہ بھی غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہیں ہے، جب کہ ہم اہلحدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ بخاری شریف بھی کلام پاک کی طرح معصوم ہے ۔ اس لئے مولانا جوناگڈھی نے نہایت مکارانہ طریقہ پر امام شافعی کی کتاب والی بات کا رخ اللہ و رسول کے کلام کی طرف پھیر دیا تاکہ امام بخاری کی کتاب پر امام شافعی کی بات چسپاں نہ ہو ۔

باپ ۔ بیٹا تم اتنی باریکی میں کیسے گھس جاتے ہو ؟ جس بات کا پتہ ہمیں ہزار دقت چلتا ہے تم پہلی نگاہ میں اس کی تہ تک پہونچ جاتے ہو، تم نے مولانا غازی پوری دیوبندی کی صحبت تو نہیں اختیار کر رکھی ہے ۔

بیٹا ۔ ابا جی یہ سب انہیں کی صحبت کا فیض ہے، وہ ہماری ایک ایک رگ سے واقف

مولوی ہے ۔

اباجی، مولانا غازی پوری کا نام سن کر ہمارے بڑے بڑوں کو بھی کیوں بخار چڑھ جاتا ہے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

امراضِ مختلفہ کا سلفیانہ علاج

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی آپ کو معلوم ہے کہ صوفی شکنجبین کے گھر میں ولادت کا مسئلہ درپیش ہے

باپ ۔ جی بیٹا ، صوفی شکنجبین حفظہ اللہ کے گھر میں پہلی ولادت ہے ، دس سال کے بعد انھیں یہ خوشی کا موقع دیکھنے کو ملا ہے ۔

بیٹا ۔ تو اباجی صوفی جی نے کسی حکیم سے رجوع کیا تھا ؟

باپ ۔ نہیں بیٹا ، میں نے نواب بھوپالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التعویذات سے ان کو ایک تعویذ دیا تھا بس اس نے کام کر دیا ۔

بیٹا ۔ اباجی ذرا ہمیں بھی اس تعویذ کا پتہ بتلا دیں ، وقت ضرورت کام دے گا۔

باپ ۔ بیٹا وہ تعویذ یہ ہے ۔ نواب صاحب فرماتے ہیں :

بانجھ عورت کے لئے جھلی پہ زعفران و گلاب سے یہ آیت لکھے ۔

ولو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتیٰ بل لله الامر جمیعًا ۔ پھر اس کو گردن میں باندھے "

(ص ۱۴۰ مطبوعہ لاہور)

بیٹا ۔ اباجی صوفی صاحب حفظہ اللہ کی بیوی کی گردن میں یہ تعویذ خود صوفی صاحب نے باندھا ہوگا ؟

باپ - نہیں بیٹا صوفی صاحب نے مجھے ہی حکم فرمایا تھا کہ میں ہی ان کی بیوی کی گردن میں
اپنے ہاتھ سے باندھ دوں -

بیٹا - اباجی کلو سلفی کی بیوی ابھی تھوڑی دیر پہلے آئی تھی اس نے بتلایا کہ صوفی شکنجبین
کی بیوی کو شدید قسم کا دردزہ لاحق ہے، اور کسی ڈاکٹر حکیم کی کوئی دوا فائدہ نہیں
کررہی ہے۔ صوفی صاحب بہت پریشان ہے -

باپ - بیٹا ہمارے نواب صاحب مرحوم نے اس کا ایک تیر بہدف تعویذ تحریر کیا ہے اس کا
استعمال کرانا چاہیئے انشاء اللہ صوفی صاحب کی بیوی کو آرام ہوگا اور بچہ کی پیدائش
آسانی سے ہوجائے گی -

بیٹا - اباجی وہ تعویذ کیا ہے ؟

باپ - بیٹا نواب صاحب فرماتے ہیں کہ :
جس عورت کو دردزہ ہو ایک پرچہ کاغذ پر یہ آیت لکھے - والقت ما فیہا
وتخلت واذنت لربہا وحقت اھیا اشراھیا اور اس پرچہ کو پاک کپڑے
میں لپیٹے اور اس عورت کے بائیں ران میں باندھے تو وہ جلد جنے گی - ص۱۴۱

بیٹا - اباجی اس آیت شریفہ کو عورت کی ران پر کون باندھے گا ؟

باپ - بیٹا، نواب صاحب نے اس کو گول مول رکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی
بھی باندھ سکتا ہے -

بیٹا - اباجی عورت کی کھلی ران پر باندھے گا یا کپڑا کے اوپر سے

باپ - بیٹا نواب صاحب نے اس کو بھی گول مول رکھا ہے، اسلئے دونوں طرح پر باندھ
سکتا ہے، کھلی ران پر بھی اور کپڑے کے اوپر سے بھی -

بیٹا - اباجی تو غیر شوہر بھی دوسرے کی عورت کی کھلی ران پر یہ تعویذ باندھ سکتا ہے ؟

باپ - بیٹا، علاج میں حرام و حلال اور شوہر و غیر شوہر نہیں دیکھا جاتا، خصوصًا یہ مسئلہ
صوفی صاحب کی بیوی کا ہے وہ اپنی جماعت کے آدمی ہیں -

بیٹا ۔ اباجی مگر میں نے قرآن میں یہ آیت تلاش کی مجھے پورے قرآن میں اس پوری آیت کا اتہ پتہ نہیں ملا۔ اھیاشراھیا یہ الفاظ تو قرآن میں کہیں نہیں ہیں۔ نواب صاحب نے اس کو بھی قرآن کی آیت شمار کیا ہے۔

باپ ۔ بیٹا تعویذ گنڈوں میں سب چل جاتا ہے۔

بیٹا ۔ کیا سب چل جاتا ہے اباجی، کیا غیر قرآن کو قرآن بنا کر پیش کرنا جائز ہے ؟

باپ ۔ بیٹا، نواب صاحب نے کچھ سمجھ کر کے ان الفاظ کو قرآن کی آیت کہا ہوگا، وہ مجتہد تھے ہم سے زیادہ قرآن وحدیث جاننے والے تھے۔

بیٹا ۔ اباجی کلو سلفی حفظ اللہ کی بیوی سے صوفی شکنجبین کی بیوی نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ دس سال کی مدت میں اس کی یہ پہلی ولادت ہے اسلئے لڑکا پیدا ہوتا تو اس کی خوشی دوبالا ہو جاتی۔

باپ ۔ بیٹا یہ کوئی مشکل اور پریشان کن مسئلہ نہیں ہے، ہمارے نواب صاحب کی کتاب التعویذات میں اس کا بھی نسخہ موجود ہے، فرماتے ہیں کہ :

جو عورت کے سوائے لڑکی کے لڑکا نہ جنتی ہو تو اس کے پیٹ پر گول لکیر کھینچے، انگلی کے پھیرنے کے بعد ستر بار یامتین کہے انشاءاللہ تعالیٰ لڑکا پیدا ہوگا۔ ص ۱۴۲

بیٹا ۔ اباجی مجھے نواب صاحب کا یہ نسخہ معلوم تھا میں نے کلو سلفی حفظ اللہ کو بتلا دیا تھا مگر جب وہ اس پر عمل کے لئے صوفی شکنجبین کی بیوی کے پاس پہونچے تو بڑا ہنگامہ کھڑا ہو گیا، وہاں صوفی ہدہد، حافظ مینا اور باباقل قل جمع تھے، ان میں کا ہر ایک کہہ رہا تھا کہ صوفی شکنجبین کی بیوی کے پیٹ پر گول لکیر میں بناؤں گا اور میں ہی اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیروں گا، باباقل قل تو لاٹھی لے کر کھڑے ہو گئے۔ کہ یہ سعادت صرف میں حاصل کروں گا میرے علاوہ کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔

باپ ۔ پھر کیا ہوا، باباقل قل نے یہ کام انجام دیا۔ ؟

بیٹا ۔ ابا جی، بابا تل جب اس کام کے لئے چلے تو صوفی شکنجبین کا چھوٹا بھائی بوا پستول نکال کر کھڑا ہو گیا کہ جو بھی میری بھابھی کے پیٹ کو ہاتھ لگائے گا میں اس کو مار دوں گا۔ بس سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

باپ ۔ یہ کام شیخ بدھ کرتے تو کوئی حرج نہیں تھا وہ بڑے متقی، پرہیز گار آدمی ہیں سات حج کر چکے ہیں۔

بیٹا ۔ ابا جی صوفی کلو کی بیوی نے ابھی ابھی اماں جان کو خبر دی ہے کہ صوفی شکنجبین کی بیوی کو پیدائش میں سخت پریشانی کا سامنا ہے شب گزشتہ پیدائش کا وقت تھا مگر بارہ گھنٹے گزرنے پر بھی ابھی پیدائش نہیں ہو رہی ہے، صوفی صاحب بھی سخت پریشان ہیں۔

باپ ۔ بیٹا اس کا علاج تو ہمارے نواب صاحب کی کتاب کتاب التعویذات میں موجود ہے، وہ فرماتے ہیں کہ :

ایک پاک برتن میں اس آیت کو لکھ کر شکم و فرج پر چھڑک دے۔

کانهم یرون مایوعدون لم یلبثوا الاساعة من نهار بلاغ فهل یهلك الا القوم الفاسقون کانهم یرونها لم یلبثوا الاعشیة اوضحٰها لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الابصار ۔ پھر دھو کر کچھ پانی اس عورت کو بھی پلا دے۔ (ص ۱۰۷)

بیٹا ۔ ابا جی، کیا اس سے پیدائش آسانی سے ہو جائے گی ۔ ؟

باپ ۔ جی بیٹا، یہ علاج اسی مرض کا ہے ۔

بیٹا ۔ ابا جی ان آیات کو برتن میں لکھ کر عورت کے شکم اور اس کی فرج پر چھڑکنے کا عمل کون کرے گا ؟

باپ ۔ بیٹا، جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں میں ہر کام جھاڑ پھونک کرنے والوں ہی سے کرانا بہتر ہے، تاکہ عمل غلط نہ ہو ۔

بیٹا ۔ اباجی شکم کا معنی تو پیٹ ہوتا ہے اور فرج کا معنی شرم گاہ تو کیا عورت کی شرم گاہ پران آیات کے پاک پانی کو چھڑکا جانا درست ہوگا ؟

باپ ۔ بیٹا، علاج ومعالجہ میں زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا جاتا ، بس کام چلنا چاہئے حرام وحلال کا مسئلہ عبادات ومعاملات سے تعلق رکھتا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی تو کیا میں جاؤں اور صوفی شکنجبین حفظہ اللہ کی بیوی موصوفہ کے شکم اور ان کی فرج پران آیات کو لکھ کر اس کا پانی چھڑک آؤں ؟

باپ ۔ بیٹا تم اتنے بدتمیز وبے ادب کب سے ہوگئے ہو ؟

بیٹا ۔ اباجی، گستاخی معاف اسی وجہ سے ہمارے شیخ ابن باز اور سعودیہ کے سلفی علماء ومشائخ تعویذ گنڈوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور صاف صاف اس کو شرک بتلاتے ہیں ۔ دیکھئے ابن باز نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ تعویذ گنڈہ قرآن وحدیث سے بھی جائز نہیں ہے ، اور یہ شرک ہے تو ہمارے علماء کیسے سلفی اور اہلحدیث کہ انھوں نے اس شرکیہ عمل کی تعلیم وترویج کے لئے تعویذ اور گنڈوں کے بارے میں پوری ایک کتاب ہی لکھ ڈالی ۔

دیوبندی تعویذ گنڈہ کریں تو حرام اور شرک اور ہمارے علماء باقاعدہ اس پر کتاب لکھیں تو یہ توحید کا کام ہوجائے اور جائز قرار پائے ، قرآنی آیات کے پانی کو عورت کی شرم گاہ پر چھڑکنا بھی جائز قرار پائے ، آیاتِ قرآنیہ کو ان پر باندھا بھی جائے ۔

اباجی ہم لوگوں کی سلفیت کہیں نقلی تو نہیں ہے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

محمد ابوبکر غازی پوری

بمبئی اور گجرات کا ایک سفر

بمبئی کی عظیم تحفظ سنت کانفرنس

۱۵ یا ۱۶ مئی سنہ ۲۰۰۱ء کو فون کی گھنٹی بجی فون اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ میرے قدیم رفیق درس اور بمبئی کی مشہور و معروف شخصیت مولانا مستقیم صاحب اعظمی کا فون ہے، مولانا نے فون پر بتلایا کہ ۲۰ مئی سے ۲۹ مئی تک جمعیۃ علماء مہاراشٹر کے زیر اہتمام تحفظ سنت عشرہ منانے کا پروگرام ہے اور حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی ہدایت ہے کہ میں بمبئی ۲۰ مئی تک پہنچ جاؤں، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ میں ابھی ابھی ایک لمبے پروگرام سے واپس آیا ہوں، کچھ مصروفیات بھی ہیں اس لئے میں انشاء اللہ ۲۴ تک بمبئی پہنچنے کی کوشش کروں گا، چنانچہ حسب وعدہ ۲۳ مئی کا ٹکٹ لے لیا گیا تھا، ابھی سفر کی تیاری کی جا رہی تھی کہ دہلی سے مولانا محمود مدنی صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کا فون آیا کہ ۲۳، ۲۴ کو جمعیۃ کی مجلس عاملہ ہے، اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کا حکم ہے کہ تم اس میں ضرور شریک ہو، میں نے ان کو بتلایا کہ مولانا مدنی ہی کی ہدایت کے مطابق میں بمبئی جا رہا ہوں اور ۲۳ کا ٹکٹ بھی بن گیا ہے، انھوں نے حضرت مولانا سے رجوع کیا وہاں سے ہدایت ملی کہ مجلس عاملہ میں شرکت ضروری ہے، دہلی سے بمبئی کا ٹکٹ ۲۴ مئی کا لے لیا جائے گا اور تم ۲۵ کو بمبئی پہنچ جاؤگے، چنانچہ بمبئی کا ٹکٹ واپس کیا گیا اور برادر مکرم مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب کی توجہ و کرم فرمائی سے کسی طرح اور بڑی مشکلوں سے دہلی کا ٹکٹ اے سی فرسٹ کلاس کا ملا۔ بنارس میں مفتی ابوالقاسم کا گھرانہ اور بطور خصوص برادر مکرم مفتی صاحب ہمارے لئے

بڑی نعمت ہیں، ایسے مشکل وقتوں میں انھیں کی کرم فرسائی سے مسائل حل ہوتے ہیں، بہرحال ۲۳ مئی کو بنارس سے سوار ہوکر دوسرے روز دہلی تقریباً ۱۰ بجے کے قریب پہونچا، معلوم ہوا کہ مجلس کا اجلاس شروع ہوچکا ہے اور مولانا مدنی دامت برکاتہم چونکہ بیمار ہیں اس وجہ سے یہ اجلاس ان کے خاص کمرہ میں ہورہا ہے، چنانچہ میں بھی وہیں پہونچا تو دیکھا کہ ارکان عاملہ کی بڑی تعداد حاضر ہے اور اجلاس کی کارروائی جاری ہے، حضرت مدنی مدظلہ کمر کی سخت تکلیف میں مبتلا ہیں مگر اسی عالم میں تخت پر لیٹے لیٹے اجلاس کی صدارت بھی فرمارہے ہیں، اللہ کے اس بندہ مجاہد کی عزیمت وہمت دیکھ کر طبیعت عش عش کر اٹھی کہ اس شدید بیماری میں بھی امت مسلمہ کے مسائل پر غور وفکر اور ان کا حل ڈھونڈنے کے لئے اللہ کا یہ بندہ بےچین ومضطرب ہے، اور پھر بلا ساختہ زبان سے نکلا کہ ہندوستان میں دینی وملی قیادت کا حق ان سے زیادہ کسی اور کو نہیں، مولانا مدنی سے ملاقات ہوئی خوش ہوئے، اور پھر دو روز مجلس کی کارروائی جاری رہی۔ جن امور پر بحث ہوئی ان کا ذکر یہاں کچھ ضروری نہیں۔

اجلاس کے دوسرے روز یعنی ۲۴ مئی کو راجدھانی ایکسپریس سے بمبئی کا سفر ہوا گاڑی ٹھیک وقت پر بمبئی سنٹرل پہنچ گئی تھی، وہاں استقبال کے لئے حضرت مولانا مستقیم صاحب اپنے ایک اور رفیق کے ساتھ موجود تھے، ان حضرات کے اسٹیشن آجانے سے بڑی راحت ہوئی ورنہ بمبئی میں اپنے مستقر پہنچنا ہم جیسوں کے لئے بڑا دشوار ہوتا ہے۔ بمبئی کا سفر کئی دفعہ ہوا مگر اس کے راستے اب بھی میرے لئے اجنبی ہی ہیں، ٹیکسی ڈرائیور اگر کسی اجنبی کو دیکھ لیں تو وہ ایک کا چار کرایہ لے لیتے ہیں۔

ہم لوگ دارالعلوم دیوبند کے دفتر ناگپاڑہ پہونچے وہاں سے ناشتہ سے فارغ ہوکر اپنی اصلی قیام گاہ کرناٹک حج ہاؤس ڈونگری آگئے، مولانا مستقیم صاحب نے بتلایا کہ آپ کا ایک پروگرام آج ہی بعد ظہر اور ایک پروگرام رات میں ہے۔ اس لئے آپ کچھ گھنٹے آرام کرلیں۔

یہاں یہ بات عرض کردوں کہ جب تک باہر سے علمائے کرام تشریف نہیں لائے تھے بمبئی اور اطراف بمبئی میں مقیم علمائے کرام کی تقریریں ہورہی تھیں اور الحمدللہ پورے بمبئی

اور اطراف بمبئی میں ان حضرات نے ایک ماحول بنا دیا تھا، تحفظ سنت کے اس عشرہ کا ہر جگہ چرچا تھا، عوام وخواص میں یہ موضوع توجہ کا مرکز تھا، جن علمائے کرام کی بطور خاص تقریریں ہو رہی تھیں ان میں مولانا ظل الرحمٰن صاحب مدظلہ، مولانا مستقیم اعظمی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا ابوطلحہ اور ان کے برادر خورد مولانا حذیفہ، مولانا سمیع اللہ قاسمی اور مولانا عبدالباری ندوی کا نام بہت نمایاں ہے، یہ تمام علمائے کرام وہ ہیں جو غیر مقلدیت کے خط و خال سے خوب اچھی طرح واقف تھے، اس لئے ان کی تقاریر رد غیر مقلدیت پر بڑی موثر ثابت ہو رہی تھیں۔ جب باہر سے علمائے کرام کی آمد شروع ہوئی تو اب پروگراموں میں زیادہ تر انھیں کی تقریریں ہوتی رہیں۔ میرے علاوہ اس عشرہ تحفظ سنت میں مولانا اعجاز احمد اعظمی مدیر مجلہ المآثر، مولانا بشیر احمد گونڈوی، مولانا مفتی راشد قاسمی، مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی اور دارالعلوم کے فاضل استاذ حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری نے شرکت فرمائی تھی۔ میں سب سے پہلے پہونچا تھا، میرے بعد اسی روز مولانا بشیر احمد صاحب بھی تشریف لائے ان کا قیام میرے ساتھ ہی رہا، اور پھر مولانا اعجاز احمد صاحب اور مفتی راشد صاحب اور اجلاس عام سے ایک روز پہلے مفتی ابوالقاسم صاحب اور مفتی سعید پالنپوری دامت برکاتہم پہونچے، ان باہری علماء کے آنے سے بمبئی اور اطراف بمبئی کی فضا اور گرما گئی، تمام علمائے کرام کے ایک ایک روز میں کئی کئی پروگرام ہوتے تھے، میرے پروگراموں میں عام طور پر مولانا مستقیم صاحب اور پیرانہ سالی کے باوجود حضرت مولانا ظل الرحمٰن صاحب مدظلہ میرے ساتھ ہوتے تھے، مولانا مستقیم صاحب تو خیر توانا و تندرست ہیں مگر مولانا ظل الرحمٰن صاحب مدظلہ بہت کمزور ہیں مگر میں نے دیکھا کہ وہ تقریباً ہر پروگرام میں شریک ہوتے صبح سے نکلتے تو رات کو دو ڈھائی بجے واپسی ہوتی، ان کی ہمت مردانہ دیکھ کر رشک ہوتا تھا۔ اس بندہ ناچیز پر ان کی بزرگانہ شفقتیں اور مولانا مستقیم صاحب کی برادرانہ عنایتیں بہت رہیں، ان حضرات نے ہر طرح کے آرام وراحت کا خیال رکھا۔

۲۹ مئی کو حج ہاؤس کے نچلے شاندار ہال میں اجلاس عام تھا، بارش کے خطرہ کے پیش نظر

منتظمین نے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا، مگر مجمع اس قدر تھا کہ حج ہاؤس کا یہ ہال ناکافی ہوگیا اور اس ہال سے متصل دوسری جگہوں میں بھی لوگوں کے بیٹھنے کا نظم کرنا پڑا، پھر بھی جگہیں ناکافی رہیں اور مجمع بے قابو رہا، بمبئی کی تاریخ میں اتنا بڑا دینی اجلاس غالباً نہ ہوا ہو، بمبئی اور اطراف بمبئی کے علاوہ صوبہ مہاراشٹر کے اطراف وجوانب سے علماء اور عوام کا ایک مجمع کثیر آیا ہوا تھا، علمائے کرام ائمہ مساجد کی ایک بڑی تعداد تھی اور یہ تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ چونکہ یہ آخری اجلاس تھا اور مقررین زیادہ تھے اس وجہ سے کسی کو پندرہ منٹ اور کسی کو آدھ گھنٹہ تقریر کا موقع دیا گیا۔ چونکہ حضرت مولانا مفتی سعید پالنپوری اس اجلاس کے مہمان خصوصی تھے اس لیے ان کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں رکھی گئی تھی۔ اور اگر رکھی بھی جاتی تو مولانا محدود وقت میں تقریر کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ مجھے آدھا گھنٹہ وقت دیا گیا تھا۔ میں مسلسل پروگراموں کی وجہ سے اور پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے بہت تھکا ہوا تھا اور بیٹھ کر تقریر کرنا چاہ رہا تھا مگر مجمع معلوم نہیں کیوں مجھے دیکھنے کا بطور خاص مشتاق تھا اس وجہ سے لوگوں کی خواہش وشوق کے پیش نظر مولانا مستقیم صاحب کا حکم ہوا کہ میں تھوڑی دیر کھڑے ہوکر تقریر کروں تاکہ مجمع مجھے دیکھ لے اور اس کا شوق پورا ہو، اس اجلاس عام کی صدارت حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی کر رہے تھے، اس کا مجھے بڑا افسوس رہا کہ اس اجلاس میں ان کو ایک منٹ بھی بولنے کا موقع نہیں ملا۔ منتظمین کو اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ تقریباً ساڑھے بارہ اور ایک بجے یہ اجلاس نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ غالباً کوئی قانونی رکاوٹ تھی ورنہ یہ اجلاس دو ایک گھنٹہ اور چلتا۔

اجلاس عام میں مجمع کی کثرت اور اس کا ولولہ اور جوش دیکھ کر اندازہ ہوا کہ سلفیت کے فتنہ نے ہر جگہ ایک افراتفری مچا رکھی ہے اور لوگ اس سے تنگ اور عاجز ہیں، الحمدللہ اس اجلاس عام اور اسی پورے عشرہ میں جو کامیاب تقریریں ہوئیں اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا، اور بمبئی کے مسلمانوں نے سلفیت اور غیر مقلدیت کی حقیقت سے واقفیت حاصل کی، فقہ حنفی پر ان کا اعتماد بحال ہوا اور انھوں نے جان لیا کہ غیر مقلدیت اور سلفیت

کا تعلق گروہ اہل سنت والجماعت سے نہیں ہے، یہ جدید خارجیت کے روپ میں ایک نیا فرقہ ابھرا ہے، جس کی اساس و بنیاد شیعی عقائد و مذہب پر ہے۔

اجلاس عام سے فارغ ہوئے تو بہت سے لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور بطور خاص مجھ سے مل کر اور معانقہ کر کے مجھے شرمندہ کرتے رہے، مگر بہر حال اس سے اتنا معلوم ہوا کہ مکتبہ اثریہ نے جو غیر مقلدیت کے رد میں لٹریچر فراہم کیا ہے وہ اور اس بارے میں مجلہ زمزم کا جو کردار ہے اس کا اثر پورے ملک پر ہے، اور لوگ اس کے قدر داں ہیں۔ والحمد للّٰہ علےٰ ذٰلک۔

اجلاس عام سے فراغت کے بعد مولانا مستقیم صاحب نے کہا کہ کھانا کھانے کیلئے چلنا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اجلاس عام کی ہماہمی میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ ابھی کھانا کھانے کا مرحلہ باقی ہے، میں نے پوچھا کہاں چلنا ہے، انھوں نے کہا بس چلو جہاں ہم چلتے ہیں، جب بمبئی کی بھنڈی بازار کے قریب مشہور شالیمار ہوٹل کے پاس گاڑی رکی، معلوم ہوا کہ تمام بیرونی علماء اور بمبئی کے کچھ خاص حضرات کی دعوت شالیمار ہوٹل کے مالک شہاب الدین احمد شیخ کی طرف سے اس ہوٹل میں ہے، شالیمار ہوٹل میں تو کھانا پہلے بھی کھا چکا تھا مگر اس کے مالک سے ملاقات اس وقت نہیں ہوئی تھی، وہ عمرہ پر گئے ہوئے تھے۔ شہاب بھائی بمبئی کی بہت معروف مشہور شخصیت ہیں۔ شالیمار ہوٹل بمبئی کا مشہور ترین اور مصروف ترین ہوٹل ہے۔

شہاب بھائی نے علماء کی ضیافت بڑے پر خلوص طرح پر کی، تھوڑے ہی دیر میں مجھ سے کافی مانوس ہو گئے۔ ڈش پر ڈش آتی رہی، میں نے ازراہ مذاق ان سے کہا کہ شہاب بھائی آپ نے صرف ایک وقت دعوت کر کے ہم لوگوں پر بڑا ظلم کیا کم ازکم دو تین وقت کی دعوت ہونی چاہئے تھی، تاکہ ہم لوگ اس ہوٹل کی ڈشوں سے کچھ مزید لطف اندوز ہوتے، انھوں نے بھی ہنس کر فرمایا کہ مولانا اس کیلئے آپ کو کم ازکم ایک ماہ قیام کرنا ہوگا اس لئے کہ اس ہوٹل میں تین سو سے زیادہ انواع کی ڈشیں تیار ہوتی ہیں، کھانے سے ہم لوگ فارغ ہوئے تو نیچے آکر بڑے اکرام سے تمام علماء کو احمد شیخ صاحب نے رخصت کیا، ان کے اخلاق کریمانہ سے ہم بہت متاثر ہوئے، معلوم ہوا

کہ ان کی زندگی پہلے کچھ دوسری تھی پھر اپنے علماء اور تبلیغی جماعت سے تعلق قائم ہوا تو ان کی زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا ، ماشاء اللہ چہرہ پر ڈاڑھی ہے ، نماز کی پابندی ہے ، سال میں حج وعمرہ کی سعادت ہے ، جی ہاں یہ اسی تبلیغی جماعت کا اثر وفیض ہے جس کے بارے میں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ گمراہوں کی جماعت ہے ۔

۲۹ رمئی کو اجلاس عام تھا ، میں نے ۳۰ رمئی کا ڈابھیل گجرات کے لئے ٹکٹ بنوالیا تھا مگر جب اس کی اطلاع الحاج شمس الدین صاحب اعظمی صدر جمعیۃ علماء صوبہ مہاراشٹر کو ہوئی تو فرمانے لگے کہ ۳۰ رکو گولی بار جو بمبئی کا ایک مضافاتی علاقہ ہے وہاں غیر مقلدوں سے مناظرہ طے ہوگیا ہے ، اور اس کے لئے ۳۰ ر تاریخ مقرر ہو چکی ہے ، آپ کا رہنا ضروری ہے ، میں جب بمبئی پہنچا تھا تو میرے کان میں یہ بات پڑی تھی کہ غیر مقلدین ہی کی جماعت سے کٹ کر ایک جماعت جس نے اپنا نام جماعت المسلمین رکھ رکھا ہے ، گولی بار جگہ میں اس جماعت سے وابستہ کچھ لوگ ہیں جو اپنے غلو میں اور دوسروں کو گمراہ بتلانے میں غیر مقلدین سے بھی آگے ہیں ، اور یہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو حتیٰ کہ غیر مقلدین کو بھی مسلمان نہیں سمجھتے ، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ ان جماعت المسلمین والوں سے ان سے تحریری سوال وجواب ہو رہے ہیں ، مجھے چونکہ ان چیزوں سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں رہتی ہے ، اس لئے مجھے اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات بھی حاصل کرنے کا شوق نہیں تھا ، مگر جب حاجی شمس الدین صاحب نے بتلایا کہ ان سے مناظرہ طے پاگیا ہے اور اس کیلئے ۳۰ ر تاریخ مئی کی مقرر بھی ہوگئی ہے تو معلوم ہوا کہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سے ان کے ساتھ جو گفتگو چل رہی ہے وہ آخری مرحلہ میں پہنچ گئی ہے ۔ میں نے حاجی صاحب سے عرض کیا کہ الحمد للہ یہاں علماء کافی ہیں وہ خود مناظرہ کا مرحلہ طے کرلیں گے ، دوسرے مجھے یقین ہے کہ مناظرہ نہیں ہوگا ، غیر مقلدین یا ان سے کٹی ہوئی جماعت المسلمین اس میدان کے لوگ ہیں ہی نہیں ، مناظرہ کرنے کی ہمت وہ کرتا ہے جس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہوتا ہے ، غیر مقلدین یا اس قسم کے اہل سنت والجماعت سے خارج فرقے یہ خود اپنے بارے میں ارتیاب اور شک میں ہوتے ہیں ، ان کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہی نہیں ہوتا ۔

وہ تو محض شیطانی اغواء سے ایک باطل راستے پر پڑے ہوئے ہیں، حق پرست کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اسلاف کو برا بھلا نہیں کہتا، اسلاف کو برا بھلا کہنے والا بزدل ہوتا ہے، اسکا قلب کمزور ہوتا ہے، اس میں مقابل آنے کی جرأت نہیں ہوتی ہے اور اسلاف کو تو جانے دیجئے غیر مقلدین صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں اور بدزبانیاں کرتے ہیں ان کے اندر بھلا یہ جرأت کہاں سے ہو سکتی ہے کہ وہ مناظرہ کا اسٹیج سجائیں اور اس پر وہ بیٹھیں، انھیں حقیقتوں کے پیش نظر میں نے حاجی شمس الدین صاحب مدظلہ سے عرض کیا تھا کہ مناظرہ نہیں ہوگا اور میرا وقت برباد ہوگا، اس لئے مجھے اجازت دیں کہ میں گجرات کے سفر پر روانہ ہو جاؤں مگر حاجی صاحب نے عرض کیا کہ تمہارا آج کا یعنی ۳۰ر تاریخ کا ٹکٹ میں نے کینسل کرادیا ہے۔ اور کل کا ٹکٹ بنوالیا ہے، تمہارا رہنا ضروری ہے، اور یہ بھی بتلایا کہ جماعت المسلمین کے تین علماء کرام مدراس اور اس کے اطراف سے اسی مناظرہ کی غرض سے تشریف بھی لا چکے ہیں اور گولی بار میں علماء دیوبند کا انتظار ہو رہا ہے، حاجی صاحب کی اس اطلاع کے بعد کہ میرا ٹکٹ کینسل ہو چکا ہے۔ اب مجھے رکنا ہی تھا۔ بہرحال ۳۰ر مئی کو ہم چند لوگ گولی بار دوپہر سے پہلے پہونچ گئے، وہاں معلوم ہوا کہ جماعت المسلمین کے جو تین علماء مدراس سے آئے تھے ان میں سے دو تو دو تین روز قبل ہی نکل بھاگے البتہ ایک صاحب تشریف فرما ہیں، ہم لوگ ان کا انتظار کرتے رہے، ظہر بعد جلسہ بھی ہوتا رہا اور ان صاحب کا انتظار بھی، مغرب تک بھی ان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا، عشاء بعد کی نشست میں میں تقریر کر رہا تھا کہ درمیان تقریر یہ اطلاع لوگ لائے کہ وہ ایک صاحب بھی ظہر سے پہلے ہی کہیں غائب ہو گئے ہیں، ان کی تلاش بہت ہوئی مگر ان کا کہیں پتہ نہیں چلا، مجھے اسی کی توقع تھی، بہرحال جب یہ اطلاع قطعیت کے ساتھ مل گئی کہ کوئی مناظرہ کے لئے نہیں آئے گا تو میں نے بھی اپنی تقریر مختصر کر دی، اور جو رات کا تھوڑا سا وقت ملا، وہ گولی بار سے واپسی میں بمبئی کے ساحلی سمندری علاقہ کی تفریح میں گذرا، اور اس طرح بمبئی کا یہ سفر جو بہت مصروف تھا اور اتنا ہی مفید اور نافع بھی خود میرے لئے اور دوسروں کیلئے بھی تمام ہوا۔

بمبئی کے سفر کی اس روداد کو ختم کرتے ہوئے ہمیں دو شخصیتوں کا بطور خصوص تذکرہ کرنا ہے۔

ڈونگری میں مسجد نور ہے، یہ مسجد میری قیام گاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر تھی، فجر کی نماز عموماً اسی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔ اس کے امام حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب ہیں، جو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ اور ان کے مجاز ہیں، حضرت قاری صاحب یہاں عرصہ سے امامت کر رہے ہیں اور اپنے خاص انداز میں تربیت واصلاح اور دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں۔ نہایت متواضع، حق گو اور زندہ دل آدمی ہیں، اللہ ان سے یہاں بہت کام لے رہا ہے، اور اصلاح کا سلسلہ عوام وخواص سب میں جاری ہے، زمزم اور میری کتابوں سے واقف ہی نہیں بلکہ ان سے کافی متاثر ہیں، ایک روز فجر بعد ان سے ملاقات ہوئی تو گلے سے لگا لیا اور یہ طے پایا کہ اور وقتوں میں تو معلوم نہیں میں کہاں رہونگا البتہ صبح کی چائے جب تک بمبئی میں میرا قیام ہے، انھیں کے ساتھ پیوں گا، چنانچہ جتنے روز قیام رہا اسی پر عمل رہا، اور صبح کی چائے بعد فجر متصلاً میں وہاں ہی پیتا تھا، میرے ساتھ مولانا بشیر احمد صاحب گونڈوی، مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی، مفتی راشد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند بھی لازماً شریک ہوتے تھے، تھوڑی دیر کی یہ مجلس بڑی پرلطف رہا کرتی تھی حضرت قاری صاحب اپنی بزرگانہ شفقتوں سے ہم لوگوں کو نوازتے رہا کرتے تھے۔

جس روز بمبئی میں اجلاس عام ہونے والا تھا یعنی ۲۹ رمئی کو اس روز صبح کی نماز کے بعد قاری صاحب نے چند ہی منٹ میں مگر بہت جامع انداز میں مصلیوں کو فتنۂ غیرمقلدیت سے آگاہ کیا اور اجلاس عام میں شرکت کے لئے ان کو تاکید کی، حضرت قاری ولی اللہ صاحب کی تربیت واصلاح کا ایک خاص انداز ہے، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کو تادیر سلامت رکھے، اور ان سے دین ودعوت کا کام زیادہ سے زیادہ لے۔

بمبئی کی دوسری جس شخصیت کا مجھے بطور خاص ذکر کرنا ہے، وہ ہیں الحاج رضوان صاحب تاجر عود وعطور۔

حاجی صاحب بمبئی کے عطر و عود کے بڑے تاجر ہیں، ان سے میری پہلی براہ راست ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ میں قاری خلیق اللہ صاحب بستوی مدرس مدرسہ صولتیہ اور مدرس حرم مکی کی قیام گاہ علماء و مشائخ کا مرکز بنی رہتی ہے، ہندو پاک کے بیشتر دیندار طبقہ کی اس قیام گاہ پر اسی وجہ سے آمد و رفت رہتی ہے، حضرت قاری صاحب بھی اسم با مسمیٰ ہیں، نہایت ہی خلیق مہمان نواز مجھ سے غایت تعلق اور محبت رکھتے ہیں، حاجی رضوان صاحب کا بھی حضرت قاری خلیق اللہ صاحب سے گہرا تعلق ہے، حاجی رضوان صاحب سے آج سے چند سال پہلے یہیں ملاقات ہوئی تھی، جب انھیں معلوم ہوا کہ میں ابوبکر غازی پوری ہوں تو لپٹ گئے، اور فرمانے لگے کہ مولانا مجھ سے آپ سے ملنے کا انتہائی اشتیاق تھا، پھر فرمایا کہ میں نے بہت سے شیوخ عرب کو آپ کی عربی کتاب پہونچا دی ہے، ان کا اخلاص اور خلوص دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا تھا، پھر دو سال قبل بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی تو اس وقت بھی نہایت ہی لطف و محبت سے پیش آئے اور اپنی دوکان کی مختلف چیزوں کا تحفہ دیا، اور میری کتابیں بڑی مقدار میں بھجوانے کا حکم فرمایا ان کی قیمت اسی وقت ادا کر دی، مالداروں سے مجھے کم مناسبت ہوپاتی ہے ان سے ملنے جلنے میں مجھے تکلف بھی بہت ہوتا ہے، مگر اگر کوئی مالدار حاجی رضوان صاحب جیسا ہو تو اس سے ملنے کا تقاضا رہتا ہے، حاجی رضوان صاحب کو اللہ نے جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ دین کی دولت دیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری نور اللہ مرقدہ سے ان کو بیعت کا شرف حاصل ہے بلکہ ان سے انھیں اجازت بھی ملی ہے، حضرت مولانا سے یہ بہت قریب تھے، اور حضرت مولانا بھی ان سے غایت درجہ تعلق رکھتے تھے اور ان کی تربیت و اصلاح بطور خاص فرمائی، اسی کا اثر یہ ہے کہ حاجی رضوان صاحب رئیس التجار ہونے کے باوجود بھی بالکل درویشانہ مزاج رکھتے ہیں، اہل علم کے قدرداں ہیں، ان کے سامنے انتہائی متواضع رہتے ہیں۔ حاجی صاحب کی انھیں خصوصیات کی وجہ سے میرے دل میں ان کی بڑی قدر اور ان کا بڑا احترام ہے، اس سفر میں میں اس قدر مشغول رہا کہ ان سے ملاقات کا موقع ہی نہیں مل پا رہا تھا، اپنے میزبانوں

سے میں نے ایک روز گذارش کی کہ کسی روز مجھے وہ لوگ چند گھنٹوں کے لئے فارغ کر دیں چنانچہ ایک دن یہ موقع ملا اور میں حاجی صاحب سے ملاقات کے لئے ان کی دوکان پر حاضر ہوا، دیکھتے ہی لپٹ گئے، عربوں سے ان کا تعلق زیادہ رہتا ہے اسی لئے ملنے جلنے میں بھی عربوں کی ادا کا اظہار ہوتا ہے، ہاتھ چومنا سر کا بوسہ لینا بار بار خیریت دریافت کرنا، ان کا چہرہ بتلا رہا تھا کہ مجھ سے مل کر وہ بہت خوش ہوئے پُرتکلف ضیافت کی، قیمتی عطروں کا گراں قدر ہدیہ دیا، میرے نئے کتابچوں کا پوراسٹ سو عدد بھجوانے کی رقم ادا کی اس کے علاوہ اور بھی کچھ خاص قسم کی کرم فرمائیاں تھیں، نصف گھنٹہ کی یہ ملاقات میرے لئے بھی بڑی خوشی کی تھی اور حاجی صاحب کیلئے بھی بڑی مسرت کی تھی۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تصوف ہر برائی کی جڑ ہے حاجی رضوان صاحب کا بمبئی میں وجود زندہ شہادت ہے کہ اللہ والوں کی صحبت کی تاثیر کا عالم کیا ہوتا ہے۔ اور صحیح تصوف سے جڑ جانے کے بعد آدمی کی کیسی کایا پلٹ ہوتی ہے، حاجی رضوان صاحب پر دنیا نہیں سوار ہے بلکہ وہ خود دنیا پر سوار ہیں۔ وفی ذالك عبرة لاولی الابصار۔

بمبئی کے سفر کی روداد تمام ہوئی، یکم جون کو مجھے ڈابھیل گجرات کا سفر کرنا ہے بمبئی کے قیام کے دوران حاجی شمس الدین صاحب اعظمی صدر جمعیۃ علماء مہاراشٹر، مولانا ظل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم، برادر گرامی قدر مولانا مستقیم صاحب اعظمی اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوری مدظلہ نے اپنی بے پایاں محبتوں سے نوازا، ہر طرح کے آرام کا خیال رکھا، اللہ ان تمام کو جزائے خیر دے۔

بمبئی کی یہ کہانی ناتمام رہے گی اگر میں عزیز گرامی شفیق احمد سلمہٗ قاسمی مالیگانوی آرگنائزر جمعیۃ علماء صوبہ مہاراشٹر کا تذکرہ نہ کروں کہ اس نوجوان نے خدمت کی حد کردی ایسے فعال برق صفت، مخلص اور جفاکش امانت دار اور دیانت دار نوجوان کو آنکھیں دیکھنے کو ترستی ہیں، پورے عشرہ کے پروگرام میں یہ نوجوان ایسا متحرک تھا کہ رشک ہوتا تھا۔ میرے ساتھ ان کی کرم فرمائی بہت زیادہ تھی، ہر وقت خدمت کیلئے حاضر، کسی کام میں

بقیہ ص۳۰ پر

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دو ماہی

دینی و علمی مجلہ

زمزم

جلد ۵ | ربیع الاول، ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ | شمارہ نمبر ۲

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازیپوری

سالانہ چندہ ———— ۷۰/ روپے
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیّدواڑہ غازیپور یوپی

پن کوڈ ۔ ۲۳۳۰۰۱

فون نمبر ۲۲۱۷۵۷-۰۵۴۸

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

پاکستان کیلئے
نہ جمہوری حکومت نہ فوجی حکومت

"سینہ پر گولی کھائیں گے، پاکستان بنائیں گے" یہی نعرہ تھا لیگیوں کا پاکستان بنانے والوں کا، اور پاکستان بن گیا، کیسے بنا، لاکھوں انسانوں کا خون بہا اور پاکستان بنا، کروڑہا کی جائداد برباد ہوئی اور پاکستان بنا، ہزاروں خاندان اجڑ گئے اور پاکستان بنا، ہزاروں عورتیں بیوہ ہوئیں اور پاکسان بنا، ہزاروں عورتوں کی عصمت لٹی اور پاکستان بنا، ہزاروں بچے یتیم ہوئے اور پاکستان بنا، خون کا دریا بہا اور پاکستان بنا، مسجدیں اور مدرسے اجڑے اور پاکستان بنا اور پاکستان بنانے والوں نے حسین احمد کی پگڑی اچھال کر ابوالکلام آزاد کو گالیاں دے کر، اللہ والوں پر تھو تھو کر کے پاکستان بنانے کا خواب پورا کر لیا، گاندھی اور جواہر لال نے بھی سوچا کہ جو خودکشی پر آمادہ ہے ہیں اس سے کیا ہمدردی مرنے دو کم بختوں کو اور پھر انھوں نے بھی جناح کی حماقت کو اپنی سیاست بنا لیا اور مولانا ابوالکلام آزاد اور جمیعۃ علما نے ہند کی ہزار مخالفت کے باوجود ان دونوں ہندو لیڈروں نے بھی کہا کہ پاکستان بنے گا اور ملک تقسیم ہوگا، اور پاکستان بن گیا، اور ملک تقسیم ہوگیا، جناح کو چھاچھ کی بوتل تھما کر کہہ دیا کہ یہ خالص دودھ ہے، میاں پیو موٹے ہو جاؤ گے، صحت بن جائے گی۔

نعرہ تھا سینہ پر گولی کھائیں گے، بڑے اخلاص سے یہ نعرہ لگایا گیا تھا، اللہ میاں نے

بھی کہا کہ ایسے مخلص بندوں کا اخلاص بھرا نعرہ رد نہیں ہوگا، سن لیا اللہ میاں نے اس نعرہ کو اور بن گیا پاکستان، اور آج پچاس سال سے بھی زیادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی پاکستانی سینہ پر گولی کھا رہے ہیں، جلسوں اور جلوسوں میں سینہ پر گولی کھا رہے ہیں شادی بیاہ کی تقریبات میں سینہ پر گولی کھا رہے، مسجدوں میں سینہ پر گولی کھا رہے ہیں، قبرستانوں میں سینہ پر گولی کھا رہے ہیں، گولی کھانا پاکستانیوں کا مقدر بن گیا ہے۔

جمہوری حکومت رہی تو اس میں گولی کھایا، فوجی حکومت آئی تو اس میں گولی کھایا اور اب یہی گولی کھانا اور کھلانا پاکستانیوں کی زندگی ہے۔

میں پاکستان گیا ہوں اور میں نے اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا ہے سنگین کے سایہ میں مسجدوں میں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں، پھر بھی اطمینان نہیں کہ کب گولیوں کی بوچھار ہو جائے اور دس بیس خون و خاک میں تڑپتے نظر آئیں، شیعوں نے اپنا جلوس ماتمی نکالا اور دھڑ دھڑ گولی چلی اور دس بیس ختم، سنیوں نے جلوس مدح صحابہ نکالا اور فقہ جعفری والوں نے یا علی المدد بول کر بندوقوں کی دھار مار دی اور دس بیس کی لاش خون سے لت پت پڑی ہے، نمازی نماز پڑھنے گیا اور اسے اطمینان نہیں کہ وہ گھر بخیریت واپس آئے گا یا نہیں، بچیاں کالج گئیں اور ماں باپ کو اطمینان نہیں کہ ان کی عصمت محفوظ رہے گی یا انسان کی شکل میں ظالم درندے ان بیٹیوں کی عصمتوں کو پامال کر ڈالیں گے، دوکاندار اپنی دوکان میں محفوظ نہیں اور بازار میں چلنے والا راستوں میں محفوظ نہیں، ٹرین اور بس پر سفر کرنے والا محفوظ نہیں۔

پاکستان عدم استحکام کی آخری حد پر ہے، اور زندگی سے سکون غائب، اشیاء کی قیمتیں آسمان سے بات کر رہی ہیں، کل کارخانے چلانے والے رشوت خوروں کی رشوت خوری سے عاجز آ کر اپنے کل اور کارخانے بند کر رہے ہیں، کسان الگ پریشان، اور اب اطلاع ہے کہ کسانوں کو کھاد پانی کی سہولت مہیا نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان میں شدید قحط سالی کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔

پاکستان پولس انسانی شکل میں عذاب الٰہی ہے، بس اللہ اس سے آدمی کو بچائے ہی رکھے، اتنی درندہ صفت پولس کسی مسلمان ملک میں ہمیں نظر نہیں آتی۔

حکومت میں کام کرنے والے، سب رشوت خور، رشوت خوری پاکستان کا عام مزاج بن گئی ہے، بلا رشوت کوئی کام ہونا مشکل۔

پاکستان اپنے مسائل سے کیا نمٹے گا کہ اس نے کشمیر میں سالہا سال سے دہشت کا ماحول پیدا کر دیا ہے اور کشمیریوں کی آرام چین کی زندگی میں اس نے بارود بکھیر دیا ہے، جہاد کے نام پر کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سفاکیت و درندگی کی بدترین مثال ہے، حزب المجاہدین اور لشکر طیبہ جیسا مقدس نام رکھ کر کشمیری بے قصور عوام کو ہندو کو مسلمان کو سکھ کو عیسائی کو وطنی کو اور غیر وطنی کو سب کو گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور یہ لڑنے والے بیوقوف خود بھی مر رہے ہیں اور دوسرے بے قصوروں کو بھی مار رہے ہیں، اور یہ سب جہاد کے مقدس نام پر ہو رہا ہے۔

ان احمقوں کو اتنا بھی پتہ نہیں ہے کہ بے قصوروں کو مارنا جہاد نہیں کہلاتا، بچوں کو مارنا جہاد نہیں کہلاتا، عورتوں کو مارنا جہاد نہیں کہلاتا، بوڑھوں کو مارنا جہاد نہیں کہلاتا، دہشت پیدا کرنے کا نام جہاد نہیں ہے، آج کشمیر کا حال یہ ہے کہ کشمیر کا سفر کرنے والے اپنی خواہشات کو دبا لیتے ہیں اور سفر نہیں کرتے کہ معلوم نہیں وہ زندہ و سلامت واپس بھی آئیں گے یا نہیں۔ ہم ہندوستانی مسلمان پاکستان کے حالات کی وجہ سے پریشان، اور شرم سے سر اٹھایا نہیں جاتا، پاکستان میں جو کچھ ہوتا ہے یہاں کا بچہ بچہ اسے جانتا ہے، اخبارات والے اچھالتے ہیں، ریڈیو اچھالتا ہے، تمام ذرائع ابلاغ نشر کرتے ہیں، پاکستانیوں کی حرکت سے ہندوستان کا مسلمان پریشان ہے، اور ہندوؤں کے مذاق کا نشانہ بنتا ہے۔

پاکستان کی موجودہ صورت حال نہایت خطرناک ہے، اور اگر پاکستانیوں نے عقل و ہوش سے کام نہیں لیا اور پاکستان بننے سے قبل اللہ والوں کے ساتھ انھوں نے جو ناشائستہ اور انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں کی تھیں اس کی اجتماعی معافی نہ مانگی تو پاکستان

کی نیا ہمیشہ ڈانوا ڈول رہے گی نہ اسے کوئی ضیا الحق بچا سکتا ہے اور نہ بے نظیر بھٹو، نہ نواز شریف اور نہ کوئی جنرل مشرف۔

پاکستان کے بچنے اور محفوظ رہنے کا واحد راستہ اسلامی زندگی اور اللہ کی طرف رجوع اور سابقہ گناہوں سے توبہ و استغفار ہے، مگر یہ وہ صدا ہے جو پاکستانیوں کے کانوں کے لئے نامانوس ہوگی۔

پاکستان مستحکم ہوتا تو ہم ہندوستانی مسلمان خوش ہوتے، پاکستان اور ہندوستان دوست بن کر رہتے تو ہندوستانی و پاکستانی دونوں ملکوں کے عوام کی زندگی خوشی و مسرت اور اطمینان کی ہوتی۔

دوست بن کر کے رہنا اچھی بات ہے، دشمن بن کر رہنا دونوں ملکوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، کاش اسے ہندوستان بھی سوچے اور پاکستانی عوام اور حکومت بھی سوچے۔ کب تک ہم دونوں ملک کے لوگ بے چینی اور بے اطمینانی کی زندگی گذارتے رہیں گے۔ موجودہ صورتِ حال کا ختم ہونا دونوں ملکوں کی بھلائی کے لئے ہے، امن و آشتی کا ماحول پیدا کرو، جیو اور جینے دو۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

نبوی ہدایات

(۱) مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے کہ حضرت ام کلثوم فرماتی ہیں کہ آنحضور کا ارشاد تھا کہ جھوٹ بننے کی صرف تین باتوں میں رخصت ہے، دو آدمیوں میں صلح کرانے کے لئے جنگ میں دشمنوں کو زک دینے کے لئے، اور میاں بیوی ایک دوسرے کو خوش رکھنے کے لئے خلافِ واقعہ کوئی بات کہیں۔

جھوٹ بولنا شریعت میں بہت بڑا گناہ ہے، قرآن میں جھوٹوں پر لعنت کی گئی ہے اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں جھوٹ کو منافق کی علامت بتلایا گیا ہے، غرض جھوٹ کی شریعت میں بڑی مذمت ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ مگر کبھی کوئی بڑا دینی فائدہ حاصل کرنے کیلئے جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے، اور جب شریعت کی طرف سے اجازت ہے تو پھر جھوٹ بولنے کا گناہ بھی نہیں ہوگا۔ اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنے کی تین موقعوں پر رخصت ہے (۱) دو مسلمان کے درمیان جھگڑا لڑائی ہے تو اگر ان دونوں کے درمیان صلح کی یہی شکل ہو کہ جھوٹ بول کر ان کا میل ملاپ ہو جائے گا تو چونکہ دو مسلمانوں کے درمیان نزاع کا قائم رہنا شریعت کی نگاہ میں بہت بڑا اور بہت برا عمل ہے اس وجہ سے اس موقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے اگر اس طرح ان دونوں مسلمانوں کے درمیان صلح صفائی ہو سکتی ہے تو جھوٹ بول کر بھی یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے۔

(۲) کفار کی مسلمانوں سے جنگ ہے اور کافروں کو دھوکہ دے کر مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا جا سکتا ہے تو اس موقع پر بھی کافروں کو نقصان پہونچانے کے لئے اور مسلمان مجاہدوں کی حمایت و نصرت میں جھوٹ بولا جا سکتا ہے، مثلاً کفار سے کوئی مسلمان مل کر یہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور مقصد یہ ہو کہ کافروں کا جنگی راز معلوم کرے یا ان کے خفیہ ٹھکانوں کا پتہ چلائے تو ایسا کرنے کی شریعت میں اجازت ہے۔

(۳) میاں بیوی کے درمیان تعلقات کی خوشگواری شریعت اور دین کی نگاہ میں بڑی اہم ہے، اگر اسی خوشگواری کو باقی رکھنے کے لئے ایسا مرحلہ آجائے کہ جھوٹ کے بغیر کام نہ چل سکے تو اس نازک موقع پر میاں بیوی کو خوش کرنے کے لئے یا بیوی کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ بول سکتا ہے۔

ان تینوں شکلوں میں چونکہ جھوٹ بولنے کی خود شریعت کی طرف سے اجازت ہے اس وجہ سے ان موقعوں پر جھوٹ بولنے سے جھوٹ کا گناہ نہیں ہوگا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ جھوٹ کی کسی شکل میں کبھی اجازت نہیں ہے، البتہ ان موقعوں پر تعریض و توریہ کی اجازت ہے جن کی ظاہری شکل تو جھوٹ کی ہوتی ہے مگر فی الحقیقت وہ بات جھوٹ نہیں ہوتی، جیسے ہجرت کے موقع پر جب حضرت ابوبکرؓ اور آنحضورؐ کے پاس بعض ایسے لوگ پہونچ گئے جن کو آنحضور کی تلاش تھی۔ یہ تلاش کرنے والے آنحضورؐ سے واقف نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو جانتے تھے۔ انھوں نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ھجل یھدینی یعنی یہ میرے راہبر ہیں، تلاش کرنے والوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ یہ کوئی راستہ دکھانے والا شخص ہے جس کو ابوبکرؓ نے رہنمائی کے لئے ساتھ لیا ہے، اور وہ واپس چلے گئے۔ جب کہ حضرت ابوبکر کا اصل مقصد یہ تھا کہ یہ وہ پیغمبر اسلام ہیں جو ہمیں ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں، اس طرح کے کلام کو عربی میں توریہ و تعریض کہتے ہیں جس کی شکل جھوٹ کی ہوتی ہے اصل میں وہ کلام جھوٹ نہیں ہوتا۔ تو بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ اس طرح کے

کلام کی تو اجازت ہے مگر صریح جھوٹ کی شریعت میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر کو نکلتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل، اللّٰھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال اللھم اطولنا الارض وھون علینا السفر۔

اور بعض روایت میں سفر کی دعا اس طرح بھی آئی ہے۔

سُبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون اللھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقویٰ والعمل بما ترضیٰ اللھم ھون علینا السفر واطوعنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللّٰھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال (مسلم)

سفر کو اس میں پیش آنے والی دشواریوں اور تکلیفوں کی وجہ سے مثل جہنم کہا گیا ہے، اور یہ بہت حد تک صحیح ہے، سفر میں خواہ آرام و راحت کا کتنا بھی بندوبست کر لیا جائے مگر گھر کا آرام و سکون کہاں مل پاتا ہے، اور ہر طرح کی سہولت میسر ہوجانے کے بعد بھی گھر والوں کی فکر سے قلب و دماغ کی بیچینی اپنی جگہ پر قرار رہی رہتی ہے بال بچے آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں، کاروبار کی طرف دھیان لگا رہتا ہے، راستہ میں ہزار طرح کے خطرات کا خدشہ سر پر سوار رہتا ہے، ہم باہر ہوں اور گھر پر کوئی سا حادثہ پیش آجائے اس کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے۔ غرض مختلف قسم کی اس طرح کی چیزیں جن سے دل و دماغ مشغول ہوں آدمی کی طبیعت کو بے چین کئے رہتی ہیں، اسلئے ایسے موقع پر اللہ سے بطور خصوص مدد و عافیت کا طلبگار ہونا چاہیئے۔ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سفر کے موقع کی یہ دعا سکھلائی جس پر آپ کا خود عمل تھا۔ دوسری دعا کا ترجمہ لکھا جارہا ہے تاکہ آپ کے ذہن میں اس کا مفہوم محفوظ ہوجائے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیئے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا ہے۔ ورنہ ہمیں اس کی قدرت نہیں تھی، اور ہم تو (جب اپنے اصلی اور حقیقی سفر پر روانہ ہونگے) تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اے اللہ ہم اپنے اس سفر میں آپ سے نیکی اور تقویٰ کا عمل چاہتے ہیں اور اس کام کے سوالی ہیں جن سے آپ راضی ہوں۔ اے اللہ ہمارا یہ سفر آپ ہمارے لئے آسان فرمادیں اس کی دوری کو سمیٹ دیں، اے اللہ سفر میں آپ ہی ہمارے ساتھی ہیں اور اہل وعیال کے آپ ہی نگراں ہیں، اے اللہ میں سفر کی مشقت سے آپ کے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں، اور اس سے بھی پناہ چاہتا ہوں کہ جب میں گھر لوٹوں تو نا خوشگوار حالت ہو اور گھر اور بال بچوں کو نامناسب حالت میں پاؤں۔

(۳) مسلم شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا کہ کچھ لوگ ایک مسافر آدمی پر سایہ کیئے ہوئے ہیں اور اس کے پاس ان کی بھیڑ لگی ہے، آپ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے، لوگوں نے بتلایا کہ یہ روزہ دار آدمی ہیں (روزہ کی تکلیف اور مشقت میں مبتلا رہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے،

ہماری شریعت کی خاص اور امتیازی بات یہ ہے کہ اس میں انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر نگاہ ہوتی ہے، اور انسانی زندگی کے باریک سے باریک گوشہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا، چونکہ شریعت میں عبادات کے سلسلہ میں بہت زیادہ تکلیف اور مشقت اٹھانے کو پسندیدہ نہیں سمجھا گیا ہے، اس وجہ سے آدمی کو بھی شریعت کی رخصتوں سے بلا وجہ منہ نہیں موڑنا چاہیئے، یہ بندوں پر اللہ کا کرم و احسان ہے کہ اس نے ہمیں عبادات کے سلسلہ میں بہت سی رخصتوں کا عطیہ انعام کیا ہے، اس عطیہ وانعامات کی ہمیں قدر کرنی چاہیئے۔ مسافروں پر روزہ فرض نہیں ہے، اسلیئے اگر سفر میں روزہ رکھنے میں دقت ودشواری محسوس ہوتی ہے تو بلا وجہ ان مشقتوں کو برداشت کرنا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے، اوپر والی حدیث میں اسی حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد اسحاق بھٹی

سلیم شاہ سوری

سلطان شیر شاہ سوری کے بعد ۱۵ ربیع الاول ۹۵۲ھ کو اس کا بیٹا سلیم شاہ سوری سریر آرائے تخت ہند ہوا۔ یہ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا مگر باپ کی طرح بڑا عادل اور منصف مزاج تھا۔ اس نے بھی ملکی اصلاحات اور حکومت کے نظم و نسق کو مستحکم کرنے کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی۔ شہر تعمیر کیے، زراعت کو ترقی دی، رعایا کے مفاد کو ملحوظ خاطر رکھا اور اس سے عدل و احسان کا برتاؤ کیا۔ یہ عبادت گزار اور نیک نفس بادشاہ تھا۔ مسجد میں لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتا، علماء سے عزت و تکریم سے پیش آتا اور علمی مسائل میں ان سے مذاکرہ کرتا، مسکرات سے اس کو شدید نفرت تھی اور غیر شرعی امور کے ارتکاب سے دامن کشاں رہتا تھا۔ فوج کیلئے اس کے والد شیر شاہ نے بھی اصلاحات نافذ کیں لیکن اس نے ان اصلاحات میں مزید اضافہ کیا۔

سلیم شاہ نے عسکری نظام کو جدید قالب میں ڈھالا اور اس کو دو حصوں میں مرتب کیا۔ ایک چھوٹا حصہ اور ایک بڑا حصہ۔ چھوٹا حصہ کم نفری پر مشتمل تھا اور بڑا حصہ زیادہ نفری پر۔ چھوٹے حصے میں چار درجے رکھے۔ ایک درجہ پچاس افراد کی نفری پر، دوسرا دو سو کی، تیسرا ڈھائی سو کی، اور چوتھا پانچ سو کی نفری پر مشتمل تھا۔ بڑا حصہ پانچ ہزار، دس ہزار اور بیس ہزار کی نفری کو محتوی تھا۔ اسی ترتیب سے ان پر امرا کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ فوج میں فارسی اور ہندی زبانوں پر عبور رکھنے والے محرر مقرر کیے۔

محکمہ قضا میں پٹھان اور ہندی قاضی متعین کیے۔ سنار گاؤں سے لے کر کابل کی سرحد تک

تک اس نے فوجی چھاؤنیاں تعمیر کیں۔ گزرگاہوں اور راستوں میں شیر شاہ نے مسافروں کے آرام کے لئے جو سرائیں تعمیر کی تھیں، سلیم شاہ نے ان میں اور اضافہ کیا، اور بہت سی نئی سرائیں بنوائیں، راستوں میں پانی کا انتظام کیا، اس نے لنگر خانے بھی جاری کئے، جن میں مسلمانوں کو پکا ہوا کھانا اور ہندوؤں کو اناج دیا جاتا تھا۔

اس کی زندگی کے شب و روز کا بیشتر حصہ اگرچہ حرب و ضرب میں گزرا۔ مگر اس نے کبھی رعایا کی خبر گیری اور اصلاحی امور سے صرف نظر نہیں کیا اور اس کی گوناگوں مصروفیات اصلاح احوال اور علماء دین سے تعلقات کی راہ میں حائل نہیں ہوسکیں۔

سلیم شاہ میں ایک خوبی یہ تھی کہ یہ بلند کردار اور بلند حوصلہ بادشاہ تھا۔ اس ضمن میں یہ واقعہ لائق تذکرہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک قصبے میں قیام پذیر ہوا، جس کا نام "بن" تھا، حسب معمول عصر اور مغرب کی نماز کے درمیان تنہا قلعہ مان گڑھ کی سیر کیلئے جارہا تھا، جو قصبہ بن سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر واقع تھا، راستے میں ایک شخص فریاد کرتا ہوا سامنے آیا اور بادشاہ کا راستہ روک کر بغل سے تلوار نکالی اور حملہ کردیا۔ سلیم شاہ نے تیزی سے اس کے وار کو روکا۔ جان سے تو بچ گیا مگر معمولی زخم آئے، وہ شخص دوسرا وار کرنا چاہتا تھا کہ سلیم شاہ پہلو بچا کر اس سے لپٹ گیا اور تلوار چھین لی۔ اتنے میں کچھ اور لوگ بھی وہاں آگئے اور حملہ آور کو پکڑ لیا گیا، لوگوں نے حملہ آور سے پوچھنا شروع کیا کہ تم نے یہ حرکت کس کے اشارے سے کی ہے، بادشاہ نے یہ کہہ کر لوگوں کو تحقیق و تفتیش سے روک دیا کہ معلوم نہیں یہ شخص غلط بیانی کرکے کتنے گھروں کو برباد کردے۔ اس کے بعد بادشاہ کے حکم سے اسے فوری طور پر قتل کردیا گیا۔ اس کی تلوار دیکھی تو پتہ چلا کہ یہ وہی تلوار ہے جو سلیم شاہ نے اقبال خاں کو دی تھی۔ اقبال خاں عرصہ تک شیر شاہ کی خدمت میں رہا تھا مگر چھوٹا پن اس کی فطرت میں داخل تھا۔ لوگوں نے سلیم شاہ کو اسے قتل کرنے کو کہا لیکن اس نے جواب دیا، اپنے پروردہ کو قتل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔

سلیم شاہ عبادت گزار، طباع و ذہین اور علماء و صلحاء کا عقیدتمند تھا، مگر ساتھ ہی

لطیفہ گو بھی تھا اور لطیفہ سن کر خوش ہوتا تھا۔ کہتے ہیں پنجاب جاتے ہوئے جب وہ الور ٹھہرا
تو ایک دن دور سے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری کو آتے ہوئے دیکھا۔ مصاحبوں
سے کہا تمہیں معلوم ہے یہ کون آرہا ہے؟" بولے حضور ہی فرمائیں"۔ سلیم شاہ نے کہا۔" بابر
بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے، جن میں چار تو ہندوستان سے نکل گئے، مگر یہ پانچواں یہاں
رہ گیا، ایک مصاحب سرمست خاں نے کہا۔" یہ فتنے کی جڑ آپ نے کیوں رہنے دی؟"
سلیم شاہ نے جواب دیا۔" کیا کروں، اس سے بہتر آدمی مجھے نظر نہیں آتا"۔ جب مخدوم
الملک مجلس میں آئے تو بادشاہ نے نہایت اعزاز کے ساتھ انھیں اپنے ساتھ تخت پر
بٹھایا اور مروارید کی تسبیح عنایت کی جو تیس ہزار روپے کی تھی اور اسی وقت کسی نے
پیش کی تھی۔

سلیم شاہ کا زمانہ علم و علماء کے اعتبار سے بڑا زرخیز تھا اور یہ بادشاہ اہل علم کا
بہت قدردان تھا۔ اس کے دربار میں شعر و شاعری اور مختلف مسائل پر علماء کے درمیان
مذاکروں اور مباحثوں کا ہنگامہ بپا رہتا۔

سلیم شاہ نے نو سال بادشاہت کی، ۹۶۱ھ کو وفات پائی۔ اس کی میت کو سہسرام
لے جا کر شیر شاہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اسی سال گجرات کے خدا ترس
اور عادل بادشاہ سلطان محمود کو برہان نامی ایک خادم نے شہید کر دیا۔ دکن کے بادشاہ
نظام الملک نے بھی اسی سال انتقال کیا۔ یہ سال گویا بادشاہوں کی موت کا سال تھا۔

صلا کا بقیہ:۔

قریباً آٹھ مرتبہ میں نے آزمایا، حالانکہ میں جماعت کے ساتھ بعد میں شریک ہوتا تھا اور
قاضی جی کو میری آمد کا کوئی علم نہ ہوتا تھا، اس سے میں نے یقین کر لیا کہ آپ صاحب کشف
ہیں۔

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی

محمد اجمل مفتاحی

غیر مقلدین کی کرامات

کرامات قاضی محمد سلیمان صاحب منصورپوری

۱۔ عنایت حسین پٹیالوی آپ کے بہت دوست تھے، انھوں نے اپنی بیٹی کی شادی شیخ فضل حق سکنہ سنام کے بیٹے سے کردی، وہ لڑکا نہایت خراب نکلا، شراب پیتا، جوا کھیلتا، بدکاروں کے ساتھ رہتا، اور گھر والوں کو سخت تنگ کرتا، غرضیکہ پرلے درجے کا بے دین نکلا، عنایت حسین کو سخت صدمہ پہنچا، "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔" قاضی صاحب سے التجا کی، آپ نے فرمایا، اسے میرے پاس لے آؤ، وہ آیا تو آپ نے اس پر توجہ کی، بیہوش ہوگیا، جب ہوش آیا، تو استغفار پڑھنے لگا، اور تمام گناہوں سے توبہ کرلی، بس ایک صحبت میں اس کی حالت بدل گئی، اور وہ نہایت نیک، صالح، دیندار بن گیا۔

۲۔ شاہ جی نجم الدین کا بیان ہے، کہ مجھے تیتر بازی کا بڑا شوق تھا، چنانچہ شب و روز میرا یہی شغل رہتا، سب مجھے سمجھاتے مگر کسی کا کہا موثر نہ ہوتا، ایک دن میرے والد مجھے قاضی جی کے پاس لے گئے، آپ نے تھوڑی سی توجہ دی، اور مجھے تیتر بازی سے ایسی نفرت ہوگئی کہ میں نے آتے ہی سب تیتر چھوڑ دیئے، اور پنجرے توڑ دیئے۔

۳۔ ولایت احمد نامی قصاب کی ہمشیرہ کو جن تھا، جو کسی سے نہ نکلتا تھا، بڑے بڑے عامل آئے، مگر جن کسی سے نہ نکلا، ولایت احمد قاضی جی کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، کہ آپ تشریف لے چلیں، شاید آپ کا کہا مان جائے، آپ نے فرمایا، کہ میں جنات کا عامل نہیں ہوں،

مگر خیر تم جاؤ، اور اسے میرا سلام کہہ کر یہ پیغام دو، کہ وہ کہتے ہیں، اب تم چلے جاؤ، چنانچہ ولایت احمد نے ایسا ہی کیا، کہا قاضی محمد سلیمان صاحب تمہیں سلام علیکم کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اب تم چلے جاؤ، جن نے کہا، قسم کھاؤ، انھوں نے یہ کہا ہے، اس نے کہا بخدا انھوں نے یہی کہا ہے، جن بولا، بہت اچھا لیجئے اب جاتا ہوں، چنانچہ اس کے بعد اس کی ہمشیرہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام ہوگیا۔

۴۔ پٹیالہ میں ایک میرجان رنڈی تھی، جو عرصہ دراز سے بدکاری کا پیشہ کرتی تھی، ایکبار آپ کی خدمت میں تعویذ لینے کے لئے حاضر ہوئی، تو آپ نے فرمایا کہ اس پیشہ سے توبہ کر، اور کہیں نکاح کر کے بیٹھ جا، آپ کا کہنا تھا کہ وہ اسی وقت تائب ہوگئی، اور پھر تیس سال تک نہایت زاہدانہ زندگی بسر کی۔

۵۔ شاہ جی نجم الدین سکنہ بسی کا بیان ہے کہ ایک بار میں قاضی صاحب کے ساتھ جارہا تھا، لاہوری گیٹ کے قریب ایک قبر آئی، جس پر آپ ٹھہر گئے، اور کہا، دیکھو شاہ جی اس صالح مرد کی قبر سے کس قدر خوشبو آرہی ہے، شاہ جی کا بیان ہے، کہ میں جو آگے بڑھا تو سچ مچ مجھے بھی نہایت خوشگوار خوشبو آئی، اس کے بعد میں بارہا اکیلا وہاں سے گذرا، مگر پھر کبھی ویسی خوشبو نہیں آئی (یہ محض ان کی صحبت کا اثر تھا) شاہ جی کہتے ہیں، کہ میں نے اس مرد صالح کا نام پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کا نام۔ دادخاں پٹھان بتایا گیا ہے، جو عرصہ دراز سے یہاں مدفون ہے۔

۶۔ قاضی صاحب جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو ال روڈ پر حیات برادرس کے ہاں قیام فرمایا کرتے تھے، میاں فضل کریم صاحب بن حاجی حیات محمد صاحب مالک فرم کا بیان ہے کہ جس مکان میں آپ ٹھہرا کرتے تھے، اس کے قریب ہی ایک خانقاہ تھی جو اجڑی ہوئی تھی، ایک دن آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی قبر ہے میں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے کہا آج رات ہمیں وہ بزرگ ملے اور کہا، کہ قاضی جی آپ اتنی بار یہاں آئے مگر ہمیں ایک بار بھی نہیں ملے، پھر فرمایا وہ بہت نیک اور صالح آدمی ہیں، فلاں جگہ کے رہنے والے تھے، ادھر سے گذر رہے تھے، کہ انتقال ہوگیا، میاں فضل کریم کہتے ہیں، کہ اس کے بعد جب میں نے اس کی تحقیق کی تو وہ باتیں ویسی ہی

ثابت ہوئیں جو قاضی صاحب نے بیان فرمائی تھیں، یہاں تک کہ ان کا نام اور پتہ بھی قاضی جی نے مجھے بتا دیا تھا۔

۷۔ صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۱ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خاں شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے، تو انھوں نے سرہند جانے کے لئے قاضی جی کو اپنے ساتھ لے لیا، حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانیؒ پر مراقبہ کے لئے بیٹھے تو قاضی جی نے دل میں کہا، کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو ان سے الگ ہو جانا چاہیئے، ابھی آپ اپنے جی یہ خیال لے کر اٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ سلیمان بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا، اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔

۸۔ حافظ محمد حسن صاحب مرحوم لاہوری کا بیان ہے کہ میں ایک بار قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کرامت کی اہمیت کے متعلق کچھ پوچھا، آپ نے اس مسئلہ کے مالۂ وما علیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ کرامت اہل اللہ کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی اصل چیز تو تقویٰ اور خشیتِ الٰہی ہے، پھر فرمایا، کہ ایک دفعہ عالم بیداری میں مجھ پر انوار آسمانی کی بارش ہوئی اور میں ان آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ جواجرام فلکی میرے بدن پر گر رہے ہیں، اور ایک طرف سے داخل ہوتے ہیں اور دوسری جانب نکل جاتے ہیں، یہ حالت دیکھ کر میں معًا سجدے میں گر پڑا، اور دعا مانگی کہ الٰہی میں ایسی چیزوں کا طالب نہیں ہوں، مجھے تو تیری محبت مطلوب ہے۔

پھر فرمایا، حافظ صاحب میں نے یہ بات آج ہی آپ سے کہی ہے، کسی سے ذکر نہ کرنا۔

۹۔ پٹیالہ میں ایک گیندے شاہ نامی مستانہ فقیر تھا، جو ہر وقت شراب میں مخمور رہتا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ اسے شراب پلانے سے حاجات بر آتی ہیں، چنانچہ جو شخص آتا، شراب ہی لے کر اس کے پاس آتا، ایک بار قاضی جی کا ادھر سے گذر ہوا، وہ احترام کے طور پر اٹھ بیٹھا،

آپ نے فرمایا، سائیں جی شراب حرام ہے، اس سے تائب ہو جائیے، اب آپ کے آخری دن ہیں، گیندے شاہ نے اسی وقت توبہ کر لی، اور تمام شراب پھینک دی، پھر جو کوئی شراب لاتا، پھینک دیتا، چنانچہ اس واقعہ سے تین دن بعد وہ انتقال کر گیا، اور شیرانوالہ گیٹ کے پاس مدفون ہے۔

۱۰۔ قاضی عبدالرحمٰن صاحب پٹیالوی کا بیان ہے کہ نابھہ میں ایک مستانہ فقیر تھا، جو بالکل ننگ دھڑنگ رہتا تھا، اور مجذوب تھا، کسی نے قاضی صاحب سے اس کا ذکر کیا، آپ نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا اور فرمایا کہ کل چلیں گے اور اس کے لئے کچھ کھانا بھی لے جائیں گے، چنانچہ جب آپ گئے اور ابھی اسٹیشن سے اترے ہی تھے کہ اس نے کہنا شروع کیا، کپڑے لاؤ، کپڑے لاؤ، ایک بزرگ آرہا ہے، اور مجھے اس سے حیا آتی ہے، چنانچہ قاضی جی کے پہنچنے سے پہلے ہی اس نے کپڑا اوڑھ لیا، جب آپ پہنچے تو نہایت تکریم سے پیش آیا، اور دیر تک آپ سے سلوک اور علم کی باتیں کرتا رہا، کھانا بھی کھایا، اور کہا کہ جو آج کھانے کا مزہ آیا ہے، عمر بھر میں کبھی نہیں آیا، پھر جب آپ تشریف لے گئے، تو اس نے کپڑے اتار پھینکے، اور اسی طرح دیوانہ ہو گیا۔

۱۱۔ مولوی حسین احمد تاجر کتب پٹیالہ کا بیان ہے کہ مجھے درد کمر کی شدید شکایت رہتی تھی، اور اسی وجہ سے میں نماز باجماعت ادا کرنے سے معذور تھا، کیونکہ اکثر اہلحدیث صبح کی نماز میں لمبی قرأت کرتے ہیں اور میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا، ایک دن میں قاضی صاحب کی مسجد میں نماز صبح کے لئے چلا گیا، قاضی صاحب سورۂ آل عمران پڑھ رہے تھے دو رکوع پڑھے ہوں گے کہ مجھے درد شروع ہو گیا، اور میں نے ارادہ کیا کہ اب نماز چھوڑ دوں، معاً قاضی جی نے اللہ اکبر کہا، اور رکوع میں چلے گئے، پھر دوسری رکعت میں بھی مختصر قیام کیا، اور سلام پھیر دیا، لوگ حیران ہوئے کہ آج اتنی مختصر قرأت کیوں کی، کسی نے پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ بھئی حضور کا حکم ہے، مقتدیوں کا لحاظ رکھا جائے، مولوی حسین احمد کہتے ہیں کہ تین چار یوم کے بعد ایک دفعہ میں نماز میں شامل ہوا تو ایسا ہی اتفاق ہوا، جب مجھے درد شروع ہوا، اور میں جی میں یہ سوچنے لگا کہ نماز چھوڑ دوں یا نہ، تو قاضی جی نے قرأت ختم کر دی اور اختصار سے کام لے لیا، قریباً

بقیہ صـ۱۳ پر

نورالدین نوراللہ الاعظمی

مولانا محمد ابوبکر غازی پوری دامت برکاتہم کا تعارف ڈاکٹر محمد یونس ارشد بلرامپوری سلفی حفظہ اللہ کے قلم سلفیت رقم سے

اور ایک مسئلہ کی وضاحت

مولانا محمد ابوبکر غازی پوری مدیر زمزم دامت برکاتہم کی کتاب غیر مقلدین کی ڈائری، پڑھ کر دنیائے سلفیت کے ایک ڈاکٹر صاحب پر جن کا نام ڈاکٹر محمد یونس ارشد حفظہ اللہ ہے، سلفیت کے آثار پورے زور وشور سے ظاہر ہوئے، غیر مقلدیت اپنے اوج پر پہونچی اور ڈاکٹر صاحب سلفی حفظہ اللہ موصوف نے بقول ان کے مولانا غازیپوری کی کتاب ڈائری کا ایک شاندار رد لکھا، یہ رد ایک کتاب کی صورت اختیار کرگیا، اور وہ کتاب تین سواڑتیس صفحات پر پھیل گئی، کتاب مذکور جتنی پھیلتی گئی ڈاکٹر صاحب موصوف حفظہ اللہ اوران کی سلفیت و غیر مقلدیت بھی اسی اعتبار سے پھیلتی چلی گئی، کتاب کا نام ہے ۔ تقلید کے برگ و بار، پڑھنے کے لائق کتاب ہے، اس کتاب میں حضرت ڈاکٹر صاحب سلفی موصوف حفظہ اللہ نے جگہ جگہ مولانا غازی پوری دامت برکاتہم کا نہایت سلفیانہ انداز میں تعارف کرایا ہے، تعارف بھی بہت مفصل اور ادیبانہ ہے، ناظرین زمزم کی ضیافت طبع کے لئے کتاب کی ایک جگہ سے مولانا غازی پوری کا تعارف پیش خدمت ہے، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں :

۔ ابلیس کی نمائندگی ۔

۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غازی پوری کی ڈکشنری میں امانت ودیانت، صداقت کے الفاظ نہیں ہیں، اسلئے وہ خیانت، مکروفریب، غلط بیانی، بہتان تراشی

بھوری ، اور اچکے بازی کے تمام ریکارڈ توڑ کر ابلیس کی صحیح نمائندگی کر رہا ہے۔
قرین قیاس یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش کائنات سے اب تک اللہ کے بندوں
کو گمراہ کرتے کرتے ابلیس تھک گیا ہے اور اپنی ذمہ داریاں غازیپوری کے سپرد
کردی ہیں ، اور ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ غازیپوری یہ شیطانی کردار
اس طرح کامیابی کے ساتھ نباہ رہا ہے کہ ابلیس کو خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہو رہی
ہوگی کہ جو نکتے غازی پوری نے استعمال کئے ہیں وہ اس سے پہلے ابلیس کو بھی
نہیں سوجھے تھے ۔ (ص۳۰)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سلفی موصوف حفظہ اللہ نے مولانا غازی پوری دامت
برکاتہم جو ابلیس سے بڑھ کر حرکتیں کیا کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی گمراہی ابلیس سے بھی
فزوں تر اور بڑھ کر ہے ، اس کی ایک مثال بھی دی ہے ۔ ناظرین بھی اسے ملاحظہ فرمالیں
اور ڈاکٹر سلفی حفظہ اللہ کے جوش قلم کی داد دیں ۔ فرماتے ہیں :

ایک مثال : غازی پوری نے امانت و دیانت کا خون کرتے ہوئے اپنے ہی
لوگوں کو گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے نیز مکر و فریب اور خیانت
و غلط بیانی کے اپنے خصوصی فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ڈائری میں لکھا ہے [1]
(۱) مسلم کی یہ بھی روایت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بیٹھتے
تو کان یفرش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ آپ اپنا
بایاں پاؤں پھیلا لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے مگر غیر مقلدین امام مسلم کی
روایت کردہ اس حدیث کو چھوڑ کر قعدہ اخیرہ میں عورتوں کی طرف تورک
کرتے ہیں ، یعنی سرین کے بل بیٹھتے ہیں ۔ (ص۱۲۹)
(تقلید کے برگ و بار ص۲۶)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سلفی حفظہ اللہ کی سلفیت پر دور شباب آتا ہے اور پوری
غیرت ایمانی کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے :

" یہاں صحیح مسلم کا نام لے کر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بالکل غلط بات منسوب کرکے غازی پوری نے دیوبندیت کی زبردست خدمت کی ہے اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اسے صحیح مسلم تک رسائی نہیں ہے اپنے کسی مقلد ساتھی کے بتانے پر یا تحریر کے مطابق ایسا لکھ دیا ہے (۲) اور جہنم کی وعید میں اپنے کو شامل کر لیا ہے، اور کیوں نہ ہو جب ابلیس نمائندگی کرنیکا بیڑا اٹھا لیا تو ایسے ہی راستوں پر چلنا اس کا مقصد بن گیا ہے جو اسے جہنم کی آگ میں ڈھکیل دے کیونکہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (صحیح بخاری ومسلم) جس نے جان بوجھ کر میری طرف غلط بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے " ص ۳۰۲

ابھی ڈاکٹر صاحب سلفی حفظہ اللہ کو اتنا سب کہہ چکنے کے بعد بھی سیری حاصل نہیں ہوئی اس لئے ایک بار پھر جوش آیا اور مزید ارشاد ہوا

جنفیت کے فروغ کی کوشش اور دیوبندیت کی خدمت کرنے کے جوش میں اس نے ان لوگوں کی فہرست میں اپنا نام لکھا لیا جن کا ٹھکانا جہنم ہے، کیونکہ صحیح مسلم کے حوالے سے جس حدیث کا اس نے ذکر کیا ہے اس میں قعود اولیٰ کی بات کہی گئی ہے پوری عبارت اس طرح ہے، وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسریٰ وینصب الیمنیٰ یعنی آپ ہر دو رکعتوں میں تحیہ (التحیات) پڑھتے اور بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں کھڑا رکھتے " ص ۳۰۳

حضرات، مذکورہ بالا تحریر نمونہ ہے کہ غیر مقلدین پر مولانا غازی پوری دامت برکاتہم کی کتاب غیر مقلدین کی ڈائری کا کتنا زبردست ردعمل ہوا ہے، حتیٰ کہ ڈاکٹر قسم کے لوگ بھی حواس باختہ ہو رہے ہیں، نہ ان کا قلم ساتھ دے رہا ہے اور نہ دماغ، زبان کی آلودگی ایسی

کہ توبہ توبہ، ان کی تحریریں فحش کلامی کا نایاب نمونہ ہیں۔ ارادہ تو یہی تھا کہ غیر مقلدین کے قلم سے مولانا غازی پوری دامت برکاتہم کا جوان کی تحریروں میں تعارف کرایا جا رہا ہے اس کا ایک نمونہ پیش کر کے قلم روک لیا جائے، مگر خیال ہو رہا ہے کہ قارئین زمزم ڈاکٹر صاحب سلفی موصوف سلمہ اللہ کی اس تحریر کو واقعی کہیں صحیح سمجھ کر مولانا غازی پوری پر ان کے الزام کو بھی صحیح نہ سمجھ لیں اسلئے ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

بحث سے گریز اور فرار کی راہ

پہلی دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر یونس ارشد سلفی حفظہ اللہ نے غیر مقلدین کی ڈائری کی جو اصل بحث تھی اس سے گریز اور فرار کی راہ اختیار کی، نماز میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان تو ضمنی تھا اور محض ایک مثال تھی، اصل بحث تو یہ تھی کہ غیر مقلدین کے اکابر ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلم کی تمام مرفوع احادیث صحیح ہیں دوسری طرف مسلم کی احادیث صحیحہ کو تسلیم نہیں کرتے، اس سلسلہ کی تین مثالیں غیر مقلدین کی ڈائری میں پیش کی گئی ہیں، اب ڈائری کی بات کا جواب تو صرف دو ہی تھا، ایک یہ کہ یہ ثابت کیا جاتا کہ غیر مقلدین کے اکابر کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے وہ غلط ہے غیر مقلدین کے اکابر نے یہ کہیں نہیں لکھا یا کہا ہے کہ مسلم کی تمام مرفوع روایتیں صحیح ہیں، مولانا غازی پوری نے جھوٹ انکی طرف یہ بات منسوب کی ہے۔

یا مولانا غازی پوری کی بات کا جواب یہ تھا کہ انھوں نے جو تین مثالیں مسلم شریف کی پیش کر کے یہ کہا ہے کہ غیر مقلدین کا ان پر عمل نہیں ہے ان کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ غیر مقلدین ان تینوں روایتوں پر عمل کرتے ہیں۔

اگر ڈاکٹر یونس ارشد سلفی حفظہ اللہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات کو دلائل سے ثابت کر دیتے تو یہ ڈائری کی بات کا جواب ہوتا، اور پھر وہ مولانا غازی پوری پر جو چاہتے الزام رکھتے، ان کی بات میں وزن ہوتا اور ڈائری میں جو لکھا گیا ہے اس کا غلط ہونا ثابت

ہوتا۔ مگر چونکہ یہ بات ڈاکٹر یونس ارشد سلمہ کے بس کی نہیں تھی اس وجہ سے انھوں نے اصل بحث سے گریز کر کے بالکل نئی بات شروع کر دی اور جی بھر کر اپنے جی کی بھڑاس نکالی، اور لوگوں کو غلط تاثر دیا کہ وہ ڈائری میں جو بات ہے اس کا جواب دے رہے ہیں، اب میں ناظرین کو اصل صورتِ حال سے پوری طرح واقف کرانے کیلئے ڈائری کا پورا مضمون نقل کرتا ہوں، ڈائری کا عنوان یہ ہے۔

.بخاری مسلم کی تمام مرفوع روایتیں صحیح ہیں

پھر اس کے تحت یہ لکھا گیا ہے :

فتاویٰ نذیریہ میں ہے، بخاری و مسلم کی تمام احادیث مرفوعہ مسندہ صحیح ہیں (صہ ۲۰۲/۱۲۰)

اس کو نقل کر کے مولانا غازی پوری صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں۔

اور اس کے باوجود قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں امام مسلم نے واذا قرأ فانصتوا یعنی جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو کی جو حدیث روایت کی ہے اس کو غیر مقلدوں نے بالاتفاق رد کر دیا ہے۔

مسلم کی یہ بھی روایت ہے آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بیٹھتے تو کان یفرش رجلہ الیسرٰی وینصب رجلہ الیمنٰی آپ اپنا بایاں پاؤں پھیلا لیتے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھتے مگر غیر مقلدین امام مسلم کی روایت کردہ اس حدیث کو چھوڑ کر قعدہ اخیرہ میں عورتوں کی طرح تورک کرتے ہیں یعنی سرین کے بل بیٹھتے ہیں۔

مسلم کی یہ بھی روایت ہے آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الایم احق بنفسھا من ولیھا یعنی جس کا شوہر نہ ہو وہ عورت اپنے نکاح کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح کرلے تو اس کا نکاح جائز ہوگا مگر غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عورت اپنا نکاح کر ہی نہیں سکتی۔

ان تین مثالوں کے پیش کرنے کے بعد مولانا غازی پوری فرماتے ہیں۔

"یہ تین مثالیں محض یہ دکھانے کے لئے ہیں کہ جس صحیح مسلم کے بارے میں غیر مقلدین کے اکابر یہ کہتے ہیں کہ اس میں سب صحیح حدیثیں ہیں اس حدیث کی صحیح کتاب کے ساتھ ان کا کیا معاملہ ہے۔" (ص ۱۲۹ ڈائری)

ناظرین آپ خط کشیدہ سطروں پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اصل بحث کیا ہے، یہاں تشہد میں کیسے بیٹھا جائے وہ اصل موضوع نہیں ہے، موضوع اصل یہ ہے کہ غیر مقلدین کا جو یہ دعویٰ ہے کہ مسلم شریف کی تمام مرفوع روایتیں صحیح ہیں ان کا یہ دعویٰ کسوٹی پر پرکھنے کے بعد صحیح نہیں معلوم ہوتا اسلئے کہ غیر مقلدوں کا ایک طرف یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمام صحیح حدیثوں پر عمل کرتے ہیں تو مسلم شریف کی ان تینوں احادیث پر جبکہ غیر مقلدوں کے دعویٰ کے مطابق وہ صحیح ہیں تو ان پران کا عمل کیوں نہیں ہے؟ غیر مقلدوں نے مسلم شریف کی ان صحیح حدیثوں کو کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ مولانا غازی پوری کا سوال یہ ہے، اور یہی اصل موضوع گفتگو ہے، مگر ڈاکٹر یونس ارشد سلفی حفظہ اللہ اس تیکھے سوال کا جواب دینے سے تو عاجز رہے، اور بات چھیڑ دی دوسری اور اس کو بنیاد بنا کر شریف زادیوں والی زبان کے استعمال کا انھوں نے جو ریکارڈ قائم کیا ہے ناظرین نے اس کو ملاحظہ فرمالیا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب سلمہ خوش ہیں کہ وہ مولانا غازی پوری کی کتاب غیر مقلدین کی ڈائری کا جواب لکھ رہے ہیں۔

اب رہی وہ بات کہ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان مسلم شریف کی حدیث میں قعدہ اولیٰ کا ہے یا دونوں قعدہ کا، اس بارے میں ڈاکٹر صاحب سلمہ نے جو کچھ بکا ہے وہ جاہلوں کی بکواس ہے، ڈاکٹر صاحب ابھی سلمہ ہیں، ان کو احادیث سمجھنے سمجھانے کا نہ سلیقہ ہے اور نہ اس فکر و ذہن کے ساتھ جو ڈاکٹر صاحب کا مقدر بنا ہوا ہے آئندہ بھی یہ سلیقہ آسکتا ہے ان کے لئے بہتر تھا کہ وہ اس علمی بحث میں نہ پڑتے۔

ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

صحیح مسلم کے حوالے سے جس حدیث کا اس نے ذکر کیا ہے اس میں قعدہ اولیٰ کی

بات کہی گئی ہے۔

یہ ڈاکٹر یونس ارشد سلمہ کی حدیث فہمی کا نادر نمونہ ہے، یہ غیر مقلدین احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی خاص غیر مقلدانہ عینک ہی سے دیکھنے کے عادی ہیں، اگر حدیث شریف کا یہی مطلب ہوتا تو پھر حدیث کی عبارت اس طرح کی ہوتی۔ وکان یقعد فی الجلسة الاولی یا فی القعدة الاولی، یا فی التحیة الاولی، یا فی الرکعتین الاولیین، یا اس طرح کی کوئی اور بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (جو اس حدیث کی راویہ ہیں) فرماتیں مگر آپ فرما رہی ہیں۔ وکان یقول فی کل رکعتین التحیة یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت کو پورا کر کے جب بیٹھتے تو التحیہ پڑھتے، اور پھر مستقل جملہ میں وکان یفرش رجله الیسری وینصب الیمنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کا جو عام طریقہ تھا اس کو بتلایا ہے قعدہ اولیٰ اور قعدہ ثانیہ اور ایک رکعت اور دو رکعت اور چار رکعت اور تین رکعت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز میں بیٹھنے میں جو عام معمول تھا اس کو حضرت عائشہ بتلا رہی ہیں، اگر اس حدیث کا وہ مطلب لیا جائے جو ڈاکٹر یونس ارشد سلفی حفظہ اللہ کی سمجھ میں آیا ہے تو حضرت عائشہ کی اس پوری حدیث ہی کو دو رکعت کی نماز کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اور اس طرح کی بات کوئی جاہل اور غیر مقلد ہی کہہ سکتا ہے۔ سنئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسلم شریف کی پوری حدیث یہ ہے جس میں آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ وہ بتلا رہی ہیں اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز میں جو عام معمول تھا اس کا ذکر ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلوٰة بالتكبير، والقرأة بالحمد لله رب العٰلمين، وكان اذا ركع لم يشخص راسه ولم يصوبه وكان بين ذلك وكان اذا رفع راسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى جالسا وكان يقول فى كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى، وكان ينهى عن عقبة الشيطٰن وينهى ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختتم الصلوٰة بالتسليم۔

(مسلم شریف ص ۱۹۴ ج ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز میں معمول یہ تھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نماز اللہ اکبر کے ساتھ شروع کرتے، اور قرأت میں معمول یہ تھا کہ الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے اور آپ کا نماز میں معمول یہ تھا کہ جب آپ رکوع کرتے تو سر اونچا رکھتے اور نہ اس کو بالکل نیچا کرتے بلکہ دونوں کے درمیان آپ کا سر ہوتا۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ جب تک پورے طور پر کھڑے نہ ہو جاتے آپ سجدہ میں نہ جاتے اور جب سجدہ کرتے تو دوسرا سجدہ اس وقت تک نہ کرتے جب تک پہلے سجدہ سے اٹھ کر پورے طور پر نہ بیٹھ جاتے۔ اور آپ کا معمول یہ تھا کہ جب دو رکعت پوری کرتے تو التحیات پڑھتے، اور آپ کا معمول یہ تھا کہ بیٹھنے میں آپ بایاں پیر بچھاتے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھتے، اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اور اس سے بھی آپ منع فرماتے کہ نمازی اپنے دونوں بازوؤں کو درندہ کی طرح پھیلا کر زمین پر رکھے اور آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کو سلام پر ختم فرماتے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس پوری حدیث میں کسی بات کو دو رکعت والی نماز کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے بلکہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز میں جو عام طریقہ تھا اس کا بیان ہے۔ اب ڈاکٹر یونس ارشد سلفی سلمہ اللہ و حفظہ اللہ جیسے لوگ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کر رہے ہیں کہ اس میں بیٹھنے کا جو بیان ہے اس کا تعلق قعدہ اولیٰ سے ہے، اور اپنی اس جہالت کا رونا رونے کے بجائے مولانا غازی پوری دامت برکاتہم کو ملاحیاں سنا رہے ہیں۔

حضرات غیر مقلدین کی مصیبت:

حضرات غیر مقلدین کی مصیبت یہ ہے کہ ان کا ہر شخص مجتہد ہے اور بڑے سے بڑے صاحب فضل و کمال کو خاطر میں نہیں لاتا ان میں جہل عام ہونے کے باوجود ان کا ہر حروف شناس اور قاعدہ بغدادی والا اپنے کو علامہ ہی سمجھتا ہے، اور قلت عقل و فہم کا حال یہ ہے کہ بخاری شریف میں کوئی بات نظر آگئی اور وہ باپ دادا کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق نظر آئی

بس ہر طرف سے آنکھ بند کر کے اور عقل و فہم کو طاق پر رکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے، نہ اس کا آگا دیکھا نہ پیچھا، اور نہ یہ دیکھا کہ اہل علم کیا کہتے، صحابہ کرام کا عام معمول کیا تھا، بس بخاری شریف میں کوئی چیز اپنے آباء و اجداد کے مذہب کے مطابق نظر آجائے وہ ان کے لئے سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔

اسی مسئلہ میں بخاری شریف میں ڈاکٹر یونس ارشد سلفی حفظہ اللہ کو بھی ایک حدیث نظر آگئی بس پھولے نہیں سمائے اور ان کی غیر مقلدیت جوش مارنے لگی اور مولانا غازی پوری دامت برکاتہم کو اپنی گندہ ذہنی کا نشانہ بنایا، حالانکہ امام بخاری کے شاگرد حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسی مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ والعمل علیه عند اکثر اهل العلم وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک واهل الکوفة ۔ (تحفہ ص ۲۴۰ ج ۱)

یعنی بیٹھنے کا یہ طریقہ کہ بایاں پاؤں کو بچھایا جائے گا اور داہنے کو کھڑا کیا جائے گا (جو ترمذی میں مذکور حضرت وائل بن حجر کی بھی حدیث میں ہے) اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہی حضرت امام سفیان ثوری اور حضرت عبداللہ بن مبارک اور تمام اہل کوفہ کا بھی مذہب ہے اور وہ حدیث جس میں آخری تشہد میں سرین کے بل بیٹھنے کا ذکر ہے اس کو نقل کر کے امام ترمذی فرماتے ہیں۔ وبه یقول بعض اهل العلم یعنی اس کے قائل کچھ ہی اہل علم ہیں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود امام ترمذی کے اعتراف کے مطابق حضرت امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اور جس میں قعدہ اولی میں بیٹھنے اور قعدہ ثانیہ کے بیٹھنے کا الگ الگ طریقہ مذکور ہے، اس کو اکثر اہل علم نے قبول نہیں کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی حدیث کا محض بخاری میں آجانا اس پر عمل کرنے کیلئے کافی نہیں ہے، فقہائے کرام رحمہم اللہ کی نگاہ بڑی گہری اور وسیع ہوتی ہے، وہ شریعت کے مسئلے کو ہر پہلو سے جانچتے ہیں پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں، اب اسی مسئلے میں دیکھئے کہ امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اور جس میں دونوں تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ الگ الگ مذکور ہے، اس کو روایت کرنے والے ابو حمید ہیں جبکہ مسلم شریف میں جو روایت ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں، حضرت عائشہ اور حضور کا شب و روز کا ساتھ تھا۔ تو حضرت عائشہ کو آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا جو مشاہدہ حاصل تھا اس سے حضرت ابو حمید ساعدی محروم تھے، جب کہ حضرت عائشہ روزانہ اور دن و رات میں کئی کئی مرتبہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھا کرتی تھیں، اس وجہ سے ہر صاحب عقل وفہم کا یہی فیصلہ ہوگا کہ حضرت عائشہ کی بات زیادہ معتبر اور زیادہ قابلِ وثوق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنحضور کا بخاری شریف میں ذکر کردہ طریقہ آخری وقت کا ہو سکتا ہے جب آپ صلے اللہ علیہ وسلم پیرانہ سالی کے مرحلہ میں تھے، اسلئے اس کو عموم پر محمول کرنا محل نظر ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کسی حدیث میں تشہد میں احناف کے بیٹھنے کا جو طریقہ ہے اس سے روکا نہیں گیا ہے، جب کہ غیر مقلدین کے سرین کے بل بیٹھنے والے طریقہ سے متعدد حدیثوں میں روکا گیا ہے چنانچہ حضرت انس کی روایت میں ہے:

نهى عن الاقعاء والتورك فى الصلوٰة۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص۸۶)

یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کتے کی بیٹھک بیٹھنے سے اور سرین کے بل بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

مجمع الزوائد ہی میں حضرت سمرہ کی بھی روایت اسی قسم کی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن التورك والاقعاء، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کبھی سرین کے بل بیٹھنے کی اجازت رہی بھی تو اس سے بعد میں روک دیا گیا۔

چوتھی سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس طرح غیر مقلدین نماز میں عورتوں کی طرح بیٹھتے ہیں، اس کا حکم کسی بھی حدیث میں نہیں ہے، جب کہ احناف کا نماز میں بیٹھنے کا جو طریقہ ہے اور جس پر اکثر اہل علم یعنی محدثین و فقہاء کا عمل رہا ہے اس کے بارے میں احادیث میں صراحۃً حکم وارد ہے۔ رفاعہ بن رافع کی حدیث میں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا فاذا جلست فاجلس على رجلك اليسرى یعنی جب نماز میں تم بیٹھو تو بائیں

پیر پر بیٹھو۔

پانچویں بات یہ ہے کہ ہمارے علم میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں کسی صحابی سے یہ صراحت ہو کہ اس نے سرین کے بل نماز میں بیٹھنے کو مردوں کے لئے سنت قرار دیا ہو، جب کہ احناف کا اور اکثر فقہاء و محدثین کا نماز میں بیٹھنے کا جو طریقہ ہے اس کے بارے میں عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ یہی سنت طریقہ ہے، چنانچہ نسائی شریف کی روایت میں ہے قال من سنة الصلوٰة ان تنصب القدم اليمنى واستقباله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى یعنی نماز میں بیٹھنے کا سنت یہ ہے کہ داہنا پاؤں کھڑا کرو اور اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرو اور بائیں پاؤں پر بیٹھیں۔

یہ چند باتیں جو فوری طور پر ذہن میں آئیں وہ ذکر کر دی گئیں ورنہ اہل علم کی نگاہ میں اور بھی بہت سی وجوہ ترجیح ہوں گی۔

ڈاکٹر یونس ارشد حفظہ اللہ جیسے حضرات کو تو بخاری میں کوئی چیز نظر آجائے اور وہ ان کے فکر و عقیدہ کے مطابق ہو بس وہ ان کے غل غپاڑہ کے لئے کافی ہوتی ہے، یہ بیچارے ان دقیق و علمی باتوں سے جاہل یا غافل ہوتے ہیں جس پر فقہا و اہل علم کی نگاہ ہوتی ہے مگر ان کی شرست چونکہ زبوں، اور طبیعت میں فساد ہوتا ہے اس وجہ سے وہ حق بات قبول کیا کریں گے۔ اہل حق کے خلاف آوازہ کسنا، گندی زبان استعمال کرنا فحش کلامی کا مظاہرہ کرنا ان غیر مقلدین کا مزاج اور شیوہ ہوتا ہے۔

میں ڈاکٹر یونس ارشد سلفی حفظہ اللہ کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا غازی پوری کو آپ اپنی صف کا آدمی نہ سمجھیں کہ وہ آپ کی ان گندی باتوں کا جواب دیں گے، وہ آپ جیسوں کو منہ لگانا پسند نہیں فرمائیں گے وہ آپ کے بڑوں کی خدمت کر رہے ہیں، آپ کی خدمت کے لئے ہم انکے خدام کافی ہیں، زمزم کے قارئین نے اتنے ہی سے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ڈاکٹر یونس ارشد نے جو غیر مقلدین کی ڈائری کا جواب لکھا ہے اس جواب کی حیثیت کیا ہوگی، پوری کتاب ہی تعفن آلود پھوہڑپنے سے لت پت ہے، جگہ جگہ گالی گلوج کا مظاہرہ علمی بات برائے نام جاہلانہ انداز

گفتگو قدم قدم پر۔

غیر مقلدین مسلم شریف کی حضرت عائشہ والی حدیث سے نالاں کیوں ہیں؟

ایک بات کی طرف شاید آپ حضرات کی توجہ نہ ہو سکی ہو، وہ یہ کہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مقلدین حضرت عائشہ والی حدیث کو بلا چوں چرا کیوں نہیں قبول کر لیتے؟ جب کہ بقول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ نماز میں مطلقاً ایک پاؤں کھڑا کر کے اور دوسرا بچھا کر اس پر بیٹھنا ہے تو اس کی ایک خاص وجہ ہے، اور جس کی اہمیت غیر مقلدین کے مذہب میں بہت ہے۔ وہ یہ کہ غیر مقلدین کے یہاں نماز میں رفع یدین۔ بہت اہم سنت ہے، حتیٰ کہ ان کا مذہب بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جو رفع یدین نہیں کرتا اس کی نماز خلاف سنت بلکہ باطل ہو جاتی ہے۔ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث میں جس میں نماز کے مفصل طریقہ کا ذکر ہے اور جس میں آنحضور کا ہمیشہ کا معمول جو نماز میں رہا ہے اس کو بتلایا گیا ہے اس میں کہیں دور دور تک بھی رفع یدین کا ذکر نہیں ہے، بس یہ وجہ ہے کہ غیر مقلدین حضرت عائشہ کی اس حدیث سے نالاں و ناراض ہیں اور انھوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی گھر والی حدیث کو چھوڑ کر آنحضور کے گھر کے باہر والی حدیث ہی کو استحسان و قدر کی نگاہ سے دیکھا اور علم و عقل کی قربانی دے کر اور ان کو بالائے طاق رکھ کر بخاری کی اس حدیث سے چمٹ پڑے۔

حضرات ناظرین میری یہ تحریر ذرا طویل ہو گئی، مگر ڈاکٹر یونس ارشد نے عوام کو بہکانے اور ورغلانے اور مولانا غازی پوری کے خلاف جو بیہودہ الزامات لگائے ہیں اس کی وضاحت کے لئے ہمیں اتنا کچھ لکھنا ضروری معلوم ہوا، اس سے آپ حضرات نے جان لیا کہ یہ اہلحدیث نام کا فرقہ عوام الناس کو کس طرح اور کس کس ڈھنگ سے گمراہ کر رہا ہے، اور ان کو شریعت کے جادہ حق سے ہٹا کر کے بد دینی و گمراہی اور دجل و فریب کے راستہ پر لگانے کی سلفیت کے عنوان سے کیسی خطرناک کوشش و تحریک جاری ہے، اللہ ہم سب کو ان تمام فتنوں سے محفوظ رکھے۔

(نوٹ)

حضرت مولانا محمد ابو بکر غازی پوری کتاب غیر مقلدین کی ڈائری کا اثر آپ نے دیکھا کہ غیر مقلدین کے ڈاکٹروں کا دماغ بھی الٹ پلٹ ہونے لگا ہے، آپ ضرور یہ کتاب پڑھیں تاکہ غیر مقلدیت کی حقیقت کا آپ کو پتہ چل سکے۔

---

(۱) نہیں بھیا اپنی ڈائری میں نہیں غیر مقلدین کی ڈائری میں لکھا ہے، اور بھیا یہ بھی دیکھ لیجئے کہ کہیں صفحہ کا حوالہ غلط تو نہیں ہے؟ اسلئے کہ ہمیں تلاش کرنے کے باوجود بھی مولانا غازی پوری کی یہ عبارت ص۱۲۹ میں نہیں ملی۔

(۲) ماشاءاللہ ڈاکٹر صاحب سلفی حفظہ اللہ غیب دانی کے شرف سے بھی مشرف ہیں، ماشاءاللہ چشم بددور۔

ص۶۲ کا بقیہ :-

باپ - بیٹا ابھی تک عبدالمعید اور رضاء اللہ سلمہ ہیں۔ من کبار السلفیین نہیں ہوئے ہیں، میں تو من کبار السلفیین والی پارٹی میں رہوں گا۔ یعنی اپنے بڑے اور بزرگوں والی پارٹی میں۔

بیٹا - اباجی، عبدالمعید اور رضاء اللہ مبارکپوری وغیرہ نے اپنی الگ پارٹی کیوں بنالی ہے۔ مولانا غازی پوری کی مار اور ان کے حملوں سے بچنے کیلئے؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

محمد ابوبکر غازی پوری

جولائی ۲۰۰۱ مقالاتی

شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں سلفی غیر مقلدین کی کچھ تحقیق

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ولایت ہر طبقہ میں مسلم ہے، اور جن کا صاحب کشف وکرامات ہونا زبان زد خلائق ہے، غیر مقلدین سلفی ان کے بارے میں ابھی یہی نہیں طے کرپارہے ہیں کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان بھی تھے یا نہیں، اور ان کا تعلق اہلسنت والجماعت سے تھا یا وہ اہل سنت والجماعت سے خارج تھے، ان کے افکار وعقائد کتاب وسنت سے ہم آہنگ تھے یا اس کے خلاف تھے۔ چنانچہ اب چوتھی صدی ہجری کے ختم پر غیر مقلدین فضلاء نے اس تحقیق کا بیڑا اٹھایا ہے۔

سعودیہ عربیہ کے جامعات میں پی ایچ ڈیوں کی کھیپ تیار ہورہی ہے، اور ان کی پی ایچ ڈیت کا عام طور پر موضوع اس قسم کا ہوتا ہے تبلیغی جماعت حق ہے یا ناحق، دیوبندیوں کے عقائد درست ہیں یا نادرست، ماتریدیہ اور اشعریہ کے فقہاء ومحدثین کو اہل سنت کہا جائے یا نہیں اسلام کے فلاں فلاں بزرگ واقعۃً صحیح العقیدہ تھے یا ان کا عقیدہ فاسد تھا اور ان پی ایچ ڈیوں کا معیار تحقیق یہ ہوتا ہے کہ جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شیخ ابن عبدالوہاب کے عقائد کا موافق ہو وہی سچا پکا مسلمان ہے، یعنی جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو حرام قرار دے، اللہ کو عرش پر اس طرح سمجھے کہ بس وہ عرش ہی پر ہے اور کسی جگہ پر اس کا وجود نہیں، جو اللہ کے لئے جہت کا قائل ہو، جو بزرگوں حتیٰ کہ نبیوں کے

تبرکات سے برکت حاصل کرنے کو حرام قرار دے، جو اس کا قائل ہو کہ نبی اور غیر نبی کسی کا بھی توسل اختیار کرنا اور ان کی ذات کو وسیلہ بنا کر اللہ سے دعا کرنا حرام ہے، جو حیاتِ انبیاء کا قائل نہ ہو، جو تصوف کو تمام گمراہی کی جڑ قرار دے، جس کا عقیدہ یہ ہو کہ دنیا کی کوئی جگہ جن کا تعلق کسی نبی پیغمبر یا اللہ کے ولیوں سے ہو اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، حتیٰ کہ جو جگہ جسد پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے ملی ہوئی ہے اس کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے، غرض جو اس قسم کے عقائد میں غیر مقلدین کا ہم نوا ہے وہ تو پکا اہلسنت والجماعت ہے، اور جو ان باتوں میں غیر مقلدین سے اختلاف کرتا ہے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے یا کم از کم وہ پکے اہل سنت والجماعت کا فرد نہیں ہے، اسی بنا پر غیر مقلدین نے آج کل اس کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عقائد و افکار کی چھان بین کریں اور ان کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے یا ان کے اہل سنت والجماعت میں سے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کریں، اور یہ کام آج کل سعودیہ کے جامعات میں بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔

میرے سامنے اس وقت ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے ۔ الشیخ عبد القادر الجیلانی وآرائہ الاعتقادیۃ والصوفیۃ ۔ اس کے لکھنے والے ایک صاحب ہیں جو فقیر الی اللہ ہیں، ان کا یہ انتہائی تواضع والا نام ہے، اور اصل نام ہے ۔ الدکتور سعید بن مسفر بن مفرح القحطانی ۔ مذکورہ کتاب انھیں کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے ۔ متوسط سائز کی جلدیں چھ سو اٹھانمیں صفحات پر مشتمل ہے ۔ اور سعودیہ سے شائع ہوا ہے، اس مقالہ کی تیاری جواب کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے، جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمہ کے فاضل اساتذہ کی زیر نگرانی ہوئی ہے ۔

اس پوری کتاب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آدھے ہی اہلسنت والجماعت تھے، اس لئے کہ ان کے بہت سے عقائد مبتدعانہ یعنی اہل بدعت کے تھے اور اس لئے کہ شیخ عبد القادر جیلانی پر تصوف کا بھی غلبہ تھا جو ساری برائیوں کی اصل اور جڑ ہے، شیخ عبد القادر جیلانی بس انھیں عقائد میں مسلمان تھے جن کی موافقت شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ہوتی ہے اور جہاں جہاں وہ ابن تیمیہ کے عقیدے سے باہر ہوئے ان کی سلفیت لنگڑی لولی ثابت ہوئی اور ان کا اسلام ناقص اور نامکمل ۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے ۔

ولما كانت العصمة للانبياء فقط، وغيرهم معرض للخطاء والزلل فقد وقع الشيخ عبد الجيلاني في كثير من البدع العملية التي سوف نوردها ونتحدث عنها بالتفصيل (ص۴۳٦)

یعنی چونکہ عصمت صرف انبیاء ہی کے لئے ہے، انبیاء کے علاوہ سب ہی خطا اور لغزش کا شکار ہوتے ہیں اس وجہ سے شیخ عبدالقادر جیلانی بھی بہت سی عملی بدعتوں میں پڑ گئے تھے جس کا بیان ہم تفصیل سے کریں گے۔

اور اس کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان بہت سی عملی بدعتوں کا بیان بہت تفصیل سے کرکے ان کا بدعتی ہونا ثابت کیا ہے اس طرح بہت چالاکی سے اولیاء اللہ کا نام لے کر ان کو گمراہ بتلایا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ وکل بدعة ضلالة یعنی ہر بدعت گمراہی ہے جب ہر بدعت حدیث شریف کی رو سے گمراہی ہے تو بہت سی بدعتوں کا مرتکب گمراہ کیوں نہیں ہوگا، اس طرح جس کی ولایت مسلم تھی اور جو ولی کامل تھا ان پی ایچ ڈیوں کی تحقیق میں معاذ اللہ بدعتی اور گمراہ قرار پا رہا ہے۔

اور ان پی ایچ ڈی صاحب کے نزدیک شیخ جیلانی کی پہلی بدعت یہ ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز و مستحب ہے۔ اللہ اکبر، جو عمل ساری امت کے نزدیک مبارک ترین عمل ہے وہ ہی عمل ان سلفیوں اور غیر مقلدین کے نزدیک حرام اور بدعت ہے۔

ان غیر مقلدوں کے علمی افلاس کا عالم یہ ہے کہ وہ قبر مبارک کی زیارت کے لئے اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔ لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر کرنا صرف تین مسجدوں کا جائز ہے، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی، اسی کا نام ہے مار و گھٹنا پھوٹے سر، حدیث میں مساجد کا ذکر ہے، اور غیر مقلدین اس سے قبر مبارک کی زیارت کی حرمت ثابت کرتے ہیں۔ اور ان غیر مقلدوں نے اپنی عقل کو طاق پر رکھ کر یہ بات محض ابن تیمیہ کی تقلید میں کہتے ہیں۔ چنانچہ ان پی ایچ ڈی صاحب نے بھی ابن تیمیہ ہی کے استدلال کو اپنی دلیل

بتایا ہے۔ حالانکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی علمی جلالت کا اعتراف کرتے ہوئے بلاشک و شبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ ابن تیمیہ کا ایسا تفرد ہے کہ ابن تیمیہ کو اس سے توبہ کرلینی چاہئے تھی۔ اور اللہ سے استغفار کرنا چاہئے تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

وهي من ابشع المسائل المنقولة عن ابن تيمية ومن جملة ما استدل به على دفع ما ادعاه غيره من الاجماع على مشروعية زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم ۔

یعنی ابن تیمیہ سے جو خراب قسم کے مسئلے منقول ہیں ان میں ان کا یہ بدترین مسئلہ ہے۔ ابن تیمیہ کے استدلال کے باطل ہونے پر جو دوسروں کی دلیل ہے وہ یہ ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کے مشروع ہونے پر اجماع ہے ۔

پھر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :

فانها من افضل الاعمال واجل القربات الموصلة الى ذى الجلال وان مشروعيتها محل اجماع بلا نزاع ۔

(فتح الباری ص ۶۶ ج ۳)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت افضل اعمال میں سے ہے اور ان عبادتوں میں سے ہے جو اللہ ذو الجلال کی طرف پہونچانے والی ہے۔ اور اس کا مشروع ہونا بلا کسی اختلاف کے امت کا اجماعی فیصلہ ہے ۔

اور ابن تیمیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان کی تقلید میں سارے غیر مقلدین اس حدیث کی رٹ لگائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو حرام بتلاتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب حافظ ابن حجر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

لا تشد الرحال الى مسجد للصلوٰة فيه الا الى الثلاثة،

فيبطل بذلك قول من منع شد الرحال الى زيارة القبر الشريف

وغیرہ من قبور الصالحین ۔ (ایضاً)

یعنی حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے سفر کرنا جائز نہیں ہے ۔ اس مطلب کی بنا پر ان کا قول باطل ہو جاتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف یا کسی دوسرے صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنے سے منع کرتے ہیں ۔

پھر امام سبکی سے بھی ان لوگوں کی تردید نقل کیا ہے جو قبر شریف یا کسی اور اللہ والے کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں ۔

اس وقت میرا یہ موضوع نہیں ہے ۔ انشاء اللہ کسی اور موقع سے اس بارے میں ایک تفصیلی تحریر شائع کروں گا ۔ مجھے تو بتلانا یہ تھا کہ آج کل کے غیر مقلدین کے نزدیک شیخ عبد القادر جیلانی جیسا ولی کامل بھی بدعتی ہی قرار پاتا ہے ۔ یہ ان گمراہوں کی گمراہی کی انتہا ہے کہ ان کا قلم اور ان کی زبان کیسے کیسے لوگوں کے بارے میں کھل چکی ہے ۔

شیخ عبد القادر جیلانی کی دوسری بدعت یہ بتلائی ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ آنحضور کی قبر کے پاس دعا کرنی اور استغفار کرنا درست ہے (ص۴۱)

شیخ عبد القادر جیلانی کی تیسری بدعت یہ بتلائی ہے کہ وہ اس کے قائل تھے کہ آنحضور کے حق کے ساتھ دعا کی جائے ۔

شیخ کی چوتھی بدعت یہ بتلائی ہے کہ وہ اس کے قائل تھے کہ آنحضور پر سلام پڑھتے ہوئے آپ کی قبر کی طرف رخ ہو ۔

شیخ کی پانچویں بدعت یہ بتلائی ہے کہ وہ اس کے قائل تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس اپنے لئے دعا کرتے ہوئے قبر کی طرف دعا کرنے والے کا رخ ہو ۔

شیخ کی چھٹی بدعت یہ بتلائی ہے کہ شیخ اس کے قائل تھے کہ اس طرح دعا کی جائے اَللّٰھم انی اسئلك بجاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

شیخ کی ساتویں بدعت یہ بتلائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کو چھو کر اس سے برکت

حاصل کی جائے ۔

اور پھر ان پر تفصیلی کلام کرکے یہ دکھلایا ہے کہ یہ سارے امور شرعًا ناجائز و حرام ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مسلک و مذہب اور ان کے عقیدہ کے خلاف ہیں، یہ بحث چار پانچ صفحات میں گھری ہے ۔

رجب کے مہینہ میں کچھ عبادت کے قائل شیخ جیلانی تھے ان کی کتاب غنیہ میں اس کا ذکر ہے یہ قول بھی ان کے بدعتی ہونے کی ایک وجہ ہے ۔

شیخ جیلانی کے بدعتی ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ذکر کی ہے کہ وہ ہفتہ کے بعض ایام میں بعض خاص نمازوں کے قائل تھے ۔

شیخ جیلانی کے بدعتی ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ذکر کی ہے کہ وہ یوم عاشوراء میں بعض عبادات کے قائل تھے ۔

شیخ جیلانی کے بدعتی ہونے کی وجہ ایک یہ بھی بتلائی ہے کہ وہ نصف شعبان کی رات کچھ عبادات کے قائل تھے ۔

شیخ جیلانی کے بدعتی ہونے کی ایک دلیل ان پی ایچ ڈی صاحب کے نزدیک یہ بھی ہے کہ شیخ جیلانی یوم عرفہ میں ظہر اور عصر کے درمیان نماز پڑھنے کے قائل تھے، اور بحث کے آخر میں یہ ارشاد ہوتا ہے ۔

وفی الختام و نحن امام هذا القدر الكبير من البدع العملية التی وقع فيها الشيخ الجيلانی ومعها فی مؤلفه لا يسعنا الا ان ندعو له بالمغفرة والعفو (ص ۴۷۶)

یعنی آخر میں ۔ جب کہ ہمارے سامنے شیخ عبد القادر جیلانی کی بدعتیں اس قدر زیادہ ہیں جن میں وہ پڑے ہوئے تھے ۔ ہمارے بس میں صرف یہی ہے کہ ہم ان کے لئے دعاء مغفرت کریں ۔

اور اس طرح ان فقیر الی اللہ پی ایچ ڈی غیر مقلد سلفی صاحب نے شیخ عبد القادر جیلانی

کے مبتدع اور بدعتی ہونے پر ٹھپہ لگا دیا، اب کون مسلمان ہوگا جو ایسے بدعتی شیخ جیلانی کو اللہ کا ولی شمار کرے۔

اس کتاب میں "الفقیر الی اللہ" پی ایچ ڈی صاحب نے تصوف پر خاصا کلام کیا ہے، اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیت پر کافی لمبی بحث کی ہے۔ اور پھر ایک جگہ بڑے تعجب کے لہجہ میں فرماتے ہیں:

لکنني حينما اقارن بين ما سبق دراسته من ارائه الاعتقادية والتي تطابق تماما مع عقيدة السلف من اهل السنة والجماعة وبين اتجاهه الصوفي اقع في شئ من الحيرة اذ لماذا لم يسلك رحمه الله مسالك العلماء من اهل السنة والجماعة في زمانه والذين قاموا بالدعوة الى الله وخدمة دينه بتعليم الناس وتحذيرهم عن الشر دون الحاجة الى تاسيس مثل هذه الطريقة (ص۶۲۷)

یعنی جب میں ان کے اعتقادات کو دیکھتا ہوں جو پورے کے پورے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہیں اور پھر میں ان کا مقابلہ ان کے صوفیانہ نظریہ ونحو سے کرتا ہوں تو میں بڑی حیرت میں پڑجاتا ہوں کہ شیخ نے اپنے زمانہ کے علماء اہل سنت والجماعۃ علماء کا راستہ کیوں نہیں اختیار کیا، جن علماء اہل سنت نے دعوت الی اللہ کا کام کیا تھا، اور لوگوں کو تعلیم دے کر اور شر سے ڈرا کر دین کی خدمت کا فریضہ ادا کیا تھا، علماء اہل سنت کے ان کاموں کو چھوڑ کر شیخ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ (تصوف کا) یہ طریقہ رائج کریں۔

اگر آپ اس بھولی بھالی سلفی عبارت میں غور کریں گے تو اس نتیجہ پر فوراً ہی پہنچ جائیں گے کہ

(۱) شیخ کا طریقہ تصوف اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف تھا۔

(۲) شیخ کے صوفیانہ خیالات اہل سنت والجماعت کے خیالات سے الگ تھے۔

(۳) شیخ نے دین کا کوئی کام نہیں کیا۔

(۴) شیخ نے علماء اہل سنت کی طرح دین کی دعوت نہیں دی ۔

(۵) شیخ نے لوگوں کو شر سے نہیں روکا ۔

اور اس بحث کے اخیر میں چل کر تو صاف صاف بالکل سلفیانہ طمطراق کے ساتھ لکھا کہ قادریہ طریقہ کے دو جانب ہیں، اور دوسرا جانب جو اس طریقہ کا ہے وہ یہ ہے ۔

"جانب عملی تظہر علیہ ملامح الابتداع والانحراف عن الکتاب والسنۃ" (ص۶۳۸)

یعنی اس طریقہ قادریہ کا یہ دوسرا رخ جو عملی ہے اس میں بدعت اور کتاب وسنت سے انحراف کے آثار بالکل ظاہر ہیں ۔

اس فیصلہ کے بعد اب شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عملاً بدعتی ہونے میں کیا شک وشبہ رہ جاتا ہے ۔ اور ایسے بدعتی کو ولی کامل شمار کیا جائے یہ جنون نہیں تو اور کیا ہے ؟

پھر ان فقیر الی اللہ سلفی پی ایچ ڈی صاحب نے ص۶۴۴ سے لے کر اس کتاب کے ص۶۵۹ تک، شیخ کے اس دوسرے رخ پر خوب خوب بحث کر کے ان کے بدعتی ہونے پر آخری کیل ٹھونک دی ہے ۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

ناظرین کرام مجھے ان فقیر الی اللہ پی ایچ ڈی صاحب کے اس پی ایچ ڈیانہ کتاب پر اس وقت کچھ زیادہ گفتگو نہیں کرنی ہے، یہ مختصر سی تحریر محض یہ دکھلانے کیلئے زیب قرطاس کردی گئی ہے کہ آپ اندازہ لگالیں کہ آج کی سلفیت کے بہاؤ کا رخ کیا ہے، اور اس کی زد میں کیسے کیسے اللہ والے آرہے ہیں ۔

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

فقہائے کرام کے اقوال کی بنیاد کتاب وسنت پر ہوا کرتی ہے

غیر مقلدین حضرات جب دلائل کے میدان میں مات کھاچکے ہیں تو انھوں نے مقلدین عوام کو ورغلانے اور اسلاف سے بدگمان و بیزار کرنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے وہ چند سوالات ترتیب دیتے ہیں، اور اس کو اشتہار کی شکل میں عوام میں پھیلاتے ہیں اور ان کا جواب عوام سے مانگتے ہیں، اس طرح کے کئی سوالاتی اشتہار ہماری نظر سے گذرے ہیں، غیر مقلدین کا عوام سے ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں جب ائمہ و فقہاء کے مختلف اقوال ہیں تو سب کیسے حق ہوں گے؟ اس سوال کی ان کے نزدیک اتنی اہمیت ہے کہ مجھے تمام اشتہاراتی سوالات میں یہ سوال ضرور نظر آیا، اس سوال کا مقصد عوام کو اسلاف سے بدظن و بدگمان کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اگر تحقیق حق منظور ہوتی تو کسی معتبر و مستند عالم سے رجوع کر کے اس کا جواب معلوم کیا جا سکتا تھا، مگر جب عوام میں دین و مذہب کے خلاف اشتعال پیدا کرنا ہی مقصد ہو تو یہ سنجیدہ طریقہ غیر مقلدین کیوں اختیار کرتے۔

درج ذیل سطور میں ہم اس سوال کا جواب دیں گے، ہم قارئین سے گذارش کریں گے کہ ہماری ان سطور کو وہ سنجیدگی اور غور و فکر سے پڑھیں ان شاء اللہ اس سوال کا کافی و شافی جواب ان کو ملے گا۔

اس سلسلہ کی پہلی گذارش تو یہ ہے کہ جس طرح غیر مقلدین یہ سوال فقہی مسائل کے بارے میں کرتے ہیں اور اس کو اسلاف کی شان میں بدظنی و بدگمانی کا ذریعہ بناتے ہیں اور عوام کو فقہائے امت و ائمہ دین کے خلاف ورغلاتے ہیں، بالکل یہی کام منکرین سنت احادیث کے بارے میں کرتے ہیں، اور اس قسم کے سوال کو محدثین کے خلاف عوام کو مشتعل کرنے اور ان سے بدظن کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں، منکرین سنت عوام سے کہتے ہیں کہ احادیث پر عمل کیسے ممکن ہے جب کہ ایک ہی حدیث کو ایک محدث صحیح قرار دیتا ہے اور دوسرا ضعیف ایک راوی کے بارے میں کسی محدث کی اچھی رائے ہوتی ہے اور وہ اس کی حدیث کو قبول کرتا ہے جب کہ وہی راوی دوسرے محدثین کے یہاں ضعیف ہوتا ہے اور اس کی روایت ان کے یہاں مردود ہوتی ہے۔

عوام بیچارے اس طرح کے سوالات سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہوتے ہیں اور اگر خدا کا فضل نہ ہو تو منکرین سنت کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور محدثین کے بارے میں بدعقیدہ اور احادیث کے منکر ہوجاتے ہیں۔

غیر مقلدین نے عوام مسلمین کو فقہ اور فقہاء سے بدظن کرنے کا منکرین سنت والا یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس طرح منکرین سنت کے حدیث کے بارے میں سوالات اور شکوک محض شیطانی فریب ہے، غیر مقلدین کا بھی یہ عمل فقہ اور فقہاء کے بارے میں شیطانی عمل اور فریب ہے۔

محدثین و فقہاء اور فقہ و سنت کے بارے میں اہل سنت والجماعت میں کبھی اس قسم کے شکوک و سوالات پیدا نہیں کئے گئے یہ اس دور ضلالت کی ایجاد ہے، فقہاء کے مابین جو اختلافات ہوتے ہیں ان کی بنیاد کتاب و سنت ہی پر ہوتی ہے ہر فقیہ و مجتہد کے پاس کتاب و سنت سے دلائل ہوتے ہیں، اور جب کوئی بات کتاب و سنت کی روشنی میں کہی جائے گی تو وہ حق ہی ہوگی اس کے ناحق ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، ناحق وہ بات کہلاتی ہے جو کتاب و سنت کے معارض و مخالف ہو، اور جس کی بنیاد خواہشات

نفسانی پر ہو، مندرجہ ذیل مسئلہ میں دیکھئے کہ فقہاء و محدثین کے اقوال الگ الگ ہونے کے باوجود بھی ہر ایک کا قول کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے مؤید ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکا ہو اور پھر وہ کسی مسجد میں آتا ہے جہاں نماز ہو رہی ہو تو وہ کیا کرے، آیا وہ نماز میں شریک ہو جائے یا شریک نہ ہو،

اس بارے میں مؤطا امام مالک اور نسائی میں یہ حدیث ہے۔

حضرت محجن رضی اللہ عنہ کے لڑکے بشر بن محجن فرماتے ہیں کہ ان کے والد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ نماز کے لئے اذان کہی گئی، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور حضرت محجن نماز میں شریک نہیں ہوئے، نماز سے فراغت کے بعد آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ تو حضرت محجن نے جواب میں فرمایا کہ میں گھر سے نماز پڑھ کر آیا ہوں، تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسجد میں آؤ تو لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ، اگرچہ تم نماز پڑھ چکے ہو۔

اس حدیث کی روشنی میں مسئلہ مذکورہ میں فقہاء کے جو اختلافات ہیں اب آپ ان پر نظر فرمائیے اور ان کے دلائل دیکھئے۔

(۱) اگرچہ یہ حدیث مطلق ہے مگر جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو گھر میں تنہا نماز پڑھ کر کے آیا ہو، اور جس نے نماز باجماعت ادا کر لی ہو، اس کیلئے یہ حکم نہیں ہے، اس لئے کہ وہ جماعت کی فضیلت حاصل کر چکا ہے، ان حضرات کے پیش نظر آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے لا تعاد صلوٰۃ فی یوم مرتین، یعنی ایک نماز کو دو مرتبہ نہیں پڑھا جائے گا، یعنی اگر کسی نے ایک دفعہ نماز باجماعت ادا کر لی ہے تو وہ اس نماز کو دوبارہ جماعت سے نہیں پڑھے گا۔

فقہائے امت میں سے اس کے قائل امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور ان ائمہ کرام کے اصحاب و تلامذہ ہیں۔

صحابہ کرام میں سے یہی مسلک حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام سلیمان فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے پاس آیا اور دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور حضرت ابن عمران کیساتھ شریک نہیں ہیں تو میں نے ان سے پوچھا آپ ان کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے، تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ایک نماز کو دوبارہ مت پڑھا کرو، یہ روایت ابوداؤد، نسائی اور احادیث کی متعدد دوسری کتابوں میں ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اوپر والی حدیث حضرت محجن والی مطلق تھی مگر جمہور فقہاء نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے، مگر ان کا جو قول ہے وہ بھی حدیث کی روشنی ہی میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی وہی ہے جو جمہور فقہاء کا ہے۔

(۲) اس مسئلہ میں حضرت امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کا قول یہ ہے کہ جو شخص نماز باجماعت ادا کر چکا ہو پھر کسی مسجد میں وہ جائے جہاں جماعت ہو رہی ہو تو اس کے لئے اس جماعت والی نماز میں شریک ہونا جائز ہے۔

ان حضرات کے سامنے حضرت محجن رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ مگر انھوں نے اس حدیث میں آپ کا جو فرمان یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ اس سے وجوب اور تاکید مراد نہیں لیا ہے، بلکہ صرف جواز مراد لیا ہے البتہ حالتِ اقامت میں مسجد سے باہر نکلنا اور نماز نہ پڑھنا یہ ان ائمہ کرام کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص تکبیر کہی جارہی تھی اور وہ بلا نماز پڑھے مسجد سے باہر چلا گیا تو آپ نے فرمایا اس شخص نے رسول اللہ کی نافرمانی کی، مسلم، احمد، ابوداؤد وغیرہ متعدد کتابوں میں یہ روایت ہے۔

(۳) اس مسئلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت انس بن مالک، وصلہ بن زفر، امام شعبی، امام نخعی کا قول یہ ہے، اگر کسی نے جماعت کے ساتھ

بھی نماز پڑھ لی ہو اور پھر وہ ایسی مسجد میں آیا ہو کہ وہاں جماعت ہو رہی ہو تو اس کو دوبارہ نماز جماعت سے پڑھ لینی چاہیئے۔

ان حضرات نے حضرت محجن والی روایت کو مطلق سمجھ کر یہ قول اختیار کیا ہے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ ایک ہی مسئلہ میں صحابہ کرام، ائمہ دین و فقہاء و محدثین کے مختلف اقوال ہیں اور ہر ایک قول کی بنیاد احادیث رسول ہی ہیں، اسلئے کسی ایک قول کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں قول حق ہے اور فلاں قول حق نہیں ہے، جب یہ سارے اقوال احادیث رسول اور صحابہ کرام کی اتباع و تقلید ہی میں اختیار کئے گئے ہیں تو سارے اقوال ہی حق شمار ہوں گے، ان میں سے کوئی قول بھی کوئی اختیار کرے گا وہ اہل حق ہی شمار ہوگا، اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ مذاہب اربعہ تمام کے تمام حق ہیں، اسلئے کہ تمام ہی مذاہب کی بنیاد کتاب و سنت اور اقوال صحابہ پر ہے۔

ائمہ دین کے کسی مسئلہ میں مختلف اقوال دیکھ کر عوام کو ورغلانا اور ان کو دین و مذہب اور اسلاف سے بدگمان و بدعقیدہ کرنا یہ ایسی شیطانی حرکت ہے جس سے ہزار بار اللہ سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ اگر حق اور ناحق ہونے کی بنیاد یہی چیز ہو تو پھر احادیث رسول بلکہ قرآن پاک کے بارے میں بھی آدمی کو شکوک و شبہات میں گمراہ اذہان و افکار کے لوگ مبتلا کر سکتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) مثلاً قرآن میں ہے۔ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ یعنی نمازوں کی پابندی کرو اور صلوٰۃ وسطیٰ کی پابندی کرو، اب صلوٰۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ حضرت زید بن ثابت حضرت ابو سعید خدری کا قول ہے کہ اس سے مراد ظہر کی نماز ہے، حضرت علی اور حضرت حفصہ اور بعض دیگر صحابہ و تابعین کا قول ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت انس بن مالک حضرت عبد اللہ بن عباس کی (ایک روایت میں) اور طاؤس، مجاہد عطاء کا قول ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اور حافظ ابن عبد البر

ہمارے دین و ایمان کی حفاظت و بقاء کا دار و مدار اس پر ہے کہ ہم اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہیں، اور انھیں کی تشریح و توضیح کی روشنی میں کتاب و سنت پر عمل کریں۔ (واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم) مزید تفصیل کے لئے حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید جلد چہارم ملاحظہ فرمائیے۔

فرماتے ہیں کہ پانچوں نمازوں میں سے ہر ایک نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے اس وجہ سے کہ ہر نماز سے پہلے اور بعد دو دو نماز ہے۔

قرآن پاک کی ایک آیت کے بارے میں ائمہ دین محدثین اور صحابہ کرام کے درمیان کتنے مختلف اقوال ہیں، اب کیا یہ مناسب ہے کہ ان مختلف اقوال کو بنیاد بنا کر قرآن پاک کی اس آیت کو مشکوک قرار دیا جائے، یا محدثین اور صحابہ کرام کے بارے میں بدظنی و بدعقیدگی پیدا کی جائے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے ابن عبدالبر کی التمہید جلد چہارم)

محمد اجمل مفتاحی

فاضل محمد اسلم بستوی

تحفظ سنت کانفرنس سے
غیر مقلدین کی حواس باختگی

البلاغ ممبئی کا ایک مجلہ ہے، نگران اعلیٰ اس کے مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ تعالیٰ ہیں جلد ۱۲ شمارہ ۱ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کا ایک کالم مختارات کا ہے اس میں پہلی سطر کی یہ سرخی ہے۔

"کار بلا فساد فی سبیل اللہ" دہلی میں تحفظ سنت کانفرنس منعقدہ ۲، ۳، مئی ۲۰۰۱ء باہتمام جمعیۃ علماء ہند کے بارے میں اپنے خاص سلفیانہ یعنی غیر مقلدانہ لب ولہجہ اور زبان وبیان میں ندوی صاحب نے اظہار خیال فرمایا ہے، جمعیۃ علماء ہند اور اس کی منعقد کردہ عظیم سنت کانفرنس میں ہزاروں علماء وخواص اہل سنت کو شر پسند ٹولہ بتلایا گیا ہے۔ ندوی صاحب کا ارشاد ہے ان کی جماعت یعنی غیر مقلدوں کی جماعت ایک مشہور مذہبی وقدیمی جماعت ہے اس کے خلاف مولانا اسعد صاحب نے جو بدقسمتی سے مولانا ہیں نفرت کی مہم پورے ملک میں چلادی ہے۔ ندوی صاحب کا یہ ارشاد بجا ہے مولانا اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کا یہ واقعی کارنامہ ہے کہ انھوں نے غیر مقلدوں کے خلاف مسلمانوں کو بیدار کر دیا ہے اس جماعت نے صحابہ کرام، اولیائے عظام، ائمہ فقہ وحدیث کے خلاف جو طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا ہے اس کو بہت دنوں تک نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ندوی صاحب کو اس وقت سانپ سونگھ گیا تھا جب "الدیوبندیہ" نامی گھناؤنی کتاب کو غیر مقلدوں نے وجود بخشا تھا۔ جس میں تمام اکابر دیوبند کو ان کی طرف

غلط عقائد منسوب کر کے کافر و مشرک اور زندیق بتایا گیا ہے۔ ندوی صاحب کو اس وقت بھی سانپ سونگھ گیا تھا جب تنویر الآفاق نامی کتاب جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہوئی جس میں صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کے خلاف وہ گل افشانیاں کی گئی ہیں جس کا تصور کسی اہل سنت والجماعت سے نہیں ہو سکتا۔ ندوی صاحب کو اس وقت بھی سانپ سونگھ گیا تھا جب خود ان کے شہر مئو سے "سخن زمہریر" نامی کتابچہ شائع ہوا جس میں ہندوستان کے سب سے باوقار اور علمی خاندان کے تمام افراد کو مشرک اور مبتدع قرار دیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان کے بارے میں غیر مقلدین اپنے اکابر کے برخلاف کیا کچھ بک رہے ہیں۔ کیا مختار ندوی صاحب اس سے جاہل ہیں۔

حضرت امام اعظمؒ اور فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدوں کے پرچہ میں کیا کچھ لکھا گیا ہے اور اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے کیا ندوی صاحب رتوندھی کے مریض ہیں، ان کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں، ان کو یہ پرچے اور اس کے گندے مضامین نظر نہیں آتے۔

اور اب جب عاجز آ کر اور بہت صبر کرنے کے بعد مولانا اسعد صاحب نے مسلمانوں کو غیر مقلدیت کے فتنہ سے آگاہ کرنے کا عزم کیا ہے تو ندوی صاحب اور ان کا پورا غیر مقلد ٹولہ بلبلا گیا ہے۔ زبان بے قابو ہو گئی ہے اور مولانا مدنی کی ذات پر براہ راست حملہ کیا جارہا ہے اور ان کے کردار پر انگلی مختار ندوی جیسے لوگ اٹھا رہے ہیں۔ جن کے بارے میں شہر ممبئی کا ہر شخص اتنا جانتا ہے کہ اگر اس کو بیان کرنا شروع کر دیا جائے تو مختار ندوی ممبئی کے علاوہ کسی اور شہر میں بھی منہ دکھلانے کے لائق نہیں رہیں گے۔

مولانا مختار ندوی اس پر پھولے نہیں سما رہے ہیں کہ غیر مقلدیت کی تعداد پہلے سے بڑھی ہے تو کیا قادیانیوں کی تعداد اور عیسائیوں کی تعداد پہلے سے گھٹی ہے؟

جاہلوں کو پیسے کا لالچ دے کر مسجدوں میں افطاریوں کا انتظام کر کے، غیر مقلدوں کی مسجد میں جو تراویح پڑھے گا اس کو روزانہ دس روپیہ ملے گا، اس قسم کا لالچ دے کر کچھ نے غیر مقلدیت اختیار کر لی ہے تو آپ خوش ہو رہے ہیں کہ آپ نے بڑا تیر مار لیا، کسی

سنجیدہ فکر سنجیدہ طبیعت اور صاحب دل کو غیر مقلد بنا کر کے دکھلاؤ تو ہم بھی تمہارا کلمہ پڑھ لیں۔

آپ کی یہ تحریکِ سلفیت اسلام کے حق میں کتنا زہر ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے دعوت اخبار مورخہ ۴ راگست ۲۰۰۰ء کا مضمون فہمی ہویدی کا پڑھ لیجئے اندازہ ہوگا کہ آپ کی سلفیت مسلمانوں پر اور اسلام پر کیا ستم ڈھا رہی ہے۔

روس کی مسلم آزاد مملکتوں میں سلفیوں کی پہونچ ہوگئی ہے اور ان کی سلفیت نے وہاں کے مسلمانوں میں ایسا انتشار پیدا کر دیا ہے کہ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگیا ہے جب یہ مملکتیں روس کا حصہ تھیں تو ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے ایک سلفی بھی نہیں گیا اور جب یہ مملکتیں آزاد ہوگئیں ہیں تو سعودیوں اور کویتیوں کی دولت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو سلفی بنانے کے لئے ایک خطرناک قسم کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔

مختار ندوی کو ان کی سلفیت مبارک ہو اس کا پھیلاؤ بھی مبارک ہو سعودیوں اور کویتیوں کی دولت بھی مبارک ہو۔ الحمد للہ جو سچا پکا مسلمان اہل سنت والجماعت ہے وہ غیر مقلدوں کو آج بھی گمراہ ہی سمجھتا ہے خواہ وہ اپنا نام سلفی رکھیں یا محمدی۔

مولانا اسعد مدنی نے جو غیر مقلدین اور ان نام کے سلفیوں کے خلاف نعرہ بزن بولا ہے ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور مولانا کو ان کے اس جرأتمندانہ اقدام پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے سایہ کو ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے آمین۔ مولانا اسعد مدنی جس مرد مجاہد کا نام ہے مختار ندوی جیسے لوگوں کی ہزار تلملاہٹ اور مولانا کی ذات پر ان کے ہزار ہا حملے اور ان کی اس طرح کی ہزار گندی تحریریں ان کے عزم و ارادہ پر قطعاً اثر انداز ہونے والی نہیں ہیں۔

محمد ابوبکر غازی پوری قسط ۲

بمبئی اور گجرات کا ایک سفر

بمبئی کی عظیم تحفظ سنت کانفرنس

جمعیۃ علماء دھلی کے زیر اہتمام دہلی میں جو تحفظ سنت کانفرنس ہوئی تھی
اس میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا بھی ایک مؤقر وفد شریک ہوا تھا جس میں بطور خاص جامعہ
کے مہتمم مولانا احمد بزرگ اور اس جامعہ کے فاضل استاذ مولانا مفتی محمود صاحب بھی تھے
مولانا احمد بزرگ میرے عزیز شاگرد ہیں اور مولانا مفتی محمود اگرچہ شاگرد نہیں ہیں مگر مجھ سے
نہایت عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے ہیں، ان دونوں حضرات نے اسی موقع پر
جامعہ اسلامیہ میں حاضر ہونے اور بطور خصوص رد غیر مقلدیت پر طلبہ کو خطاب کرنے اور اس
موضوع پر ان کو تقریری وتحریری میدان میں کام کرنے کی تربیت کیلئے دعوت دی تھی،
اور طے پایا تھا کہ جب آم کا موسم شباب پر ہو اس وقت یہ سفر ہوگا۔ جب یہ موسم آگیا تو غازی پور
ان حضرات کا فون آنا شروع ہوا کہ سفر کا پروگرام بنالیا جائے۔ مگر اس زمانہ میں مسلسل سفر
پر رہا اور یہ بھی اشارہ مل رہا تھا کہ بمبئی کی تحفظ سنت کانفرنس میں شرکت کرنی ہوگی۔
اس وجہ سے میں نے اپنے ان عزیزوں سے عرض کیا کہ بمبئی والا جب سفر ہوگا تو اسی موقع
سے ڈابھیل بھی حاضری ہو جائے گی۔ جب بمبئی کا سفر طے ہو گیا تو میں نے ان حضرات کو
اطلاع کردی اور یہ بھی تاکید کردی کہ پروگرام بہت لمبا نہ رکھا جائے اور میں بہر قیمت
۴ رجون کو واپس لوٹوں گا۔ بمبئی کا پروگرام جب ختم ہوا تو جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ۳۰ رمئی کو مزید

مجھے ایک دن رکنا ہوا تو گجرات کے پروگرام میں ایک روز کی مزید کمی ہوگئی۔ ۴ رجون کو میں نے ٹکٹ کے لئے کہہ دیا تھا، ان حضرات نے اس پر عمل بھی کیا اور اسی تاریخ میں واپسی کا ٹکٹ بھی بنوالیا تھا، تاپتی گنگا اکسپریس جس سے واپسی کا ٹکٹ تھا سورت سے بالکل صبح چھوٹتی ہے، اس وجہ سے ۴ رکا دن بھی قیام ڈابھیل کے پروگرام سے ساقط ہوگیا۔ اب لے دے کر صرف دو ڈھائی روز ہی گجرات اور ڈابھیل کے لئے بچ رہا تھا، جو بالکل ناکافی تھا۔ بہرحال میں انھیں ترددات میں گھرا ڈابھیل کے لئے بمبئی سے آٹھ بجے کے قریب سوراشٹر اکسپریس سے روانہ ہوا، سورت سے پہلے مرولی نام کا ایک اسٹیشن پڑتا ہے جہاں سے ڈابھیل بہت قریب ہے اسلئے یہیں اترنے کا پروگرام طے تھا، جس کی اطلاع ڈابھیل کر دی گئی تھی۔ ایک بجے کے قریب جب گاڑی اس اسٹیشن پر پہنچی تو دیکھا کہ عزیز گرامی مولانا احمد بزرگ مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور عزیزم مولانا مفتی محمود سلمہٗ دونوں حضرات میرے استقبال کیلئے حاضر ہیں، سلام ومصافحہ کے بعد ہم کار میں بیٹھ کر چلے، ابھی تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ مرولی ہی میں ایک مکان کے قریب گاڑی رکی، معلوم ہوا کہ اس مکان کے مکین سملک و ڈابھیل ہی کے کوئی صاحب ہیں اور جب انھیں پتہ چلا کہ میں مرولی اتروں گا تو انھوں نے باصرار مولانا احمد بزرگ اور مولانا مفتی محمود صاحب سے اجازت حاصل کی کہ دوپہر کا اس دن کا کھانا ان کے یہاں ہی ہوگا، چنانچہ یہی ہوا اور گجرات کے اس سفر میں پہلی ضیافت انھیں محمد یا احمد بھائی کی تھی (غالباً ان کا یہی نام تھا) کھانے سے فراغت کے بعد جلد ہی ہم لوگ ڈابھیل کے لئے روانہ ہوگئے، اس سے پہلے ہمارا جس عمارت میں قیام ہوتا تھا اس کے بجائے گاڑی مدرسہ کے گیٹ میں داخل ہوکر ایک نہایت شاندار عمارت کے سامنے کھڑی ہوئی، بتلایا گیا کہ یہ کتب خانہ کی عمارت ہے، اس عمارت کے اوپر ایک بہت وسیع ہال ہے، اور اس کے اوپر کئی کمروں کا نہایت شاندار اے سی سے مزین جدید مہمان خانہ ہے، اور اس دفعہ قیام اسی میں ہوگا۔ میں عمارت دیکھ کر خوش تو بہت ہوا مگر یہ سوچ کر کہ اتنی بلندی پر چڑھنا پاؤں کی تکلیف اور کمزوری کی وجہ سے میرے لئے بہت مشکل ہوگا، میں اندر سے بہت پریشان تھا کہ یہ حضرات مجھے لیکر آگے بڑھے اور

لفٹ کا دروازہ کھولا، تو سارا تردد رفع ہوا، ماشاء اللہ اس عمارت میں لفٹ سے آنے جانے کی بھی سہولت ہے۔ یہ پوری عمارت جس کی پہلی منزل میں جامعہ اسلامیہ کا نہایت شاندار کتب خانہ ہے اور پر وسیع ہال ہے جس میں طلبہ سالانہ و ششماہی امتحان کے لئے بیٹھتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر یہ قاعۃ المحاضرات (لکچر ہال) کا کام بھی دیتا ہے، اور اس کے اوپر ہر طرح کی آسائش اور راحت کی ضرورتوں اور چیزوں سے مزین شاندار مہمان خانہ یا دار الضیوف ہے۔ یہ شاندار عمارت عزیزم مولانا حافظ احمد بزرگ سلمہ کے دور اہتمام کی یادگار ہے اور ان کی انتظامی و اہتمامی صلاحیتوں کو بتلانے والی ہے، چونکہ اس تحریر میں عزیزم مولانا احمد سلمہ اور عزیزم مولانا مفتی محمود سلمہ کا ذکر بار بار آئے گا اس وجہ سے مناسب ہے کہ پہلے ان دونوں حضرات کا ذرا تفصیل سے کچھ ضروری تعارف قارئین زمزم سے کرادیا جائے۔

مولانا حافظ احمد بزرگ سلمہ موجودہ جامعہ اسلامیہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ کے بڑے صاحبزادے ہیں، یہ میرے بہت عزیز شاگرد ہیں جامعہ اسلامیہ میں سب سے طویل میری تدریسی زندگی گزری ہے، اس زمانہ میں جن طلبہ کو مجھ سے خصوصی لگاؤ اور تعلق رہا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہیں، بہت نیک بہت صالح متین، سنجیدہ کم بولنے والے کم ہنسنے والے زیادہ تر مسکرا کر کام چلا لیتے ہیں، جامعہ اسلامیہ سے فارغ ہیں، حافظ وقاری بھی ہیں، حضرت مفتی محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے سلسلۂ بیعت قائم ہے، بلکہ ان کے مجاز بھی ہیں، حضرت مولانا محمد سعید صاحب کے اخیر زمانہ اہتمام میں نائب مہتمم بھی تھے۔ اور والد صاحب کی تربیت میں رہ کر عہدہ اہتمام کی ذمہ داریوں سے گزرنے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہیں، مولانا محمد سعید صاحب کے انتقال کے بعد جامعہ کی مجلس شوریٰ نے ان کی جگہ ان کو منصب اہتمام پر بٹھلا دیا اور پھر ان کی اہتمامی صلاحیتوں کو دیکھ کر تا زندگی کے لئے مستقل مہتمم رہنے کی تجویز پاس کردی، الحمدللہ بالکل اپنے والد کے نقش قدم پر کام کر رہے ہیں، امانت و دیانت، ذمہ داری کا احساس، تواضع و

وانکسارللھدیت وخشیت، مہمان نوازی وبے تکلفی ان تمام صفات سے متصف ہیں،
میرے ساتھ جوان کا دیرینہ تعلق تھا میں دیکھتا ہوں کہ اس میں مزید اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے
ان کے چھوٹے بھائی عزیزم حافظ قاری عبدالرحمٰن سلمۂ ہیں یہ بھی اپنے برادر بزرگ
کا مثنیٰ ہیں، متانت وسنجیدگی، مہمان نوازی اور کرم نوازی دونوں بھائیوں کی مشترکہ
صفت ہے۔

مولانا احمد سعید بزرگ سلمہ کے مختصر دور اہتمام میں ماشاء اللہ جامعہ میں بہت سی ترقیات
دیکھی جا رہی ہیں، طلبہ کی تعداد بھی کافی بڑھی ہے، عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی جاری ہے
اور شعبہ جات میں بھی خاصہ اضافہ ہوا ہے، اور فرق باطلہ کا مستقل شعبہ انھیں کے دور اہتمام
کی یادگار ہے، "ادارہ فلاح المسلین جو قومی وملی خدمات کے سلسلہ کا ایک نہایت فعّال
اور متحرک ادارہ ہے اس کے صدر ہیں، اگر کسی مدرسہ اور جامعہ کے مہتمم اور ناظم سے اساتذہ
وطلبہ خوش ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہتمم اور ناظم بہت کامیاب ہے، الحمدللہ
یہ بات عزیزم مولانا احمد صاحب کو حاصل ہے، جامعہ کے تمام اساتذہ، طلبہ اور دوسرے
ملازمین ان کے دور اہتمام میں نہایت امن وسکون کے ساتھ اپنی اپنی ذمہ داریوں میں
لگے ہوئے ہیں اور کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دور اہتمام
میں اس جامعہ کو مزید ترقی واستحکام بخشیں گے۔

اب رہے عزیز گرامی مولانا مفتی محمود ابراہیم حافظ جی سلمہٗ، تو یہ جامعہ اسلامیہ
ڈابھیل سے فارغ ہیں، اصل وطن ان کا بارڈولی ہے، ان کے والد کا نام مولانا سلیمان صاحب
ہے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے شاگردوں میں سے ہیں، نہایت نیک
وصالح، قومی وملی درد رکھنے والے بزرگ ہیں، باپ کا صلاح وتقویٰ بیٹے میں بھی منتقل ہو کر
آ گیا ہے، میرا خیال ہے کہ جامعہ اسلامیہ کے فضلاء میں (جو ادھر چند سالوں میں فارغ ہوئے
ہیں) مفتی محمود جیسی متنوع صلاحیتوں کا کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے، جامعہ اسلامیہ میں عربی
کے مدرس ہیں، اور بہترین مقرر ہیں، مجھے ایک سفر میں ان کی تقریر کا کیسٹ سننے کا اتفاق ہوا۔

میں نے ان کی کبھی تقریر نہیں سنی تھی، یہ پہلا اتفاق تھا کہ میں ان کی ایک باقاعدہ تقریر سن رہا تھا، فصاحت و بلاغت اور جوش و خروش سے بھرپور خالص اردو لب و لہجہ میں وہ تقریر کر رہے تھے، گجرات کے زلزلہ کے سلسلہ کی تقریر تھی، وہاں کی تباہی کا نقشہ کچھ اس طرح پیش کر رہے تھے کہ گویا سامعین کھلے آنکھوں ان تباہیوں کو دیکھ رہے ہیں اور تقریر کے بعد انھوں نے تبلیغی انداز والی جو پرسوز اور پر درد لب و لہجہ میں طویل دعا مانگی تو مجھے یقین ہوا کہ ان کی دعا پر آمین کہنے کیلئے آسمان سے فرشتے زمین پر ضرور اترے ہوں گے۔

ادارہ فلاح دارین کے روح رواں ہیں، یہ ادارہ ان کی وجہ سے بہت فعال اور متحرک ہے، قومی و ملی کام کرنے کا بھی پختہ شعور اور بے پناہ جذبہ ہے، خدمتِ خلق کو وسیلۂ آخرت گمان کر نہایت اخلاص سے کام کر رہے ہیں، کچھ مزاج سیاسی بھی ہے، ہند و بیرون ہند میں ان کے مسلسل سفر بھی ہوتے رہتے ہیں اور یہ ہر جگہ اپنی ان متنوع صلاحیتوں کی وجہ سے مقبول و محبوب ہیں۔

میں بتلا چکا ہوں کہ یہ میرے باقاعدہ شاگرد نہیں ہیں مگر ان کو مجھ سے تعلق بالکل شاگردوں والا ہے۔ میں جب ڈابھیل جاتا ہوں تو یہ میری خدمت میں دل و جان سے لگے رہتے ہیں، ان کی خدمت سے بسا اوقات مجھے شرمندہ ہونا پڑتا ہے، گجرات کا یہ سحبان الہند اسقدر متواضع اور منکسر المزاج ہے کہ بلا تکلف میرا پاؤں دبانے لگتا ہے، اور یہ کام اپنے شاگردوں کے بیچ کرتا ہے اور اسے ذرا سا بھی حجاب اور تکلف نہیں ہوتا۔ من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ کا جیتا جاگتا مولانا مفتی محمود سلمہ کی شخصیت نمونہ ہے۔

رد قادیانیت کے موضوع پر ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور قادیانیوں سے ان کے کئی مناظرے بھی ہو چکے ہیں، اہل گجرات کو ان سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں، جو اپنی جگہ بالکل بجا ہے۔

ان دونوں حضرات کے اس مختصر سے اور نامکمل تعارف کے بعد اب پھر ہم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہونچنے کے وقت سے اپنا سلسلہ گفتگو جوڑتے ہیں۔

ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد عصر تک آرام کا موقع ملا، عصر کی نماز کے بعد جامعہ کے پررونق اور پربہار صحن میں جابیٹھے کچھ اساتذہ اور اونچی جماعت کے طلبہ بھی آگئے تھے، مولانا احمد سعید بزرگ اور مفتی محمود صاحب بھی تھے، اور طلبہ غیر مقلدیت کے سلسلہ میں سوال کرتے رہے میں اس کا جواب دیتا رہا، یہ سلسلہ مغرب تک چلتا رہا، مفتی محمود صاحب نے بتلایا کہ آج کا دن آپ کے خالص آرام کا رکھا گیا ہے، یہ ان حضرات کی ایک تھکے ہوئے مہمان کے ساتھ بڑی کرم فرمائی تھی۔ رات آرام سے گزری، اور پھر دوسرے روز سے طلبہ میں پروگرام کا سلسلہ شروع ہوا، جامعہ میں طلبہ اور اساتذہ کے بیچ چار پانچ پروگرام ہوئے موضوع وہی غیر مقلدیت تھا، اساتذہ اور طلبہ کے تاثرات سے معلوم ہوا کہ الحمدللہ ان کو فائدہ ہوا، ایک روز طلبہ کا عربی پروگرام تھا جس میں طلبہ نے عربی زبان میں غیر مقلدیت پر اچھی گفتگو کی۔ مجھ سے کہا گیا کہ تم کو اس جلسہ میں عربی میں تقریر کرنی ہے، جس زمانہ میں میں مدرس تھا اور پڑھایا کرتا تھا اس وقت عربی بولنے اور لکھنے کی اچھی مشق تھی جب سے تدریس کا سلسلہ ختم ہے، عربی لکھنے اور بولنے کی مشق و تمرن بھی جاتی رہی مفتی محمود سلمہٗ کو اپنی بات منوانے کا بہت اچھا اور پیارا ڈھنگ ہے، انھوں نے مجھے عربی تقریر کیلئے تیار کر ہی لیا، طلبہ کے پروگرام کے بعد میں نے اسی رد غیر مقلدیت کے موضوع پر بہت تکلف کے ساتھ تقریباً پون گھنٹہ خطاب کیا اور اپنی عربی دانی کی کچھ لاج رہ گئی۔

گجرات کا جب میرا سفر ہوتا ہے تو دو جگہ جانا میرے لئے ضروری ہوتا ہے، ایک تو بارڈولی جہاں میرے بہت ہی عزیز شاگرد مولانا زکی سلمہٗ رہتے ہیں، ان کا مجھ سے اور مجھ سے ان کا بہت ہی گہرا دیرینہ تعلق ہے، پڑھنے ہی کے زمانہ سے یہ میرے پاس کثرت سے آتے جاتے رہے اور سال میں اس وقت بھی میں دو ایک دفعہ ان کی دعوت پر ان کے گھر جاتا تھا، اس وقت سے آج تک مجھ سے ان کا تعلق باقی بلکہ اور گہرا ہو گیا ہے، ان کے گھر کے لوگ بھی مجھ سے بہت مانوس ہیں۔

بارڈولی میں مفتی محمود صاحب کے والد مولانا سلیمان صاحب بھی ہوتے ہیں ان سے بھی ملنے کی خواہش رہتی ہے، اور اس جگہ مفتی محمد ابراہیم عزیا بھی ہیں جو جامعہ فلاح دارین

گجرات کے فارغ ہیں۔ بارڈولی ہی میں پڑھاتے ہیں، علم کا اچھا ذوق ہے بہت خلیق متواضع عالم دین ہیں، سراپا شرافت و مروت ہیں، مجھ سے محبت اور عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں، ان سب سے ملنے کیلئے بارڈولی کا سفر میرے پروگرام میں شامل رہتا ہے۔

اور دوسری جگہ جہاں میری حاضری ضروری ہوتی ہے وہ بھروچ شہر کا تعلقہ جمبوسر ہے جہاں ہمارے بہت ہی عزیز دوست اور کرم فرما مولانا مفتی احمد دیولوی مدظلہ کا قیام رہتا ہے۔ ان سے ملاقات کے بغیر گجرات سے واپسی مشکل ہوتی ہے۔

مولانا مفتی احمد دیولوی سے میرا تعلق اس وقت سے ہے جب وہ ڈابھیل میں مدرس تھے اور میں بھی مدرس تھا، اس وقت سے لیکر آج تک تیس سال سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا، ہمارا تعلق قائم و باقی اور مستحکم ہے۔ مولانا احمد صاحب بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں، کامیاب مدرس اور مفتی تو ہیں ہی، اس کے سوا ان میں انتظامی صلاحیت بھی بہت ہے، ملی و سیاسی کاموں سے جڑے رہتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، جامعہ اسلامیہ میں عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد گجرات کے متعدد مدرسوں میں رہے، اور اب خود جمبوسر میں جامعہ علوم القرآن کے نام سے ایک بہت بڑے ادارہ کے ناظم اور مہتمم ہیں، اس کے بانی خود مولانا احمد دیولوی صاحب ہیں اور بہت تھوڑے سے عرصہ میں اس درسگاہ کو انھوں نے ایک جامعہ کی شکل دیدی ہے، بہت بڑی زمین پر یہ جامعہ قائم ہے اور دینی تعلیم کے علاوہ الگ سے انگریزی ہائی اسکول تک کی تعلیم کا بھی نظام ہے، کمپیوٹر سنٹر بھی ہے، مولانا احمد دیولہ صاحب بہت متحرک اور فعال اور مخلص شخصیت ہیں، عرصہ تک گجرات کی جمعیۃ علماء کے ناظم بھی رہے ہیں۔

اس جامعہ میں ہمارے کئی شاگرد مولانا اسماعیل، مولانا محمد دیولوی وغیرہ بھی ہیں یہاں کے کارگزار ناظم اور مہتمم مولانا اقبال صاحب بھی بہت پرخلوص شخص ہیں اور بہت زندہ دل بھی، ان سب سے ملاقات کے لئے اس جامعہ میں حاضری میرے لئے ضروری ہوتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مولانا مفتی احمد صاحب خود میرے گجرات پہنچنے کی اطلاع

پاکر گاڑی بھیج دیتے ہیں۔

اس دفعہ جب میں گجرات پہنچا تو ان سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا اسلئے مجھے خیال تھا کہ ان کو میرے گجرات کے سفر کا علم نہ ہوگا، میں ایک موقع پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم عزیزم مولانا احمد بزرگ سلمہ سے عرض کر رہا تھا کہ مجھے تھوڑی دیر کیلئے جمبوسر مولانا احمد دیولوی صاحب سے ملنے جانا ہے، ان کو کچھ تردد تھا وہ کہہ رہے تھے کہ طلبہ کا اصرار ہے کہ مولانا غازی پوری کا قیام اس جامعہ میں زیادہ سے زیادہ ہو ابھی ہم بات ہی کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی مولانا احمد بزرگ صاحب نے اٹھایا تو ادھر سے مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب کا فون تھا اور وہ میرے بارے میں معلوم کر رہے تھے، ان کو میرے ڈابھیل حاضر ہونے کی اطلاع مل چکی تھی، مولانا بزرگ نے فون مجھے تھما دیا، میں نے مولانا دیولوی سے عرض کیا کہ آپ کو الہام کب سے ہونے لگا ہے، ادھر سے جواب ملا کہ کیا تم میری ولایت کے قائل نہیں ہو، اس پر مزاح گفتگو کے بعد جمبوسر کا پروگرام قطعی طے پا گیا کہ ٹڑیاد کے پروگرام سے واپسی میں تھوڑی دیر کے لئے میں جمبوسر مولانا سے ملنے کیلئے حاضری دوں گا۔

ٹڑیاد بڑودہ اور احمد آباد کے درمیان ایک مرکزی مقام ہے، یہاں غیر مقلدین کی اچھی خاصی تعداد ہے، جہاں دو چار غیر مقلد ہوں وہاں فتنہ کا بازار گرم رہتا ہے تو اس جگہ کا کیا حال ہوگا جہاں ان کی اچھی خاصی بلکہ ہندوستان میں ان کی سب سے بڑی تعداد ہو، چنانچہ احناف کے خلاف ان حضرات کی سرگرمیاں تو عرصہ سے جاری تھیں ادھر اس میں کچھ مزید شدت پیدا ہوگئی تھی، جرجیس نامی غیر مقلد مقرر کی تقریر سے فضا اور بھی خراب ہوگئی تھی۔ جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داروں کو معلوم ہوا تو یہاں کے فضلاء وہاں پہنچے، مفتی ابوبکر پالنپوری اور مولانا عبدالرشید فریدی یہ حضرات اس موضوع پر بہت تیار ہیں، دونوں اچھے مقرر بھی ہیں، انھوں نے وہاں پہنچ کر صورت حال کا جائزہ لیا، تقریریں کیں، ان کی جدوجہد سے بگڑی ہوئی فضا میں کافی ٹھہراؤ پیدا ہوا، چونکہ میرا پروگرام ڈابھیل کا طے تھا اس وجہ سے مولانا مفتی محمود اور جامعہ اسلامیہ کے مہتمم صاحب نے میرا ایک روز کا پروگرام ٹڑیاد کا بھی بنایا تھا، اور اس کی اطلاع

ٹڑیادوالوں کو دے دی گئی تھی۔ وہاں کے پرجوش احناف نوجوانوں نے دو ایک روز میں پورے اطراف میں اس کا چرچا کر دیا اور بطورِ خصوص اطراف کے علماءِ کرام اور ائمہ مساجد کو مدعو کیا جس روز میں ٹڑیاد پہونچا تو اطراف وجوانب کے علماء کی ایک بڑی تعداد آچکی تھی۔ اور معلوم ہوا کہ شام تک اطراف وجوانب سے کثیر مجمع آئے گا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس اطراف میں عرصہ سے بارش نہیں ہورہی تھی ہم لوگوں کے پہنچنے کے بعد بڑی زور کی خوب بارش ہوئی، اس وجہ سے جلسہ مسجد میں کرنا پڑا، اور حاضرین کی جتنی تعداد متوقع تھی اتنی نہیں آسکی مگر پھر بھی پوری مسجد اور اس کا صحن اور اوپر کا سارا حصہ حاضرین سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ میری دو تقریریں ہوئیں، ایک علماء کے اجتماع میں ظہر بعد اور دوسری عوام کے مجمع میں بعد عشاء، الحمدللہ ان تقریروں کا اچھا اثر ہوا، چونکہ اب وقت میں تنگی پیدا ہوتی جارہی تھی اور مجھے ابھی بارڈولی اور گجرات کے زلزلہ سے متاثرہ علاقے بھج اور انجار وغیرہ کا بھی دورہ کرنا تھا۔ اس وجہ سے پروگرام یہ بنا تھا کہ ٹڑیاد اس تقریر کے بعد رات ہی میں جمبوسر کے لئے نکل پڑیں گے، مولانا احمد صاحب دیولوی نے اپنی گاڑی اور وہاں کے استاذ اور میرے شاگرد مولانا اسماعیل سارودی کو ٹڑیاد بھیج بھی دیا تھا، گاڑی میرے ساتھ تھی گاڑی کی ضرورت نہیں تھی۔ بہرحال ہم لوگ رات ہی میں تقریباً ایک بجے جمبوسر شہر کیلئے نکل پڑے۔ راستے میں بارش ہورہی تھی اس وجہ سے گاڑی کی رفتار متوسط تھی جب ہم جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے کمپاونڈ میں داخل ہوئے تو چار ساڑھے چار قبل فجر کا وقت تھا، مولانا احمد صاحب نے پہلے ہی سے بستر وغیرہ کا انتظام کر رکھا تھا۔ میرے رفقائے سفر تو سو گئے میں نے غسل کیا اور چائے پی اور پھر پندرہ بیس منٹ بستر پر کمر سیدھی کی کہ فجر کی اذان ہوگئی اور میں مسجد چلا گیا، فجر کی نماز کے بعد مولانا مفتی احمد صاحب سے ملاقات ہوئی، چہرہ پر وہی بشاشت مسکراہٹ بڑے شوق سے ملے اور شکوہ کیا کہ تم کو ہمارے یہاں کیلئے وقت کم ملتا ہے، مولانا کو بھی میرے رات بھر جاگنے کا احساس تھا اس وجہ سے انھوں نے مجھے چھوڑا کہ تم جاؤ آرام کرو، نو بجے تک کا وقت بھی مقرر کر دیا کہ اس سے

زیادہ آرام کرنا نہیں ہے، دس بجے طلبہ میں تمہارا خطاب ہوگا، نو بجے تک کا وقت میرے لئے بہت کافی تھا، الحمدللہ میں نے آرام کیا ضرورت سے فارغ ہوا پر تکلف ناشتہ کیا گیا اور پھر دس بجے سے گیارہ تک میرا خطاب ہوا، تقریر کے بعد میں فوراً روانہ ہونا چاہ رہا تھا مگر مولانا نے فرمایا کہ ڈابھیل سے فون آیا ہے کہ مولانا کو کھانا کھلاکر کے بھیجنا ہے۔

مولانا احمد صاحب دیولہ مجھ سے بہت بے تکلف ہیں اور ان کی بے تکلفی مجھے بھی بہت بھاتی ہے کہ آدمی میں اگر خلوص ہو محبت ہو تو اس کی ہر بات اچھی لگتی ہے۔ مولانا احمد دیولہ کی ہر ادا مجھے بھاتی ہے، اس لئے کہ ان کی ہر ادا سچائی اور خلوص کا مظہر ہوتی ہے، مولانا احمد دیولہ کا ایک زمانہ میں جمعیۃ علماء سے بڑا گہرا ربط تھا بلکہ صوبہ گجرات کی جمعیۃ کے وہ ناظم بھی تھے۔ ان کے زمانہ میں اس صوبہ کی جمعیت بہت فعال تھی۔ اس وقت کسی وجہ سے ان کا جمعیۃ سے پہلے والا تعلق نہیں باقی رہ گیا ہے، اور انھیں معلوم ہے کہ میرا تعلق صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مدنی دامت برکاتہم سے کیسا ہے، اس وجہ سے وہ مجھ سے چھیڑ چھاڑ بھی رکھتے ہیں۔ لیکن میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے مولانا احمد دیولوی صاحب کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اندرونی طور پر آج بھی وہ پکے جمعیتی ہیں، حضرت مولانا مدنی سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے ہیں، ان کو اپنا بزرگ سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا کا نام ان کی زبان پر ہمیشہ احترام کے ساتھ آتا ہے۔ جمعیۃ سے کسی وجہ سے ظاہری طور پر کچھ بعد پیدا ہو گیا ہے، مگر وہ آج بھی جمعیۃ کے تعلق سے ہر کام کرنے پر آمادہ ہیں، اور یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے، یہ انتہائی شرافت کی بات ہے، یہ جمعیۃ سے گہری وابستگی کی دلیل ہے۔

(جاری)

محمد ۱۰۱ جمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

مایوسوں کے لئے ایک نسخہ کیمیا

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی، صوفی زہیر سلفی حفظہ اللہ بہت غمزدہ اور رنجیدہ نظر آتے ہیں، کیا جماعت نے ان کا ماہانہ بند کر دیا ہے ؟

باپ ۔ نہیں بیٹا، اس کی وجہ دوسری ہے کچھ گھریلو حالات ہیں، بیچارے صوفی زہیر قابلِ رحم ہیں، اللہ ان کی پریشانی دور کرے ۔

بیٹا ۔ اباجی ذرا مجھے بھی تو ان کی پریشانی کا پتہ چلے، شاید اس کا کچھ حل سمجھ میں آ جائے ۔

باپ ۔ بیٹا، صوفی زہیر کی شادی کو دو سال ہو رہے ہیں مگر ابھی تک اپنی بیوی سے ہم بستر نہیں ہو سکے، میاں بیوی میں ناچاقی بڑھتی جا رہی ہے، بات خاندان میں پھیلتی جا رہی ہے کہ صوفی زہیر نامرد ہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی، اس کا مجرب علاج تو ہمارے نواب صاحب کی کتاب التعویذات میں صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے، نواب صاحب فرماتے ہیں کہ حکمائے ہند نے کہا ہے جب کتا کتی سے منعقد ہو جائے تو فوراً اس کی دم جڑ سے کاٹ کر چالیس دن تک زمین میں گاڑ دے پھر اس کو نکالے وہ ایک ہڈی کی طرح پر ہو گی اس کو ایک تاگے میں

باندھ کر کمرے لگانے سے انزال نہ ہوگا اور نہ تھکے گا اور نہ تعب پائے گا
اگرچہ مغرب سے صبح تک مشغول رہے۔

باپ۔ بیٹا، یہ نسخہ تو بڑا زوردار ہے، مگر اس کے لئے کتا اور کتیا کے پیچھے ہر وقت
لگا رہنا پڑے گا، اور یہ کام کچھ آسان نہیں ہے، صوفی زبیر یہ رفع یدین پر
رسالہ کی تالیف میں مشغول ہیں اگر انھیں اس نسخہ کا پتہ چل گیا تو وہ کتا اور کتیا
کے پیچھے پڑ جائیں گے اور رفع یدین والا قیمتی رسالہ رہ جائے گا۔

بیٹا۔ اباجی ہماری جماعت میں صبح وشام رفع یدین پر رسالہ کیوں لکھا جاتا ہے کہیں
دال میں کچھ کالا تو نہیں ہے ؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

بابا قل قل سلفی حفظہ اللہ اور کشفِ ارواح

بیٹا۔ اباجی۔

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ اباجی یہ کشف ارواح کیا ہوتا ہے ؟

باپ۔ بیٹا، یہ صوفیوں کا عمل ہے، یہ لوگ اسکے ذریعہ سے مردوں کے حالات کا
پتہ چلاتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں، جنت میں ہیں، یا دوزخ میں، ان کے حالات
اچھے ہیں یا خراب ان پر عالم برزخ میں کیا گزر رہی ہے۔

بیٹا۔ اباجی بابا قل قل سلفی حفظہ اللہ آج کل قبروں کا چکر لگاتے ہیں، محلہ میں شور ہے
کہ وہ کشف ارواح کر رہے ہیں، ان کا چہرہ تپا تپا دکھائی دیتا ہے۔

باپ۔ بیٹا، اس کام کے لئے قبروں کا چکر لگانا کچھ ضروری نہیں ہے گھر بیٹھے بھی یہ کام
ہو سکتا ہے۔

بیٹا۔ وہ کیسے اباجی ؟

باپ - ہمارے نواب صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التعویذات میں کشف ارواح کا ایک عمل مذکور ہے۔ وہ مجرب ہے، نواب صاحب فرماتے ہیں:

مشائخ قادریہ نے کہا ہے جو طریقہ کشف ارواح کا مجرب ہے وہ یہ ہے، ہمراہ خلوت ولباس پاک وخوشبو کے مصلے پر بیٹھ کر داہنی طرف سبوح کی ضرب لگائے اور بائیں طرف قدوس کی اور آسمان میں رب الملائکہ اور دل میں والروح کی۔ ص صوفی زعفرانی حفظہ اللہ نے یہ عمل کیا تھا تو ان کے خاندان کی ساری روحیں پرے کی پرے ان کے سامنے آموجود ہوئی تھیں۔

بیٹا - اباجی، کتاب التعویذات کا ایک نسخہ شیخ ابن باز کے پاس ہوتا تو وہ جھاڑ پھونک کو حرام اور شرک اور کشف ارواح کے عمل کو جاہلانہ اور مشرکانہ عمل نہ بتلاتے۔

باپ - بیٹا شیخ ابن باز کچھ دوسرے قسم کے سلفی تھے، ان کے فتوی کی رو سے تو ہم ہندوستان کے سارے سلفی واہلحدیث مشرک ہیں؟

بیٹا - اباجی، شیخ ابن باز کی طبیعت تو ٹھیک ٹھاک تھی نا؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

محدث دہلوی شیخ الکل فی الکل کی پارٹی اور پی ایچ ڈیوں اور البانیوں کی پارٹی

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا۔

بیٹا - اباجی آپ کون سی پارٹی میں ہیں، میاں جی والی یا اشاعۃ السنہ والی، رضاء اللہ مبارکپوری اور عبدالمعید والی میں؟

باپ - بیٹا ہم لوگ اہلحدیث ہیں، ہم نے ہمیشہ اپنے بڑوں کے سایہ میں اپنی زندگی گزاری ہے، یہ پارٹیوں کا کیا چکر ہے؟

بیٹا ۔ اباجی اب جماعتِ اہلحدیث دو پارٹی میں بٹ گئی ہے۔ میاں جی شیخ الکل اور
ان کے شاگردوں کی ایک پارٹی ہے، اور آج کل کے نوجوان البانیوں اور
ابن بازیوں کی ایک پارٹی ہے ۔

باپ ۔ بیٹا ہم تو تمہاری زبان سے بالکل نئی بات سن رہے ہیں، ان دونوں
پارٹیوں میں کیا فرق ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی بہت بڑا فرق ہے، ہمارے تمام بڑے جھاڑ پھونک دعا تعویذ تصوفا
اور صوفیانہ ذکرواوراد کے قائل تھے، کرامات کے ذریعہ تصرف فی الکائنات
کا عمل ان کے یہاں جاری تھا، پلک جھپکتے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کیا کرتے
تھے، کشف ارواح کا عمل ان میں عام تھا، قبروں پر مراقبہ کرنے کے لئے قبروں
کی زیارت کرنے کا ان کا معمول تھا، غیر اللہ سے مدد اور استعانت کو وہ جائز
سمجھتے تھے، اللہ کے سوا نبی پیر اور اولیاء کی مشکل کشائی کے قائل تھے، اور
اس طرح کے بہت سے عمل اور عقیدے ان کے یہاں پائے جاتے ہیں ۔

مگر یہ ہمارے البانیے وابن بازیے جو یعنی اشاعۃ السنہ دہلی والی پارٹی
ان سب کا انکار کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ ہمیں اپنے ان بڑوں سے کچھ لینا دینا
نہیں ہے نہ ان کی کتابوں کو ہم اپنی کتاب سمجھتے ہیں، ہماری پارٹی الگ ہے
صرف قرآن اور حدیث والی ۔

باپ ۔ بیٹا تم نے جو ہمارے بڑوں کے بارے میں کہا ہے کیا واقعی ان کا عمل وعقیدہ ایسا
ہی تھا ؟ تمہارے علم میں ان کی کوئی کرامت ہو تو بتلاؤ، ذرا ہم بھی اپنے بزرگوں
کی کرامت دیکھیں ۔

بیٹا ۔ اباجی اہلحدیث کی کرامات پر تو مستقل ایک رسالہ شائع ہوا ہے، زمزم پرچہ
میں ان کرامتوں کی اشاعت ہورہی ہے، ہمارے اہلحدیث اصحاب ذوق انھیں
کرامتوں کی وجہ سے زمزم پرچہ دھڑادھڑ خرید رہے ہیں، مولانا قاضی محمد سلمان

منصور پوری کا نام تو آپ نے سنا ہوگا اباجی ۔

باپ ۔ جی بیٹا یہ ہمارے بہت مشہور عالم ہیں سیرت النبی میں ان کی کتاب مشہور زمانہ ہے پکے سلفی عالم تھے، ساری زندگی اشاعۃ السنہ کرتے رہے، ان کے بارے میں جامعہ سلفیہ بنارس والی کتاب میں لکھا ہے من کبار السلفیین یعنی بہت بڑے سلفی عالم تھے ۔

بیٹا ۔ اباجی رسالہ کرامات اہلحدیث میں ان کی بہت سی کرامتیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے ان کی ایک کرامت یہ تھی، لکھا ہے :

صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خاں شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے تو انھوں نے سرہند جانے کیلئے قاضی جی کو اپنے ساتھ لے لیا ۔ حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لئے بیٹھے تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں کو آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو ان سے الگ ہو جانا چاہئے ۔ ابھی اپنے جی میں یہ خیال لے کر اٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ سلمان بیٹھو رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے، صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں ہے بلکہ بیداری کا ہے۔ ص ۸۹

اباجی آپ جھوم کیوں رہے ہیں ؟

باپ ۔ بیٹا مزا آگیا، مزا، شیخ جمن کہہ رہے تھے کہ ہمارے بزرگوں کو کرامت نہیں آتی ہے، میں نے ان سے کہا تھا کہ ضرور آتی رہی ہوگی گو ہمیں معلوم نہ ہو، آج اس زبردست کرامت کا پتہ چل گیا، اب میں شیخ جمن حفظہ اللہ کو اس سے آگاہ کردوں گا

بیٹا ۔ اباجی آپ نے یہ تو بتلایا نہیں کہ آپ ہماری دونوں پارٹیوں میں سے کون سی پارٹی میں ہیں ۔

باقی صفحہ ۳ پر

محمد اجمل مفتاحی

مکتوب کشمیر

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ۔ باعث تحریر یہ ہے کہ زمزم کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور آپ کی کتابیں بھی پڑھ چکا ہوں، اور مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں کہ آنجناب نے سلفیت اور غیر مقلدیت کا جس انداز میں تعاقب کیا ہے وہ محض توفیق الٰہی ہے، اس وقت سلفیت کے نام پر ہر جگہ ایک فتنہ برپا ہے، کشمیر کا ماحول بھی سلفیوں نے گندہ کر دیا ہے، کشمیر میں اولاً تو بدعات وخرافات بہت، علمائے دیوبند کی مساعی سے کچھ حالات بدل رہے تھے اور لوگ کتاب وسنت سے جڑ رہے تھے کہ چند سالوں سے سلفیوں نے علمائے اہل حق کے خلاف ایسا طوفان برپا کر رکھا ہے کہ جاہل عوام حیران وششدر ہیں کہ ہم کیا کریں اور کہاں جائیں، سلفیوں کی بات اگر کتاب وسنت تک محدود ہوتی تو بھی اس میں خیر تھا کہ کم ازکم بدعات وشرک میں جو مبتلا ہیں وہ اپنا رشتہ کتاب وسنت سے جوڑتے مگر ان کی تبلیغ یہ ہے کہ رفع یدین اور آمین بالجہر جو کرے وہ ہی پکا مومن خواہ اخلاق واعمال کے اعتبار سے وہ نہایت گھٹیا انسان ہو، نماز جیسی عبادت کو ان لوگوں نے مذاق بنا کر کے رکھ دیا ہے، کھلے سر نماز پڑھیں گے، لباس بھی ماشاءاللہ، سنت ونوافل کا اہتمام نہ نماز سے پہلے اور نہ نماز کے بعد، بس آئے اور دو تین چار رکعت فرض والی نماز پڑھی، زور سے آمین پکارا، رفع یدین کیا، نماز سے فارغ، نہ دعا نہ ذکر اور نہ نفل نہ سنت پہلے کے بیچارے جو اہلحدیث بچے کھچے رہ گئے ہیں ان میں تو نماز کا اہتمام بھی ہے، مگر یہ سلفی حضرات

معلوم نہیں یہ کون سا گروہ ہے، اور اس کا مقصد کیا ہے، صرف فتنہ یا کچھ اور، خدا جانے کیا ان کا مقصد ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ زمزم اپنی پوری توجہ فتنۂ غیر مقلدیت و سلفیت ہی پر مرکوز رکھے، اسلئے کہ اس وقت پورے ہندوستان میں زمزم کے سوا کوئی دوسرا پرچہ نہیں ہے جو اس محاذ پر اتنا جم کر کے کام کر رہا ہو، ماشاء اللہ، اللہ نے آپ کو زور قلم بھی دیا ہے اور علم بھی۔ اور آپ اس فتنہ کا کامیاب مقابلہ کر رہے ہیں، اگر آپ کی توجہ کسی اور محاذ کی طرف ہو گئی تو ذہن پراگندہ ہو جائے گا۔ اور جو کام آپ کر رہے ہیں اس میں رخنہ پڑے گا۔ زمزم میں شائع شدہ مضمون سے معلوم ہوا سمیناری فتنہ سے آگاہ کرنے کے لئے کچھ اور لوگ بھی ہیں، اس لئے میری گذارش ہے کہ آپ اس سمیناری جھمیلے میں نہ پڑیں، امید ہے کہ میری اس مخلصانہ گذارش پر آپ توجہ فرمائیں گے۔ ہم آپ کی صحت و عافیت کے لئے دعا گو ہیں۔ والسلام

غلام قادر میر

سری نگر۔ کشمیر

نوٹ:۔ اس مضمون کے اور بھی کچھ خطوط مدیر زمزم کے نام آئے ہیں۔ ان تمام خطوط کو شائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ زمزم کے صفحات محدود ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے مخلصانہ مشورہ سے ہمیں نوازا ہے۔ ہم نے اس خط اور ان جیسے دوسرے خطوط کا جواب محفوظ رکھا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ۱۰۱ جمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دو ماہی

دینی و علمی مجلہ

زمزم

جلد ۵

جمادی الاولی، جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ

شمارہ نمبر ۳

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازیپوری

سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ غازیپور یوپی

پن کوڈ - ۲۳۳۰۰۱

فون نمبر ۰۵۴۸-۲۲۱۷۵۷

فہرست مضامین

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طالبان حکومت کے زوال بعد پوری دنیا میں مسلمانوں کی ساکھ بہت کمزور ہو گئی ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں، امریکا اور یورپ نے مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کیلئے میڈیا کی پوری طاقت جھونک دی ہے، بعض ناعاقبت اندیش مسلمان جماعتوں کی بلاوجہ کی جہادی اچھل کود اور پاکستان میں مسلمان فرقوں کا آپس کا دنگا فساد اور کشمیر میں نام نہاد مجاہدوں کی ہٹ اینڈ رن اور روزانہ کی قتل و غارت گری اور کشمیری عوام اور حکومت کے کارندوں پر حملہ اور ہندوستانی فوج کیساتھ فائرنگ کا تبادلہ ان تمام باتوں نے یورپ اور امریکہ کے اس پروپیگنڈہ کو مزید قوت بخشی ہے اور اب غیر مسلم اقوام کی نگاہ میں ہر جگہ مسلمانوں کو امریکہ ہی والی عینک سے دیکھا جا رہا ہے۔

گجرات کے گودھرا مقام پر ٹرین پر حملہ عام مسلمانوں نے قطعاً نہیں کیا تھا، کچھ غنڈے بدمعاش اور شر پسندوں نے یہ کاروائی کی تھی، اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا، اس کا بھی امکان ہے کہ ملک کا امن تباہ و برباد کرنے کیلئے خود فرقہ پرست تنظیموں نے اس کاروائی کا منصوبہ بنایا ہوگا کہ پورا ملک آگ کی لپیٹ میں جھلس جائے۔ اور حالیہ انتخاب میں B-J-P کو جو ذلت آمیز شکست ملی ہے، اس کا بدلہ مسلمانوں سے اس طرح لیا جائے۔ بہرحال وجہ جو بھی ہو اور اس حادثہ کے پیچھے جس کا بھی ہاتھ ہو،

گودھرا کا واقعہ نہایت ظالمانہ کاروائی تھی اگر یہ کاروائی مسلمانوں نے انجام دی تو اور بھی قابل مذمت اور قابل نفرت ہے، اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ اس طرح کی خلافِ انسانیت کاروائی اپنے دشمن کے خلاف بھی مسلمان کرے۔ ہندوستان کی فرقہ پرست طاقتوں نے اس حادثہ کو بہانہ بنا کر پورے گجرات کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا پلان بنالیا اور ہزار ہا ہزار افراد اور کروڑوں کی جائداد کو پولیس کی نگرانی اور گجرات اور مرکزی حکومت کی شہ پر تباہی و بربادی کے بھینٹ چڑھا دیا گیا، درندگیت کا ایسا ناچ کھیلا گیا کہ ہندوستان کی اب تک کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ہے، ہندوستان میں آزادی کے بعد ہی سے فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ جاری ہے مگر اس فساد میں دنگائیوں نے انسانوں کے زندہ جلانے جس میں بوڑھے مرد، بوڑھی عورتیں، نوجوان لڑکیاں اور معصوم بچے بڑی تعداد میں تھے کا ایک عالمی ریکارڈ قائم کر دیا، سیکڑوں گھروں میں آگ لگا کر پورے خاندان کو زندہ جلا دیا گیا، انتقام کی آگ میں یہ دنگائی ایسے جل رہے تھے کہ انسانیت کا لباس انھوں نے اپنے جسم سے اتار دیا تھا، پوری دنیا نے دیکھا کہ انسان جب حیوانیت پر اتارو ہو جاتا ہے تو وہ کیا کچھ کرتا ہے، تہذیب و شرافت کے یہ پتلے اسی جذبہ کے تحت اجودھیا میں رام مندر بنائیں گے، اور انسانیت کو اپنے پاؤں سے روند کر رام کے بت کے آگے اپنا ماتھا ٹیکیں گے۔

فرقہ پرستوں نے اور اس کے ساتھ ان کی سرپرست ریاستی اور مرکزی حکومت نے گودھرا کے ٹرین جلانے کو حادثہ کو دہشت گردانہ کاروائی کا نام دیکر اپنی تمام ظالمانہ اور حیوانیت سے بھرپور کاروائیوں کا جواز فراہم کر لیا اب ان ظالموں کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے، البتہ گودھرا کے حادثہ میں ہلاک ہونے والوں پر آنسو بہانے والوں کی کمی نہیں ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ ان مظلومین و مہلوکین پر آنسو نہ بہایا جائے اور ان کے خاندانوں اور متعلقین سے ہمدردی نہ کی جائے، ضرور یہ کام بھی ہو مگر اسی کے ساتھ جو ہزاروں مسلمان بھی جلے مرے ہیں ان پر بھی تو چند آنسو بہے، کیا صرف گودھرا میں مرنے والے ہی

انسان اور مظلوم تھے پورا گجرات جو جل رہا تھا اور مرنے والوں اور جلنے والوں اور پھینکنے والوں کی تعداد جو ہر روز بڑھ رہی تھی اس پر بھی تو اظہار افسوس کر کے انسانیت دوستی اور انصاف اور شرافت کا ثبوت فراہم کیا جاتا ، ایک نام دہشت گرد زبانوں پر چڑھ گیا ہے ، اس کو زینہ بنا کر ہر ظلم وستم کو روا رکھا گیا یہ کم درجہ کی دہشت گردی ہے فرقہ پرست تنظیموں نے تو رام مندر کے قائم کرنے کا اعلان کر کے اور کار سیوکوں کو اجودھیا میں جمع کر کے پورے ملک کی فضا کو خراب کیا ہے ، اور پھر یہ کار سیوک کتنا دھرم کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں اسے ریلوے اسٹیشنوں پر رہنے والے ملازمین سے اور خونچہ لگانے والوں سے پوچھو ، وہ بتلائیں گے کہ یہ کار سیوک جس اسٹیشن سے گزرتے تھے کتنے اشتعال انگیز اور مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے والے نعرے لگاتے تھے اور رام کا نام لینے والے یہ پوتر لوگ اسٹیشنوں پر غریب خونچہ لگانے والوں کو لوٹ لوٹ کر اپنی پیٹ پوجا کرتے تھے ، ایسے حالات میں یہ عین ممکن ہے کہ دوسروں کے جذبات بھڑکیں اور کوئی حادثہ پیش آجائے ۔

انصاف پسندوں کو ان تمام باتوں پر نگاہ رکھنی چاہئے اور ایک طرفہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کرنے سے پہلے ان کو بہت کچھ سوچنا چاہئے ۔

گجرات کے فساد کی آگ اتنی نہ بھڑکتی اگر مرکز اور صوبائی حکومت نے حالات کو ابتداہی میں کنٹرول کرنے کا تہیہ کر لیا ہوتا اور چوکسی برتنے کا پکا اور مستحکم انتظام ہوتا ، مگر بی جے پی حکومت کو مسلمانوں سے انتقام لینا تھا اس لئے اس نے پولیس کو بالکل آزاد چھوڑے رکھا اور پولیس نے خود فسادیوں کا ساتھ دیکر مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے میں پورا حصہ لیا ۔

ہمیں معلوم ہے کہ اب تحقیقاتی کمیشن بھی بیٹھے گا اور لیڈروں کی طرف سے طرح طرح کے مطالبات بھی ہوں گے مگر ہمیں اس کا حشر معلوم ہے ، ظلم وجور کی چکی بیا گجرات کا پیسا ہوا مسلمان ہی مزید حکومت کی انصاف پسندی کا نشانہ بنے گا ۔

ہم مسلمانوں سے کہیں گے کہ اس وقت حالات تمہارے موافق نہیں ہیں، پوری دنیا میں تم کو اور تمہارے دین کو بدنام کرنے کی سازش رچی جارہی ہے، اس وقت بہت زیادہ صبر و تحمل اور ہوشمندی کی ضرورت ہے، وقت کی پکار پر توجہ دو حالات کی نزاکت کا اندازہ لگاؤ، اور جذبات میں مت بہو، ان تنظیموں سے دور رہو جو ہندوستان میں رہنے والوں کے درمیان نفرت کا بیج بو رہی ہیں، اپنا عقیدہ اور عمل درست کرو اور اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اور اسی میں تمہاری سلامتی ہے، حالات کا دھارا یکساں نہیں رہتا، حالات بدلیں گے اور مسلمان انشاءاللہ موجودہ حالات سے نکلیں گے، بہت زیادہ دل شکستہ اور کم حوصلہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ مسلمان دیکھیں اور اپنا جائزہ لیں کہ ان کی عملی و دینی زندگی میں کوتاہیاں اور کمیاں کیا ہیں اور ان کا تدارک کیسے ہوگا، مسلمانوں کو اپنی زندگی سے ان کمیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کی نماز جب روشنی پھیل جائے تب پڑھو، اس لئے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

(ترمذی)

فجر کی نماز کا وقت بہت سی انسانی ضرورتوں کے پورا کرنے کا وقت ہوتا ہے، سو کر کے اٹھنے کے بعد آدمی کو پیشاب پیخانہ سے فارغ ہونا ہوتا ہے، دانت صاف کرنا ہوتا ہے کبھی نہانے کی حاجت ہوتی ہے تو نہانا ضروری ہوتا ہے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام امت کے طبعی تقاضوں کو دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نماز فجر کی ادائیگی میں جلدی نہ کیجائے بلکہ اتنے وقت تک کا انتظار کر لینا چاہئے تاکہ عام آدمی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہولے۔ اور وہ باآسانی نماز باجماعت پالے، اور یہ جو فرمایا کہ اس میں اجر زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑا سا انتظار کر لینے کے بعد جماعت بڑی ہوگی اور جب آدمی اپنے طبعی تقاضوں سے فارغ ہو چکا ہوگا تو کامل یکسوئی اور پورے حضور قلب کے ساتھ وہ نماز ادا کر سکے گا اور ایسی نماز بلاشبہ اجر اور ثواب کی زیادتی کا باعث ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر حال میں (خواہ باوضو ہوں یا بے وضو) قرآن سکھلاتے تھے، الا یہ کہ آپ حالتِ جنابت میں ہوں۔

(ترمذی)

قرآن کی تعلیم وتعلم کے لیے وضو ضروری نہیں ہے، اگر قرآن کو ہاتھ لگانا نہ ہو تو بلا وضو بھی قرآن کی تعلیم دی جا سکتی ہے، البتہ اگر نہانے کی حاجت ہو تو ایسی شکل میں بلا پاک ہوئے قرآن کا پڑھنا پڑھانا درست نہیں ہے۔

قرآن کے علاوہ اور ذکر و اذکار حالت جنابت میں بھی درست ہیں، جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے، علماء نے لکھا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد قرآن کے علاوہ ذکر و اذکار ہیں۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو باوضو ہو وہی اذان دے۔ (ترمذی)

چونکہ اذان اشرف ترین اذکار میں سے ہے، اس وجہ سے مناسب یہ ہے کہ اذان دینے والا باوضو ہو، اگرچہ بلا وضو بھی اذان دینا درست ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ وضو کے بعد ہی اذان دی جائے جیسا کہ آنحضورؐ کا ارشاد ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ اگر کسی سے فجر کی دو رکعت سنت چھوٹ جائے تو طلوع آفتاب کے بعد ان کو پڑھے (ترمذی)

فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے اسلئے اگر کسی سے فجر کی دو رکعت سنت چھوٹ گئی ہو تو اس سنت کو اگر وہ ادا کرنا چاہے تو بہتر یہی ہے کہ آفتاب نکلنے کے بعد اسے ادا کرے۔ سنتوں کی قضا کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے، مگر چونکہ فجر کی سنت کا معاملہ عام سنتوں سے الگ ہے، فجر کی اس دو رکعت کی بڑی اہمیت ہے اس وجہ سے اگر یہ سنت چھوٹ جائے تو بہتر یہی ہے کہ اس کو طلوع آفتاب کے بعد ادا کر لیا جائے۔

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جو آدمی گناہ کا مرتکب ہوا ہو پھر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے اور استغفار کرے تو اللہ اس کی گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ (ترمذی)

اس نماز کو صلوٰۃ توبہ کہا جاتا ہے، اگر آدمی سے گناہ ہو جائے تو اس کے ازالہ کی

فکر کرنی چاہیئے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا بہترین طریقہ یہ بتلایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ سے معافی چاہے۔

(۶) حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے بارے میں پوچھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے وہ بہتر ہے، جو بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھا اجر ملتا ہے۔ (ترمذی)

بلا وجہ اور بلا کسی عذر شرعی کے بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا درست نہیں ہے، سنت اور نفل میں اجازت ہے مگر جو بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے اس کا اجر و ثواب کم ہو جاتا ہے، البتہ اگر وہ کسی معذوری و مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے اجر میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوتی ہے۔

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ تین آدمیوں پر لعنت فرما رہے تھے، ایک اس آدمی پر جو نماز میں امامت کرتا ہے اور لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔

دوسرے اس عورت پر جو رات گزارتی ہے اور اس کا شوہر اس سے ناراض رہتا ہے۔
تیسرے اس آدمی پر جو اذان کی آواز سن کر بھی مسجد میں نہیں آتا۔ (ترمذی)

امامت بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس وجہ سے امام کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیئے اگر کسی وجہ سے لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں تو بہتر ہے کہ امام از خود اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے اور ایسا آدمی نماز پڑھائے جس سے عام مصلی راضی ہوں۔

البتہ مصلیوں کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کسی ذاتی رنجش اور دشمنی کی وجہ سے امام سے نفرت نہ کریں، اگر امام دینداری اور تقویٰ اور علم و فضل کے اعتبار سے امامت کا مستحق ہے تو پھر اس کی امامت میں خوش دلی سے نماز پڑھنا چاہیئے خواہ مخواہ کا امام پر

اعتراض کرنا یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

شوہر کا بیوی پر بہت حق ہے، اسلئے بیوی کیلئے ضروری ہے کہ شوہر کو ہر حال میں راضی رکھے اور گھر کے ماحول میں کھینچا تانی پیدا نہ کرے۔

اذان کی آواز سن کر مسجد میں حاضر نہ ہونا نہایت درجہ بدبختی کی علامت ہے اور نماز اور اذان کی توہین ہے، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقوں کو بھی نماز چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ افسوس آج ہمارا حال اس زمانہ کے منافقوں سے بھی بدتر ہوگیا ہے۔ ہماری طرف اللہ کی رحمت متوجہ ہو بھی تو کیسے ہو۔

(۸) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ کا ارشاد تھا کہ قبرستان اور حمام کے علاوہ ہر جگہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

قبرستان میں نماز پڑھنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ کہیں کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ مردوں کے لئے نماز پڑھی جارہی ہے، نماز میں نمازی کا تصور صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے کسی اور کو اپنا قبلہ بنانا جائز نہیں ہے۔

حمام یعنی غسل کی جگہ پر نماز پڑھنے سے اس وجہ سے روکا گیا ہے کہ عموماً غسل کی جگہ پاک نہیں رہتی، اگر پاکی کا یقین ہو تو نماز درست ہو گی مگر مناسب نہ ہوگا کہ نہانے کی جگہ نماز گاہ بنائی جائے۔ یہ نماز جیسی اہم عبادت کے وقار اور احترام کے خلاف بات ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر
دام مجدہم

قرآن کریم کی حقانیت اور دین اسلام کی عظمت غیروں کی نگاہ میں

جن اہل یورپ کی تقلید کو آج بد قسمتی سے مسلمان مایۂ افتخار سمجھتے ہیں اور مردوں سے لیکر عورتوں تک، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک ہر ہر ادا میں ان کی نقل اُتارتے اور ان کے فیشن اور رسم میں رنگے ہوئے اور سیرت وصورت میں ان کی نقالی کے دلدادہ ہیں، ان کی عینک سے اس کامل اور مکمل کتاب کو ملاحظہ کیجئے۔

(۱) بیروت کے ایک مسیحی اخبار الوطن میں ایک عیسائی نامہ نگار لکھتا ہے:
"پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کی قوم کے پھیلنے اور باقی رہنے کے تمام سامان فراہم کر دیئے، کیونکہ مسلمان جب قرآن وحدیث میں غور کریں گے تو وہ اپنی ہر دینی و دنیوی ضرورت کا علاج اس میں پائیں گے۔"

(۲) جی۔ ایم راڈویل کہتا ہے کہ:
"قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے، جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح راہنمائی اور الہامی حکمتوں سے مملو ہے۔"

(۳) جرمن مستشرق عمانوئیل ڈوش لکھتا ہے کہ:
"اسی قرآن کی مدد سے تمام سامی اقوام میں صرف عرب ہی یورپ میں شاہانہ حیثیت سے

داخل ہوئے جہاں اہل فینیشیا بطور تاجروں کے اور یہودی لوگ پناہ گزینوں اور اسیروں کی حالت میں پہنچے۔ ان عربوں نے بنی نوع انسان کو روشنی دکھلائی جب کہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا اور مغرب و مشرق کو فلسفہ، طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں انھوں نے حصہ لیا۔ ہم ہمیشہ اس روز کا ماتم کریں گے جس دن غرناطہ عربوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

(۴) ڈاکٹر سموئیل جانسن لکھتا ہے کہ:

"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں، ریگستانوں شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔

(۵) لڈولف کریل لکھتا ہے:

"قرآن میں عقائد، اخلاق اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں، عدالت حربی انتظامات مالیات اور نہایت محتاط قانونِ غرباء وغیرہ کی بنیادیں خدائے واحد کے یقین پر رکھی گئی ہیں"

(ماخوذ از مقدمہ تاریخ ہند ج ۲ ص ۳۱۷ تا ص ۳۱۹ از اکبر شاہ خان)

(۶) سر ولیم میور اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں لکھتا ہے کہ:

"جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس "قرآن مجید" کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"

(۷) مشہور مصنف ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے کہ:

"قرآن دینی تعلیم کی خوبیوں کے لحاظ سے تمام دنیا کی مذہبی کتابوں سے افضل ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے جو کتابیں دیں ان سب میں قرآن بہترین کتاب ہے۔

(۸) ڈاکٹر موریس کہتا ہے کہ:

"قرآن نے دنیا پر وہ اثر ڈالا جس سے بہتر ممکن نہ تھا"

(۹) ڈاکٹر اسٹین گاس اپنی ڈکشنری میں لکھتا ہے کہ:

"قرآن کی خاص خوبی اس کی ہمہ گیر صداقت میں مضمر ہے"۔

(۱۰) مشہور مترجم قرآن جارج سیل لکھتا ہے کہ:

"قرآن جیسی معجز کتاب انسانی قلم نہیں لکھ سکتا یہ مستقل معجزہ ہے جو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ سے بلند تر ہے"۔

(۱۱) پادری وال ریسسن بی۔ ڈی کہتا ہے کہ:

"مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے، ایک امن اور سلامتی کا مذہب ہے"۔

(۱۲) گاڈفری ہیگنس لکھتا ہے کہ:

"قرآن کمزوروں اور غریبوں کا غم خوار ہے اور نا انصافی کی جا بجا مذمت کرتا ہے"۔

(۱۳) ڈاکٹر کینن آئزک ٹیلو کہتا ہے کہ:

"اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تہذیب و تمدن کا علمبردار ہے"۔

(۱۴) مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن" میں لکھتا ہے کہ:

"فی الحقیقت قرآن عیوب سے ایسا مبرا ہے کہ اس میں خفیف سے خفیف ترمیم کی بھی ضرورت نہیں، اول سے آخر تک پڑھ جائیے تو اس میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں پائیے گا جو پڑھنے والے کے چہرہ پر شرم و حیا کے آثار پیدا کر دے۔ (کیونکہ اس میں کوئی ایسا فحش لفظ ہی نہیں ہے)

(بحوالہ خطبۂ صدارت ص ۱۲،۱۳ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، المتوفی ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۵ ر دسمبر ۱۳ھ ۱۹۵۷ء اجلاس پنجاہ سالہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ)

(۱۵) رومی مورخ ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کی بہت سی نقلوں سے وہی اعجاز کا سا خاصہ یگانگت و عدم قابلیت تحریف کا متن ثابت ہوتا ہے"۔

(۱۶) پادری عمادالدین صاحب باوجود اسلام اور مسلمانوں کے اشد ترین دشمن ہونے کے یوں لکھتا ہے کہ:

"قرآن آج تک وہی قرآن ہے جو محمدؐ صاحب کے عہد میں تھا"۔

(۱۷) گبن صاحب لکھتے ہیں کہ :

" اوقیانوس سے گنگا تک قرآن شریف مجموعہ قوانین مانا جاتا ہے ۔ یہ نہیں کہ اس میں صرف فقہی مسئلے ہوں بلکہ قوانین دیوانی ، فوجداری اور دیگر مضامین بھی اس میں درج ہیں ۔ اور وہ قاعدے جو آدمیوں کے اعمال اور مال کی نسبت مقرر کئے گئے ہیں ، وہ خدا تعالیٰ کی بے زوال رضا سے بنائے گئے ہیں یا بہ تبدیل الفاظ ہم اس مطلب کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ قرآن شریف مسلمانوں کا مجموعۂ قوانینِ عامہ ہے ۔ اس میں قوانین مذہبی اور سلوکِ باہمی اور فوجداری اور دیوانی اور تجارتی اور فوجی اور ملکی اور سزا دہی سب موجود ہے ، اور مذہبی رسوم سے لے کر معاملاتِ دنیوی تک ہر ایک چیز کا مفصل بیان ہے ۔ قرآن نجاتِ روح اور صحتِ جسمانی اور حقوقِ عامہ اور حقوقِ شخصی اور نفع رسانیٔ خلائق اور نیکی اور بدی اور سزا ، دینی و دنیوی سب چیز پر حاوی ہے "

(بحوالہ نویدِ جاوید ص۵۲۲ تا ص۵۲۳)

(۱۸) مشہور جرمنی فاضل گوئٹے لکھتے ہیں کہ :

" اس کتاب (قرآن) کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہاں سے بڑا جہاں اور رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کر لی ، اور جس قدر زمانہ سلطنت روما کو اپنی فتوحات کے حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا ، اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہ لگا ۔"

(بحوالہ رسالہ معجزہ قرآن ص۱۳۳ نظامی پریس بدایوں)

اسی جامع و مکمل ، بے نظیر انقلاب انگیز کتاب کی بے پناہ قوت اور طاقت سے خائف اور بدحواس ہو کر برطانیہ کے مشہور ذمہ دار وزیر اعظم گلیڈ اسٹون نے بھرے مجمع میں قرآن کریم کو اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے یہ کہا تھا کہ :

" جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی " (بحوالہ خطبۂ مذکورہ ص۱۵) ۔

اور ہنری ہر نیگٹن طامس نے کہا کہ

" مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو ، اچھی رعایا نہیں ہو سکتے ۔ اسلئے

کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہے۔ (بحوالہ حکومتِ خود اختیاری ص۵۵)

اور گورنر جنرل ہند لارڈ ایلن برا نے ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگڈن کو لکھا کہ:

"میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے اسلئے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضا جوئی کرتے رہیں۔ (ان ہیپی انڈیا ص۲۹۹)

قرآن کریم کو مٹانے اور مسلمانوں کے صحیح جذبات کو دنیا سے ناپید کرنے کے لئے ایسے ایسے حربے استعمال کئے گئے کہ شیطان بھی دم بخود ہو گیا اور لارڈ میکالے نے صاف لفظوں میں کہا کہ:

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل اور دماغ کے اعتبار سے فرنگی۔ (مدینہ۔ بجنور ۲۸ر فروری ۱۹۳۶ء)

انگریز کا تو بہرحال یہ پروگرام تھا کہ وہ مسلمانوں کی متاعِ ایمان کو کالجوں، سینماؤں اور کلبوں کے ذریعہ لوٹتا۔ مگر افسوس صد افسوس تو مسلمانوں پر ہے جنھوں نے اس مکمل کتاب کی قدر نہ کی اور اس سے ہدایت اخذ کر کے نجاتِ روح اور صحتِ جسمانی حاصل نہ کی۔

ص۲۰ کا بقیہ

اصول اور اسلامی تعلیمات کو مورد الزام کیوں بنایا جائے اس کے لئے تو عوام کے اس غلط رجحان اور افعال کے اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیئے، ظاہر ہے شخصی اور انفرادی غلطیوں کو قانون اور اصول کی غلطی بتانا سخت جہالت ہے، کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ افراد پوری طرح قانون پر عمل کریں اگر ایسا ہو جائے تو آپ دیکھیں گے اسلام کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے عورت اپنے حقوق اور مقام کے لحاظ سے کس قدر مطمئن ہو گی۔ اور آزادئ نسواں کا پُرفریب نعرہ خود اپنی موت مر جائے گا۔

محمد اجمل مفتاحی

ڈاکٹر رشید الوحیدی

آزادیٔ نسواں
اسلامی اجتماعیت پر حملہ

اسلام نے عورت کو وہ حقوق عطا کئے ہیں جس سے ان کی انسانیت کا احترام بھی باقی ہے اور مردوں کے ظلم سے بھی نجات حاصل ہے، اگر میراث، شادی، طلاق وغیرہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کچھ فرق وامتیاز ہے بھی تو وہ بس اتنا ہی ہے جتنا مردوں اور عورتوں کی فطری اور تکوینی ساخت کے فرق کا تقاضہ ہے، مال اور تجارت وغیرہ میں عورتوں کو پورے پورے حقوق حاصل ہیں، عورت کے حقوق اور واجبات کے سلسلے میں قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا ہے " ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة (بقرہ ۲۲۸) اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے مطابق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے " یہ درجہ اور فضیلت جو مرد کو عورت پر حاصل ہے یہ کوئی بے جا حکمرانی دھونس اور بڑائی جمانے کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ فضیلت بھی ایک فطری ضرورت ہے جو مرد کو خاندان کے نگراں اور قوّام کی حیثیت سے عطا کی گئی ہے۔ باعتبار نگراں اور محافظ کے یہ ہونی بھی چاہئے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ان النساء شقائق الرجال " عورتیں مردوں کا حصہ ہیں۔ اسلام نے عورت اور مرد کی محنت ومزدوری کی اجرت میں بھی فرق نہیں کیا ہے جس کا آج کی

دنیا میں عام چلن ہے، آج کی نام نہاد مہذب سوسائٹی میں ایک فیشن اور بھی رائج ہے عورت کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ شادی کے بعد میکے کا نام یا کسی نسبت کو ہٹا کر شوہر یا سسرال کی نسبت سے خود کو متعارف کرے، اسلام میں اس کیلئے اس قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے عورت کو اپنا مال رکھنے، اس میں تصرف کرنے کی اسلام پوری آزادی دیتا ہے، اسلامی قانون میں عورت کیلئے ان رعایتوں اور حقوق کے بعد ذرا یورپ کے قانون کا جائزہ لیں، جو دراصل قدیم یونانی قانون کا چربہ ہے، تو اندازہ ہوگا کہ عورت اور مرد کے حقوق اور واجبات کے درمیان اس میں کس قدر واضح فرق ہے اور عورت کے درجے کو کس قدر گھٹا دیا ہے مثلاً یہی ایک دفعہ کہ محنت کی اجرت مرد کو پوری ملتی ہے اور عورت کو اس کی نصف کا قانون ہے یا عورت شادی کے بعد قانوناً اپنے باپ کے یہاں کے نام سے منسوب نہیں ہو سکتی، اپنے مال میں تصرف کے حق سے قانوناً محروم کر دی گئی ہے جب کہ یہ مال وہ خود لائی ہو شوہر کا دیا ہوا نہ ہو نہ یہ شوہر اور بیوی کا مشترکہ مال ہو، عورت کے سلسلے میں یورپ نے ایسے ظالمانہ قانون بھی اپنائے جس میں عورت کو نابالغ بچوں یا مجنون و پاگل کی صف میں رکھا گیا، یورپ کے خود ساختہ وضعی قانون میں نظام اراضی کو دینی حیثیت دے کر اس طرح تقسیم کیا گیا کہ امراء اور سرداروں کو تو پورا پورا حصہ ملا جب کہ عوام، رعیت اور کاشتکار اپنے حق سے قطعی محروم کر دیئے گئے۔ اور جب امراء زمین کے مالک ہوتے تھے تو اس میں بسنے والے لوگ ہوں، عورتیں، بچے، چوپائے، جمادات سب کے وہ مالک ہو جاتے، اور یہ سب ان کی ملکیت اور غلام ہوتے تھے۔

اسلام نے عورت کیلئے تکریم اور عزت کا پورا پورا خیال رکھا ہے، عورت کی فطرت، عادت اور طبائع کا لحاظ رکھا ہے، مرد پر مشقت اور ذمہ داری کا جو بوجھ ہے اس سے بچا لیا ہے، حصولِ رزق کی پریشانیوں کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے کہ وہ اپنے گھر بار، بچوں اور گھرستی کو چھوڑ کر اس ادھیڑ بن میں پڑیں، عدل و انصاف پانے میں عورت مرد بلکہ اس سے اور آگے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اسلام نے کوئی فرق نہیں

کیا ہے، آج مغرب اور مغربی تہذیب کی طرف سے ایک شور برپا ہے کہ "اسلام نے عورت کی آزادی سلب کر لی ہے، اسلام مردوں اور عورتوں کے حقوق کے درمیان فرق کرتا ہے" یہ محض اسلام دشمنی اور اسلام سے صدیوں کی نفرت کا نتیجہ ہے، اسلام کے ساتھ نفرت اور دشمنی ہی نے مغرب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ دنیا سے اسلامی اثرات، اسلامی نظام اور مسلمانوں کو ختم یا کمزور کیا جائے، اسلام کی بے پناہ اشاعت اور روز افزوں ترقی مغرب کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھتی رہی، اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اس قوم نے بہترین ذریعہ یہی ڈھونڈھا کہ عورت کی آزادی کا نعرہ لگایا جائے، اس سے ایک تو عورت اپنی سب سے اہم ذمے داری یعنی اولاد کی نگہداشت اور تربیت سے بے پرواہ ہو جائے گی اور جب مسلم نسل صحیح نشوونما اور صالح تربیت سے محروم ہوگی تو وہ اپنے دین اور دینی روایات سے بے گانہ ہوگی اور تب یورپ نوجوان نسل کے ذہنوں میں آسانی سے اپنا زہر اتار سکے گا، دوسرے یہ کہ عورت کی آزادی سے خاندانی نظام پھر اس سے آگے بڑھ کر اسلامی سماجی نظام کمزور اور منتشر ہوگا۔ جس سے مجموعی طور پر اسلامی اثرات اور استحکام متاثر ہوگا، اس طرح عورت کی آزادی کو دراصل اسلامی اجتماعیت کو کھوکھلا کرنے اور برباد کرنے کی ایک سوچی سمجھی اسکیم اور ایک موثر عمل کے طور پر استعمال کیا گیا، آزادئ نسواں کا نعرہ دراصل طبقۂ نسواں کی ہمدردی کی شکل میں یورپ کی ایک پُرفریب چال ہے جس کے ذریعہ پوری نسل اسلامی کو برباد کر دینے کی پالیسی بنائی گئی ہے، عورت کی آزادی کو یورپ نے سارے بلاد عرب، اسلامی ممالک اور ہر جگہ اسلامی تہذیب و اخلاق کے درمیان مغربی اثر ورسوخ پیدا کر دینے کا بہترین اور موثر ذریعہ سمجھا، چنانچہ پردے کو قید کہہ کر اس قید سے نجات حاصل کرنے کی دعوت دی گئی چہرہ کھول کر شارع عام پر عورت کو نکالا گیا ان کے قلوب اور اذہان میں اسلامی اخلاق و تہذیب کے تئیں بے وقعتی اور تحقیر کا جذبہ پیدا کیا گیا، شرم و حیا کو دقیانوسیت اور شدت پسندی سمجھنے کا رجحان پیدا کیا گیا، حالانکہ یہ اسلام ہی تھا جس نے ماضی میں صدیوں کی غلامی ظلم اور بے جا تشدد سے چھڑا کر عورت کو آزادی سے ہمکنار کیا مردوں کے ساتھ ان کے بھی حقوق

دواجات کی تاکید کی، آج یہ بات کھل کر سامنے آرہی ہے کہ یورپ میں برسوں کی آزادیٔ نسواں کی اس کوشش اور جد و جہد کا نہایت بھیانک نتیجہ مسلمانوں اور ان کی نئی نسل کی بے راہ روی، مذہب سے غفلت کی صورت میں سامنے ہے کیونکہ بنیادی طور پر اس بے راہ روی کے دو اسباب ہیں اور دونوں کا تعلق براہِ راست طبقۂ نسواں کی حد سے زیادہ آزادی سے ہے۔

۱۔ اولاد کی تربیت، خاندان کے انتظام و نگرانی سے عورت بے پرواہ ہوگئی
۲۔ فطری اور جنسی استعداد کو نظر انداز کر کے عورت کو غلط راستوں پر ڈال دیا گیا۔

اسلام نے ۱۴سو برس قبل ہی اس اہم مسئلے کا احاطہ کر لیا تھا اور ایک ضابطہ پیش کر دیا تھا، گھر کے اندر اور باہر کے معاملات کو عورتوں اور مردوں کے درمیان الگ الگ رکھ کر تقسیم کار کا اصول پیش کر دیا تھا اس طرح ہر ایک اپنے مقام پر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور ایک اچھا اسلامی سماجی نظام وجود میں آسکے، یورپ کے مدبروں کو اسلام کا یہ تعمیری اور ترقی پسند انداز ایک آنکھ نہ بھایا، انھوں نے اسلام کی اسی پالیسی کو نشانہ بنایا اور اس کیلئے آزادی کے عنوان سے عورتوں کو لہو ولعب، عیش و نشاط اور بے حجابی، بے پردگی کی طرف مائل کر کے ان کو ان کے فرائض سے غافل کر دیا۔

اسلام نے بھی عورتوں کو بوقت ضرورت باہر نکلنے کی اجازت دی ہے مگر یہ واضح رہے کہ اس اجازت میں "ضرورت" کی قید کے ساتھ اخلاق شائستگی سادگی ہر ایسی بات کی شرط ہے جس سے نمائش و بے حیائی کا اظہار نہ ہو اور یہ باہر نکلنا بدنیتی سے حیلے بہانے کے لئے نہ ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط، سرِ راہ غیر مردوں سے گفتگو، ہنسی مذاق، تفریح گاہوں میں سیر کرنا کلچرل پروگراموں میں شرکت کانفرنس، سیمینار، تنہا سفر کرنا، پکنک منانا یہ سب تو ضرورت میں داخل نہیں ہے نہ اس کی اجازت ہے، اصل یہ ہے کہ اللہ رسول پر ایمان اور اس کے احکام کی پاسداری عورت کے لئے بہترین محافظ، اسے بے شرمی بے حجابی سے روکنے کا بہترین ذریعہ ہے، اس کے ساتھ ہی ایک قیمتی بات یہ بھی ہے کہ عورت عزت

نفس اور خود احتسابی کا جذبہ زندہ رکھے، اپنے مقام اپنی قدر و قیمت سے غافل نہ رہے خدا کی طرف سے ودیعت کردہ ذمہ داری جو اصلاً تربیتِ اولاد، گھر اور خاندان سے متعلق ہے اُسے یاد رکھے، اپنی جنس کے ساتھ لوگوں کی ہمدردی کا ضمن میں جو تباہی اور نقصان مضمر ہے اس کو سمجھتی رہے، اگر فہم و سمجھ کی یہ توفیق اسے نصیب ہوجائے تو وہ "آزادیٔ نسواں" کے معماروں کے دجل و فریب کو کھلی آنکھ دیکھ سکے گی اور پھر وہ قرآن کریم اور سنتِ مطہرہ کے ظلِّ عافیت میں پاکیزہ زندگی گذار سکے گی۔ قرآن پاک کی ایک آیت سے اس مسئلے کا کیسا واضح فیصلہ فرمایا ہے۔ ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف (بقرۃ ۲۲۸)

اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے مطابق۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن جلد اول مکتبہ مصطفائی دیوبند ص ۵۴۹ پر ان حقوق کی تفصیل دی ہے۔

فرماتے ہیں، عورتوں کو آزاد خود مختار بنایا مردوں کی طرح وہ بھی اپنی جان و مال کی خود مالک ہیں۔ کوئی شخص شوہر باپ بھائی کسی کے ساتھ شادی کرنے پر اسے مجبور نہیں کرسکتا، اور اگر زبردستی شادی کر بھی دے تو اسے اختیار ہے وہ شادی باقی رکھے یا ختم کردے، اس کے مال پر کسی کو اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق نہیں ہے، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد وہ خود مختار ہے، میراث میں لڑکوں کی طرح اسے بھی حصہ ملتا ہے، عورت کو راضی رکھنا اس کو خوش رکھنا عبادت کہا گیا ہے، شوہر اس کے حقوق ادا نہ کرے تو اسلامی عدالت حق دلائیگی ورنہ طلاق پر مجبور کرے گی۔

کیا اس تشریح کے بعد بھی اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو حقوق نہیں دیئے ہیں، افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان مرد اور خود مسلمان عورتیں اپنی جہالت اور ناسمجھی سے دشمنانِ اسلام کے اس اعتراض میں شریک ہوکر اپنے مذہب کو بدنام کرتی ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں۔ ایک بات اور غور طلب ہے، اگر انفرادی طور پر کچھ اشخاص عورت کے ساتھ ناروا ظلم و تعدی کا معاملہ اختیار کرتے ہیں یا ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں یا طلاق دینے میں بے احتیاطی اور عجلت اختیار کرتے ہیں تو یہ ان کی اپنی غلطی ہے اس سے اسلامی قوانین،

بقیہ ص۱۵ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

امام ابوحنیفہؒ اور مسئلہ قیاس

شرعی حجتوں میں سے ایک حجت قیاس بھی ہے۔ مذہب اربعہ کی کوئی کتاب جس کا تعلق اصول فقہ سے ہو اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو حجج شرعیہ کے ضمن میں قیاس کا بیان بھی ضرور ملے گا۔ اور واقعہ یہ ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ بعض دوسرے ائمہ نے قیاس کا استعمال امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کیا ہے۔ مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ امام ابوحنیفہ کو ابنائے زمانہ نے خصوصًا بعض ظاہر بیں جماعتوں نے اس بارے میں سب سے زیادہ مطعون کیا ہے اور ان کو قیاس اور اہل رائے جیسے الفاظ سے طعن و تشنیع کے طور پر یاد کیا ہے۔ بلکہ بعض نے باقاعدہ یہ کوشش کی ہے کہ وہ یہ ثابت کر دکھلائیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے قصدًا احادیثِ صحیحہ کو چھوڑ کر قیاس اور اپنی رائے کا استعمال کیا ہے۔

متقدمین میں بھی بعض حضرات نے امام ابوحنیفہؒ اور خصوصًا ان لوگوں نے جن کی نگاہ نصوص سے آگے نہیں بڑھتی تھی اور جو شرعی علتوں اور حکمتوں کی معرفت سے عمومًا بہرہ یاب نہیں ہوتے تھے انھوں نے خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ کو قیاس اور رائے کے استعمال پر مطعون کیا ہے چنانچہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں :

"اصحاب حدیث نے امام ابوحنیفہ کی مذمت میں اس الزام میں کہ انھوں نے احادیث کے مقابلے میں قیاس اور رائے کا استعمال کیا ہے افراط سے کام لیا ہے اور حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ (جامع بیان العلم ص ۱۴۸ ج ۲)

بلکہ بعض نے تو یہاں تک جرأت کی کہ اس کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کو مجروح قرار دے دیا اور ان کی شخصیت ان کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہوگئی۔ فواتح الرحموت میں ہے:

"امام ابو حنیفہؒ پر اس وجہ سے بھی لوگوں نے جرح کی ہے کہ وہ قیاس اور رائے والوں میں سے تھے"۔ (ص ۱۵۴/۳۴)

مگر حق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی مقبولیت ان کی فقہ کا شیوع، ان کے تلامذہ کی کثرت اور ان کا اقطارِ عالم میں پھیلنا، سلاطین زمانہ میں عموماً فقہ حنفی کا رجحان اور اس کو اپنے ملک کا قانون قرار دینا جس کی وجہ سے عموماً فقہائے احناف ہی کا قضا کے عہدہ پر تقرر ہوا کرتا تھا۔ یہ اور اس جیسی کچھ اور چیزوں نے کم حوصلہ لوگوں میں بغض و حسد کی آگ بھڑکا دی تھی جنھوں نے اپنی آتشِ بغض و حسد کو تسکین دینے کیلئے امام ابو حنیفہ جیسی پہاڑ اور بھاری شخصیت پر زبان درازیاں کیں۔

عبداللہ بن داؤد کا ارشاد ہے:

لا یتکلم فی ابی حنیفۃ الا احد رجلین: اما حاسد لعلمہ و اما جاھل بالعلم لا یعرف قدر منزلتہ (اخبار فی ابی حنیفۃ و صاحبیہ)	یعنی امام ابو حنیفہ کے بارے میں جرح کرنے والے دو ہی طرح کے لوگ ہیں یا تو وہ ان کے علم کی وجہ سے حسد کرتا ہے یا علم سے جاہل اور ناواقف جو اہل علم کی قدر نہیں پہچانتے ہیں۔

بہر حال اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ امام ابو حنیفہؒ نے قیاس کا کثرت سے استعمال کیا ہے تو یہ کوئی جرم نہیں اور یہ اگر جرم ہے تو اس جرم کے مرتکب سبھی ائمہ مذاہب متبوع ہیں بلکہ عصر صحابہ سے لے کر ہر زمانہ میں مسلسل اس جرم کا ارتکاب ہوتا چلا آرہا ہے۔ آخر صرف امام ابو حنیفہؒ ہی کو کیوں طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جارہا ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ:

"امام ابو حنیفہؒ ہی کی قیاس کے باب میں کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت سے حکم کی عدم موجودگی میں سارے ہی علماء قیاس کرتے ہیں"۔ (تذکرۃ الراشد ص ۲۶۹)

اور حضرت امام مزنی کا ارشاد ہے :

الفقهاء من عصر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا وهلم جرا استعملوا المقاييس فى الفقه فى جميع الاحكام	فقہائے امت نے آنحضورؐ سے لے کر ہمارے زمانہ تک فقہ میں دینی احکام کے سلسلہ میں قیاس کا استعمال کیا ہے ۔ (جامع بیان العلم ص۶۶ ج۲)

میں آگے چل کر بتلاؤں گا کہ قیاس قرآن و حدیث، عمل صحابہ، عمل مجتہدین سے بتواتر ثابت ہے اور اس کا انکار سوائے معتزلہ اور بعض ظاہریہ کے اور کسی سے ثابت نہیں اس لئے صرف امام ابوحنیفہؒ کو ہدف طعن بنانا اور محض اس جرم میں کہ انھوں نے قیاس جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے اس کا استعمال کیا ہے مجروح قرار دینا انتہائی درجہ کی جرأت اور بدترین قسم کی بددیانتی ہے ۔

دوم یہ کہ قیاس و رائے کا استعمال اگر قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ہو تو بلاشبہ یہ قابل جرح امر ہے اور قصداً قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ سے اغماض اور چشم پوشی کر کے اپنی رائے کی پیروی کرنا یقیناً ناقابل برداشت حرکت ہے ۔ اور اس سے بلاشبہ آدمی مجروح ہو جائے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے قرآن و حدیث کے مقابلہ میں رائے کی پیروی کی ہے اور قیاس کا استعمال کیا ہے انتہائی درجہ کی دنائت ہے ۔ خود ان کے معاصرین کی شہادت ہے کہ ابوحنیفہ سے زیادہ حدیثوں کا متبع اور متلاشی اور اس پر عمل کرنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا ۔

امام سفیان ثوریؒ جو انتہائی جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیت کے حامل ہیں ۔ امام کے بارے میں اپنا تاثر بیان کرتے ہیں :

"واللہ وہ (امام ابوحنیفہؒ) علم (حدیث) پر بہت زیادہ عمل کرنیوالے تھے، حرام چیزوں سے باز رہنے والے تھے ۔ اپنے شہر کے علماء کا اتباع کرتے تھے ۔ اسی حدیث کو لینا حلال سمجھتے تھے جو صحیح ہو ۔ ناسخ اور منسوخ

احادیث کی ان کو بہت زیادہ شناخت تھی، ثقہ لوگوں کی حدیث کی طلب میں رہتے تھے اور آنحضورؐ کے آخری فعل کی جستجو میں رہتے تھے۔ (اخبار ابی حنیفہ ص۲۶)

اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے:

اذا جاء الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الراس والعین ط	آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اگر حدیث آجائے تو بسر و چشم قبول (عقود الجواہر المضیہ)

حضرت امام ابو حنیفہؒ خوردہ گیروں پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے تھے۔

"لوگ کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ دیتا ہوں، میں تو صرف اثر و حدیث کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہوں (ایضا) حضرت امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کرے۔ انھیں کے ذریعہ ہمیں عزت ملی اور کفر و شرک سے نکلے" (انتقاء ص۱۴۱)

بلکہ آپ کے مخالفین تک نے دعویٰ کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضعیف[1] حدیث بھی قیاس سے اولیٰ ہے۔ چنانچہ ابن حزم لکھتے ہیں:

"لوگوں نے اجماع کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہے۔ (اعلام الموقعین ص۷۷ ج۱)

ابن حزم فرماتے ہیں:

ان مذهب ابی حنیفه ان ضعف الحدیث عنده اولیٰ	یعنی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہے۔

---

[1] ضعیف حدیث سے مراد موضوع یا ایسی حدیث جس کا ضعف بہت شدید ہو وہ نہیں ہے بلکہ متقدمین کی اصطلاح میں ضعیف کا اطلاق حسن حدیث پر ہوتا تھا یہاں ضعیف سے مراد وہی حدیث حسن ہے۔ (دیکھو اعلام الموقعین ص۳۴ ج۱)

من القیاس ۔ (بحوالہ مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ ص۳۴)

اسی طرح امام ابوحنیفہ رح کے یہاں صحابی کا قول حجت ہے اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

قول الصحابی المجتهد النقی فیہ حجۃ عندنا یترک بہ القیاس۔ (نور الانوار)	مجتہد صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائیگا۔

ابن قیم فرماتے ہیں :

تقدیم الحدیث الضعیف وآثار الصحابہ علی القیاس والرای قولہ وقول الامام احمد۔	قیاس اور رائے پر ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو مقدم کرنا، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے۔

(اعلام الموقعین ص۲۳ ج۱)

میں اس کلام کو بہت زیادہ طول نہیں دینا چاہتا۔ میں نے اپنی کتاب "مکانۃ الامام ابی حنیفہ رح فی علم الحدیث" میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، میں نے یہ چند شہادتیں محض یہ دکھلانے کے لئے پیش کی ہیں کہ جو لوگ امام ابوحنیفہ کو اس لئے مجروح اور مطعون قرار دیتے ہیں کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں ان کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے اور اس طرح کی افترا پردازی کرنے والے آخر خدا کے یہاں کیا جواب دیں گے۔

اور اگر کوئی زور لگا کر یہ ثابت ہی کر دے کہ فلاں حدیث کو امام ابوحنیفہ رح نے ترک کر دیا ہے اور فلاں مسئلہ میں انھوں نے قیاس اور رائے کی پیروی کی ہے تو اولاً یہ سراسر افترا اور بہتان ہوگا کہ امام نے فلاں حدیث کو قیاس کے مقابلہ میں چھوڑا ہے۔ یقیناً اس چھوڑنے کی کوئی علت ہوگی۔ بلا علت کسی بھی عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی حدیث کو ترک کر دے گا چہ جائیکہ یہ بات امام ابوحنیفہ رح کے بارے میں کہی جائے جو جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ صحابہ کے آثار اور ضعیف حدیث تک کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

ثانیاً ہم یہ عرض کریں گے کہ کوئی عالم، کوئی محدث، کوئی فقیہ ایسا نہیں ہے جس کا عمل سب حدیث پر ہو اور اس نے کسی حدیث کو چھوڑا نہ ہو۔

حضرت مالکؒ کی جلالتِ شان اور ان کی علمی عظمت کا ہر شخص معترف ہے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے ایک دو نہیں ستّر مسئلہ میں حدیث کو چھوڑ کر رائے کا استعمال کیا ہے چنانچہ مشہور فقیہ اور محدث امام لیث ابن سعد نے ان پر شدید نکیر کی اور ان سے اس بارے میں خط و کتابت بھی کی۔

حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

عن لیث ابن سعد انہ قال احصیت علی مالک ابن انس سبعین مسئلۃ کلھا مخالفۃ لسنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما قال مالک فیھا برأیہ قال: ولقد کتبت الیہ فی ذالک۔

یعنی لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے ستّر مسئلے شمار کئے جو سب کے سب آنحضورؐ کی سنت کے خلاف ہیں، امام مالکؒ نے اس میں اپنی رائے سے فیصلہ صادر کیا ہے اور اس سلسلے میں میں نے امام مالکؒ سے خط و کتابت بھی کی (جامع بیان العلم ص ۱۴۸ ج ۲)

امام مالکؒ جن کی عظمتِ شان مسلم ہے فقہ اور حدیث کے بارے میں جن کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔ جو امام اہل مدینہ اور فقیہ مدینۃ الرسول سے یاد کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں ایک امام فقہ اور محدث کا بیان ہے کہ انھوں نے ستّر مسئلہ میں حدیث رسول کی مخالفت کی ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی کو جرأت ہے کہ کہدے کہ امام مالکؒ نے قصداً اور بلا کسی علت اور وجہ کے آنحضورؐ کی ستّر صحیح اور ثابت حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ امام لیث نے امام مالکؒ پر افترا کیا ہوگا، اس لئے کہ امام لیث کی عظیم شخصیت اس سے بہت اونچی ہے کہ وہ کسی بھی عالم کے بارے میں اس طرح کی بات کہیں۔ امام مالکؒ کا مقام تو بہت اونچا ہے۔ لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ امام مالکؒ کے نزدیک ان ستّر حدیثوں کے چھوڑنے کی کوئی نہ کوئی علت ہوگی۔ جس کو انھوں نے خط و کتابت میں ظاہر کیا ہوگا، اگرچہ اس وقت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ مسائل کیا تھے اور ان مسائل میں ترک حدیث کی علت امام مالکؒ کے نزدیک کیا تھی۔ (جاری)

محمد ۱ جمل مغنانی

مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی

غیر مقلدین کی کرامات

کرامات قاضی محمد سلیمان صاحب منصورپوری

۱ - ایک بار آپ یوپی کے سفر سے واپس آ رہے تھے کہ الٰہ آباد اسٹیشن پر کچھ وقت کے لئے ٹھہرنا پڑا، آپ ویٹنگ روم تشریف لے گئے وہاں کوئی پیر صاحب بیٹھے تھے، جو اپنے مریدوں سے سجدہ کرا رہے تھے، قاضی صاحب نے متانت سے انہیں سمجھایا، مگر وہ نہ سمجھے، اور الٹے کہنے لگے کہ اچھا کچھ دیکھو یا دکھاؤ، قاضی جی نے کہا، کہ تمہیں دکھاؤ، کیا دکھانا چاہتے ہو، اس نے باہر سے بھی اپنے مرید بلائے اور سب کو کہا، کہ مجھے اچھی طرح سجدہ کرو، قاضی جی نے کہا، بس یہی دکھانا تھا، اس نے کہا ہاں، قاضی جی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، بس ہاتھوں کا اٹھانا تھا کہ پیر صاحب زار وزار رونے لگے اور کہنے لگے بس کیجئے میں توبہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی سجدہ نہ کراؤں گا، چنانچہ اسی وقت آپ نے اپنے مریدوں کو یہ ہدایت دیدی کہ خبردار آئندہ کبھی مجھے سجدہ نہ کرنا، سجدہ کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، اور وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے (راوی صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ افسوس مجھے ان پیر صاحب کا نام جو قاضی صاحب نے بتایا تھا یاد نہیں رہا۔)

۲ - پروفیسر محمد ظہورالدین احمد ایم، اے، ایل، ایل، بی بی، اے، ایس کمبئی جو قاضی صاحب مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ایک بار مجھے بدھ ازم کے مطالعہ کا شوق ہوا، چنانچہ میں نے ان کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا جن سے میں اتنا متاثر ہوا کہ جی چاہا بدھ مذہب اختیار کر لوں، اسی اثناء میں قاضی صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے

خود بخود ہی بدھ مذہب کی حقیقت بیان کرنی شروع کردی اور علمی اور عقلی رنگ میں اس کے اتنے عیوب بیان کئے کہ میرے دل میں اس سے نفرت پیدا ہوگئی، اور وہ تمام شکوک و شبہات بھی رفع ہوگئے، جو پیدا ہوگئے تھے۔

۳۔ پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب بی، اے علیگ جو قاضی صاحب کے شاگرد رشید اور خاص عزیز رہے ہیں، بیان فرماتے ہیں کہ بارہا ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، جب کسی مسئلہ کے متعلق ہمارے دل میں شک و شبہ پیدا ہوتا اور ہم اعتراض کرنا چاہتے تو آپ پہلے ہی سے اس کا جواب دے دیتے، جس سے ہماری تسلی ہو جاتی، چنانچہ اس ضمن پر پروفیسر صاحب نے کئی واقعات بھی بیان کئے ہیں (جو آپ کی سیرت میں درج ہونگے انشاء اللہ)

۴۔ جنوری ۱۹۳۰ء کو جب آپ نے حج پر جانے کیلئے رخصت کی درخواست دی تو وہ ۱۵ اپریل تک منظور نہ ہوئی، سب کا خیال یہی تھا کہ مہاراج آپ کو رخصت نہیں دیں گے کیونکہ امسال انھیں آپ کی خاص طور پر یہاں ضرورت ہے مگر ۲۵ اپریل کو آپ نے اعلان کردیا کہ جس جس کو ساتھ چلنا ہو تیار ہو جائے، احباب نے پوچھا، کیا درخواست منظور ہوگئی اور رخصت مل گئی، آپ نے فرمایا اس کا تو ابھی کوئی پتہ نہیں، مگر ہاں یہ پتہ ضرور چل گیا ہے کہ حج کو ضرور جاؤنگا چنانچہ ۴۵ آدمی آپ کے ساتھ تیار ہوئے، جب تیاری ہو چکی اور روانگی کا دن مقرر ہوگیا، تو آپ کی رخصت بھی منظور ہو کر آگئی۔

۵۔ آپ مسجد سکلی گراں میں ۲۰ سال تک وعظ کہتے رہے، جب سنہ ۱۹۳۰ء میں حج کو روانہ ہونے لگے تو نماز جمعہ کے بعد فرمایا کہ میرا یہ آخری جمعہ ہے، اگر اس اثنار میں کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو کہہ دے میں اس سے معافی مانگ لوں، چنانچہ کئی لوگ تاڑ گئے کہ معلوم ہوتا ہے اب آپ واپس نہیں آئیں گے، آپ کو کشف کے طور پر اپنی موت کا علم ہو چکا ہے (چنانچہ ایسا ہی ہوا، واپسی پر آپ جہاز ہی میں انتقال فرما گئے) اور کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ کی دلی دعا یہی ہوتی تھی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ۔

۶۔ جب آپ حج کو جا رہے تھے تو فرمایا کہ عبدالعزیز کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا (یعنی اپنا

پوتا) اس کا نام معز الدین حسن رکھنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۷۔ جب آپ حج پر تشریف لے گئے، اور مدینہ منورہ پہنچے، تو مسجد نبوی کے پیش امام آپ کی بہت مدارات کرنے لگے، ایک دن آپ جو اٹھے تو امام صاحب جوتیاں سیدھی کرنے لگے، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا تو امام صاحب نے کہا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ محمد سلیمان ہمارا مہمان ہے، اس کی مدارات میں فرق نہ کرنا۔

۸۔ خلیفہ ہدایت اللہ صاحب مینیجر رحمۃ اللعالمین کا بیان ہے کہ میرے پاس برما، بنگال بہاولپور وغیرہ سے کئی ایسے خطوط آئے ہیں جن میں یہ مرقوم ہے، کہ رحمۃ اللعالمین بھیجد یجئے کیونکہ ہمیں خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر مجھ سے محبت چاہتے ہو تو رحمۃ اللعالمین جو قاضی محمد سلیمان نے لکھی ہے پڑھا کرو۔

۹۔ مرزا محمد حسین صاحب سکنہ راہوں کا بیان ہے کہ ۱۸۹۱ء میں قاضی صاحب نے جب مرزا قادیانی کی تردید میں رسالہ غائت المرام شائع کیا، تو کسی نے آپ سے پوچھا، کہ آپ نے یہ رسالہ کیونکر لکھا، جواباً فرمایا، کہ ایک روز نماز جمعہ کے بعد مجھے القا ہوا کہ مرزا جی کے متعلق ایک کتاب لکھوں، چنانچہ اس کا مضمون بھی مجھے بتا دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا، اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ لو میں اب پھر سے کہتا ہوں کہ مرزا قادیانی حج نہیں کر سکے گا، اور یہی اس کی بطالت کی دلیل ہے، چنانچہ غائت المرام میں بھی یہ اعلان ہوا اور اس کے بعد مرزا قادیانی کئی سال تک زندہ رہا، مگر نہ اس رسالہ کا جواب لکھ سکا نہ حج کو جا سکا۔

۱۰۔ عبد الکریم آپ کے ایک دوست تھے جو نروانہ میں رہتے تھے وہ بیمار ہو گئے، اور بہت سخت بیمار ہوئے، آپ عیادت کے لیے تشریف لے گئے فرمایا کہ دواؤں پر روپیہ ضائع نہ کرو، سب دوائیں چھوڑ دو، اور صرف پلاؤ کھایا کرو، چنانچہ اس نے تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا علاج چھوڑ دیا، انھوں نے کہا کہ پلاؤ تمہارے لئے مفید نہیں مگر اس نے کہا کہ کچھ ہو قاضی صاحب کا ارشاد بلاوجہ نہیں، چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ روبصحت ہونے لگا

اور پھر اچھا بھلا ہو گیا۔

۱۱۔ راجپوتوں کے ہاں نکاح بیوگان کو نہایت معیوب سمجھا جاتا تھا، اور وہ اسے اپنی عزت اور آن کے خلاف سمجھتے تھے، اور کسی صورت میں اپنی بیوہ بیٹی یا بہو کے نکاح ثانی پر آمادہ نہ ہوتے تھے، آپ ایک بار ان کی بستی بڑبر ریاست نابھہ میں تشریف لے گئے اور منشی محمد چراغ خاں سررشتہ دار وغیرہ چند راجپوتوں کو جمع کر کے نکاح بیوگان کی تلقین کرنے لگے ابھی آپ نے چند ہی جملے ارشاد فرمائے تھے کہ سب نے اپنی رضامندی اور آمادگی کا اعلان کر دیا اور اسی دن ہی ان کے ہاں سے یہ رواج مٹ گیا، حالانکہ یہ پشتہا پشت سے برابر چلا آرہا تھا۔

۱۲۔ سید عبدالرزاق صاحب کرمانی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہولی کا دربار تھا، میں قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ دربار میں جانے کے لئے تیار تھے۔ (ریاست کے درباروں میں تمام افسروں کی حاضری حکماً ہوتی ہے اس لئے قاضی جی کا بھی جانا ضروری تھا) آپ سر سے پاؤں تک سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، میں حیران تھا کہ آج قاضی جی کے کپڑے کیونکر بچیں گے، کیونکہ ہولی کے موقعہ پر دربار میں اہلکار اور امراء آپس میں خوب رنگ رلیاں کرتے ہیں، اور راستہ میں بھی ہندو لوگ کوٹھوں سے راہ چلتوں پر رنگین پانی پھینکتے رہتے ہیں، اور اسقدر بیہودگی کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ کوئی شریف آدمی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا مگر جب قاضی جب دربار سے واپس آئے تو آپ کے کپڑے پر رنگ کا چھینٹا تک نہ پڑا تھا، میں نے سوال کیا، کیا جناب آج دربار میں نہیں گئے، آپ نے فرمایا، گیا تھا اور کیونکر نہ جاتا جب کہ وہاں حاضری دینی پڑتی ہے، میں نے پوچھا، پھر کیا دربار میں ہولی نہیں کھیلی گئی، آپ نے فرمایا کھیلی گئی، اور خوب کھیلی گئی میں نے کہا پھر آپ پر رنگ کا چھینٹا کیوں نہیں پڑا، آپ نے فرمایا، دیکھ لو، اللہ کی قدرت ہے اس نے بچا لیا، ورنہ وہاں تو وہ اُدھم مچا ہوا تھا کہ بچنا محال تھا۔

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

کیا آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں حیات حاصل ہے؟

مکرمی و محترمی حضرت مولانا زاد مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں یا مردہ، اہل سنت کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے، غیر مقلدین حضرات کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے، ایک صاحب سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے آیت کریمہ انک میت وانہم میتون سے استدلال کیا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں حیات حاصل نہیں ہے، براہ کرم زمزم میں اس کی وضاحت فرمائیں۔ والسلام

ناظم حسین انصاری بستی

زمزم! اہل سنت والجماعت کا عام طور پر عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قبر میں حیات حاصل ہے، اور یہی بات صحیح ہے۔

غیر مقلدین علماء اس بارے میں کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہیں، ان کے بعض اکابر حیات انبیاء علیہم السلام کے قائل ہیں اور بعض منکر۔

مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حیات انبیاء کا ہے فتاوی نذیریہ میں فرماتے ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ جو عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہونچایا جاتا ہے ۔(۱) (ص ۵۲/۱۷۰)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو روحانی زندگی حاصل ہے ۔

فتاویٰ ثنائیہ کا یہ فتویٰ ملاحظہ ہو

سوال ۔ نبی سب حیات ہیں یا نہیں ؟

جواب ۔ قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے انک میت وانھم میتون اے نبی تم بھی مرنے والے ہو اور یہ مخالفین سب بھی ایک دن مرنے والے ہیں ۔

رہی روحانی زندگی سو وہ انبیاء اور اولیاء وشہداء سب کو حاصل ہے ۔ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کا مذہب یہ ہے کہ .

انبیاء علیہم السلام کو روحانی زندگی بھی حاصل نہیں ہے (ص ۱۰/۱۷۰)

یعنی ان کے عقیدہ کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور عام انسانوں کی موت میں کوئی فرق نہیں جس طرح عام انسان کو خواہ کافر ہو یا مشرک قبر میں کسی طرح کی زندگی حاصل نہیں ہے یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ ان کو بھی قبر میں نہ روحانی زندگی حاصل ہے نہ جسمانی ، نہ مادی نہ برزخی ۔

مولانا سیف بنارسی مولانا امرتسری کے اوپر والے فتویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں :

حیات برزخی کا مسئلہ قیاسی نہیں ہے کہ حیات شہداء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الممات کو قیاس کیا جائے ، بلکہ اس کے لئے نص کا ہونا ضروری ہے ۔ آنحضرت کے لئے صاف ارشاد ہے ۔ انک میت ،

---

(۱) اور یہی مذہب نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی اور نواب وحید الزماں حیدر آبادی صاحب کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتابوں سے واضح ہے ۔

(یعنی بیشک آپ مرنے والے ہیں) آگے چل کر فرماتے ہیں۔

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ (۱) اگر آنحضور (صلے اللہ علیہ وسلم) قبر میں زندہ ہوتے تو رد روح چہ معنی دارد (یعنی روح کو سلام کا جواب دینے کے لئے لوٹائے جانے کا کیا مطلب) بخلاف شہداء کے کہ ان کی بابت اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے بل احیاء عند ربھم یرزقون (۲)

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۱۰۲)

آج کل کے بیشتر غیر مقلدین حضرات کا یہی عقیدہ و مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قبر شریف میں کسی طرح کی حیات حاصل نہیں ہے، اور یہ سب حضرات اس عقیدہ کی بنیاد قرآن کی اس آیت کو بناتے ہیں۔ انک میت وانھم میتون یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ کافر و مشرکین بھی مرنے والے ہیں۔

میں نے بہت غور کیا مگر مجھے کہیں سے بھی یہ آیت کریمہ منکرین حیات کیلئے دلیل سمجھ میں نہیں آئی، یہ آیت فی الاصل قرآن کے اس ارشاد کے معنی و منہ کی تاکید ہے وماجعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فھم الخلدون۔ یعنی اے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کو ہمیشہ ہمیشہ کی (دنیا کی) زندگی نہیں دی، اگر آپ کا دنیا سے رشتہ ختم ہو جائے اور آپ کو موت آجائے تو کیا یہ کفار و مشرکین دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

---

(۱) یعنی جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح کو میرے بدن میں واپس کر دیتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

(۲) یعنی شہداء اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں انھیں رزق دیا جاتا ہے۔

کہا یہ جارہا ہے کہ دنیا میں اگر آپ کو بقا نہیں تو کافروں و مشرکوں کو بھی بقا نہیں
اور اگر آپ پر موت طاری ہوگئی تو کافر و مشرک پر بھی موت طاری ہوگی، دنیا میں نہ
آپ کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے نہ کافروں کو۔

یہ مضمون اپنی جگہ پر بالکل برحق ہے، مگر اس کا تعلق انبیاء علیہم السلام یا آنحضور
اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی حیات سے کیا ہے۔

موت نام ہے جسد عنصری سے روح کے جدا ہوجانے کا، اتنی سی بات میں سارے
انسان مشترک ہیں، خواہ مومن ہوں، خواہ کافر، انبیاء ہوں یا اولیاء، اس دنیا
سے جانا سب کو ہے اور موت سب پر طاری ہوتی ہے، اور ہر ایک کے بدن سے اس کی
روح نکلتی ہے، اسی کا نام موت ہے، قرآن کی مذکورہ آیات سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا
ہے کہ مرنا سب کو ہے، مگر مرنے کے بعد قبر میں کیا تمام مرنے والے ایک درجہ میں ہوں گے، کفار
اور مومنین کی حالت ایک ہی ہوگی، انبیاء اور غیر انبیاء کی حالت میں کچھ فرق نہ ہوگا، میرا خیال
ہے کہ یہ بات کوئی صاحب ایمان اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتا[1] پس جب مومن اور کافر کی

---

(۱) افسوس جو بات کسی مسلمان کے وہم و گمان میں نہیں آنے والی تھی وہی بات مشہور غیر مقلد عالم
نواب صدیق حسن بھوپالی کا عقیدہ و مذہب بن کران کے قلم فیض رقم سے نکلی ہے، اپنی کتاب دلیل
الطالب میں وہ فرماتے ہیں:

وجملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و
در جواب برزائر برابر اند تخصیص با نبیاء و صلحاء نیست۔ (ص ۸۸۶)

یعنی تمام مردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر علم و شعور ادراک سننے
عمل کے پیش ہونے اور زیارت کنندہ کے جواب دینے میں برابر و یکساں ہیں،
اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں۔

مرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کا شعور ادراک اور علم کو عام مومنین کے برابر قرار دینا بہت بڑی

اور انبیاء اور غیر انبیاء کی ان کی قبروں میں حالت الگ الگ ہوگی تو اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو پروردگار عالم ان کے اجسام کے باقی رکھنے کے ساتھ اگر ان اجسام کے ساتھ انکی ارواح کا بھی تعلق قائم فرمادیں تو اس میں استحالہ اور استبعاد کیا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بدنوں کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی ہے جب انبیاء کے ابدان محفوظ ہوتے ہیں تو اگر ان بدنوں کے ساتھ روح کا رشتہ بھی قائم رہے، تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کا انکار کرنا کیوں ضروری ہوگا جب کہ متعدد احادیث سے اس کا ثبوت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس درود و سلام پڑھنے والوں کا درود وسلام سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں ۔

جرأت کی بات ہے، کہاں انبیاء علیہم السلام کا مقام علم وعرفان وعلم وشعور اور کہاں عامہ مومنین کا علم وعرفان وعلم وشعور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

اور یہاں تو خاں صاحب نے غضب ہی کر دیا ہے کہ مومنین اور صلحاء کی بات تو الگ وہ فرماتے ہیں کہ کفار کا شعور اور ادراک اور علم بھی مرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کے برابر ہوتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ نواب صاحب بھوپالی نے یہ بات شعور آگہی کی حالت میں رقم فرمائی تھی یا یہ کہ جس وقت وہ لکھ رہے تھے ان پر ذہول ونسیان اور بے شعوری کی حالت طاری تھی ۔

اگر انبیاء علیہم السلام حالت زندگی میں اپنے اپنے زمانوں میں علم وشعور اور قوت ادراک میں تمام امتوں سے افضل اور بڑھے ہوئے ہیں تو مرنے کے بعد ان کی یہ قوتیں اور ان کے یہ علم عام انسانوں کے برابر کیسے ہو جائیں گے، حتیٰ کہ کفار اور انبیاء علیہم السلام میں بھی کوئی فرق نہیں رہے گا ۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

منکرین حیات کی تحریروں میں مجھے اب تک کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے قبر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کی نفی ہوتی ہو، البتہ متعدد احادیث اس نوع کی ضرور ہیں جن سے ان کی حیات کا پتہ چلتا ہے۔

اور جن آیات سے منکرین حیات استدلال کرتے ہیں ان کا تعلق قبر کی حیات سے ہے ہی نہیں اس میں صرف اس کا ذکر ہے کہ اس دنیا میں کسی بھی انسان کو دائمی بقا نہیں۔ اور یہ عقیدہ سارے مسلمانوں کا ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں، قرآن کی کسی آیت یا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے انبیاء کی حیات فی القبور کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔

اور اب آخر میں یہ بھی جان لیجئے کہ قبر میں پہنچنے کے بعد انسان کا ادراک اور شعور اور احساس بہت بڑھ جاتا ہے، اس وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو جو قبر میں حیات ہے وہ دنیا کی حیات سے ادراک وشعور کے اعتبار سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

میرے نزدیک جو صحیح بات تھی وہ عرض کر دی گئی، یہ مسئلہ کافی اختلافی ہے مگر عموماً اہلسنت والجماعت کے اکابر کا مسلک یہی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قبر میں حیات حاصل ہے، اور ادراک وشعور اور علم واحساس کے اعتبار سے یہ زندگی دنیا کی زندگی سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔

اگر ان گذارشات سے تسلی نہ ہوئی ہو تو انشاء اللہ اس موضوع پر مفصل ایک تحریر شائع کر دی جائے گی۔

آخر میں ایک بات یہ بھی یاد رکھئے کہ حیات انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ مدار ایمان نہیں ہے کہ بلا اس عقیدہ کے کسی کے ایمان میں نقصان ہوگا۔ اسلئے اس بارے میں بہت زیادہ بحث ومباحثہ سے بچنا چاہیے، عموماً اس طرح کی بحثوں میں زیادہ پڑنے سے آدمی اعتدال کی راہ سے بھٹک جاتا ہے، اگر کوئی حیات انبیاء کا قائل نہیں ہے تو یہ اس کا معاملہ ہے، ہم لوگوں کو اپنا عقیدہ جمہور اہل سنت کے مطابق رکھنا چاہیئے خواہ تقلید ہو یا تحقیق، اسی میں ہر طرح کی خیروعافیت ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

انگریزی تعلیم ضرورت ہے نہ کہ فخر کی چیز

مکرمی حضرت مولانا زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ہمارے ایک دوست کے بچوں اور بچیوں نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور ان کے بعض بچے اور بچیاں ملازمتوں میں ہیں، ہمارے دوست بار بار اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو بڑا نوازا ہے، اولاد صالح دی ہے، بچیاں بھی ملازمت پر لگ گئی ہیں۔

آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا انگریزی تعلیم، یا اونچی دنیا کی ملازمتیں یا بچیوں کا ملازمت حاصل کرنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اس کو اللہ کی نعمت سمجھا جائے۔

اعزاز الدین دربھنگہ

زمزم ! انگریزی تعلیم حاصل کرنا ضرورۃً تو جائز ہے، مگر یہ فخر کرنے کی چیز نہیں ہے، اگر کسی کی اولاد صالح ہے تو بلاشبہ وہ نعمت ہے، البتہ اپنے بچوں کو صرف انگریزی تعلیم دلانا اور ان کی اونچی ملازمتوں کو بڑی نعمت سمجھنا یہ دینداروں کا کام نہیں ہے، جن کا ذہن خالص مادہ پرست ہوتا ہے اور جن کی نگاہ میں دنیا کا عیش و آرام ہی سب کچھ ہے وہی لوگ ان چیزوں کو قابل فخر اور باعث عزت سمجھتے ہیں، بچیوں کا انگریزی تعلیم حاصل کرنا اور ان کا ملازمت حاصل کرنا شریف گھرانے پسند نہیں کرتے اور نہ یہ چیز باعث فخر و عزت ہے۔

ہمارا معاشرہ بگڑ چکا ہے، اس وجہ سے جو چیزیں محض ضرورۃً جائز تھیں انھیں کو ہم نے اصل سمجھ لیا ہے، اور دینی تعلیم کی ہمارے نگاہ میں قدر نہیں رہ گئی ہے۔

لیکن جب ہمارا معاشرہ خالص اسلامی تھا، تو کتاب وسنت ہی کی تعلیم حاصل کرنا باعث فخر اور وجہ عزت تھا، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ایک بچہ کی وفات ہوئی، اس کی وفات کے بعد آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے خاندان میں برکت کے لئے دعا فرمائی، ایک انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوطلحہ کی بیوی کے بطن سے نو اولادیں ہوئیں۔ اور سب نے قرآن کا علم حاصل کیا تھا۔

کسی زمانہ میں قرآن کا علم حاصل کرنا ہی باعثِ عزت وقابلِ رشک تھا، یہ اسلامی معاشرہ کی بات تھی جب کہ روحانیت اور دینداری کا غلبہ تھا، اب چونکہ ہمارا مزاج غیر اسلامی بن گیا ہے، اور ہماری زندگی پر مادیت کا غلبہ ہے اس وجہ سے ہمیں اپنی عزت بھی اسی چیز میں نظر آتی ہے جس سے ہماری دنیاوی شان وشوکت میں اضافہ ہو جائے ہمارے گھروں سے دین کا نام ونشان مٹ جائے، اور آخرت برباد ہو جائے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

ص۱۶ کا بقیہ :۔

میں آئیں، موجودہ ہندوستان میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا، کٹھن مسائل میں عوام وعلماء ان کی طرف رجوع کرتے ہسلم پرسنل لا پر ان کی بڑی گہری نظر تھی، ان کی وفات سے علمی دنیا میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا اور دارالعلوم دیوبند کا ایک عظیم سپوت ہم سے جدا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی لغزشوں کو معاف کرے اور حضرت قاضی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

اشاعۃ السنہ کا نیا انداز

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی آپ نے اشاعۃ السنہ دہلی کی چار شماروں پر مشتمل خصوصی اشاعت کا مطالعہ کر لیا ؟

باپ ۔ جی بیٹا ہمارے فاضل مضمون نگاروں نے اس اشاعت کو خصوصی بنانے میں خصوصی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے جگہ جگہ اس اشاعت میں اشاعۃ السنہ کے نقش و نگار جگمگاتے جھلملاتے چمچماتے نظر آتے ہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی ، آپ واقعی یہ بات کہہ رہے ہیں یا آپ کا مقصد کچھ اور ہے ؟

باپ ۔ بیٹا ۔ میں واقعی یہ بات کہہ رہا ہوں ، اس کے ہر مضمون نگار نے اشاعۃ السنہ کی پوری کوشش کی ہے ، اور کیوں نہ ایسا ہو ، اس کے بیشتر مقالہ نگاروں میں کوئی پی ایچ ڈی ہے ، کوئی ڈی ایچ پی ہے اور کوئی ایچ پی ڈی ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی میں نے بھی اس کا مطالعہ کیا ہے ، مگر مجھ کو سارے کے سارے مضامین پھکڑپنے ، گالی گلوج بدزبانی وفحش کلامی کے نمونے ہی نظر آئے ، میں یہاں ایک مضمون سے صرف دو مثالیں پیش کروں گا ، علامہ کوثری کے خواہ ہم اور ہماری جماعت معترف نہ ہو

مگر ایک دنیا ان کو علمی دنیا کا زبردست محقق عالم تسلیم کرتی ہے، اگرچہ ہمارا ان سے اختلاف ہے مگر حق بات یہ ہے کہ ان جیسا صاحب فضل و کمال ادھر صدیوں میں دیکھنے کو کم ہی ملا ہے، ان کی تمام کتابیں بحث و تحقیق کا انمول سرمایہ ہیں، ان جیسے فاضل محقق کے بارے میں ایک مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں :

"کوثری کون تھا وہی جس کو شیخ ابن باز نے مجنون ابی حنیفہ بتلایا ہے، وہی جس نے صحابہ و تابعین کو کبار محدثین میں سے تین سو سے زیادہ لوگوں کی اپنی کتاب التانیب علی الخطیب میں تجریح و توہین کی ہے، جس سے بڑا دریدہ دہن، گستاخ، گمراہ اور بدتمیز اس صدی میں پیدا نہیں ہوا، ڈاکٹر کریم ٹیپوی شوق نیموی اور احمد رضا خاں بھی اتنے گستاخ نہیں رہے ہونگے۔"

(ص ۱۸۴)

باپ - بیٹا ذرا ٹھہرو، دیکھو یہ مضمون عبدالمعید صاحب کا ہوگا، بیٹا ان کی زبان و بیان میں عکس ہوتا ہے ان کے خاندانی ماحول کا، ان کے خاندان میں شریف زادیاں بہت رہی ہیں، یہ بھی انھیں میں سے ایک شریف زادی کے بطن سے برآمد ہوئے ہیں، اگر مزید ان کا شریف زادیوں والا رنگ دیکھنا ہے تو ان کی کتاب خمار زہد جو اسلم ملک کے فرضی نام سے انھوں نے شائع کی ہے، دیکھ لو اس کتاب میں ان کے قلم و زبان کا برہنہ پن و عریانیت اس سے بھی زیادہ عروج پر ہے۔

بیٹا - اباجی، آپ تو ہمیں عبدالمعید صاحب کے خاندانی حالات سے آگاہ کرنے لگے، ان کا ورود مسعود یا خروج محمود کہیں سے ہوا ہو ہمیں اس سے کیا لینا دینا، ان کی شریفانہ زبان و بیان کا یہ دوسرا نمونہ دیکھئے، اس میں زبردست اشاعت آلستہ ہے۔ فرماتے ہیں عبدالمعید صاحب !

"تصوف نے گمراہی کے ہر کام کروائے ہیں صوفیاء کی قبریں ان کے تصوف کے سبب آباد ہیں اور ہر طرف صوفیا پوجے جاتے ہیں۔" ص ۱۹۸

باپ ۔ بیٹا یہ شخص اللہ والوں کا دشمن بنا ہوا ہے، اور جو شخص اللہ کے نیک بندوں کا دشمن بن جاتا ہے اس کی سوچ اس کی فکر اس کی فہم اس کے قلم اور اس کی زبان سب پر شیطان پیشاب کرتا رہتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو پھر عبدالمعید جیسے شیطان زدہ لوگ زبان و بیان کا یہ نمونہ نہیں پیش کریں گے تو دوسرا کون اس قسم کے نمونے پیش کرے گا؟

بیٹا ۔ ابا جی، علامہ کوثری کے علم کے ایک چھینٹ سے کتنے عبدالمعید جیسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں پھر ان کو ان کے بارے میں اس بیہودہ گوئی کی جرأت کیسے ہوئی؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

ایک عالم فاضل قابل پی ایچ ڈی سلفی مولانا صاحب

بیٹا ۔ ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی وہ تحفہ آج ہی مل ہی گیا جس کا ہمیں انتظار تھا

باپ ۔ وہ کون سا تحفہ ہے بیٹا؟

بیٹا ۔ ابا جی، اشاعۃ السنہ دہلی کا خاص نمبر جس میں دیوبندیوں کا بخیہ ادھیڑ دینے کی بات کہی جا رہی تھی وہ آج ڈاکیہ دے گیا۔

باپ ۔ بیٹا، یہ نمبر شیخ جن حفظہ اللہ کے پاس دو روز پہلے ہی آ گیا میں اس کا مطالعہ کر چکا ہوں بڑے خاصے کی چیز ہے، اشاعۃ السنہ کی زبردست جدوجہد ہمارے نوجوان فضلاء کر رہے ہیں، ایک سے ایک بڑا قلمکار نظر آنے لگا ہے۔

بیٹا ۔ ابا جی تو آپ نے ڈاکٹر محمد یونس ارشد والا مضمون بھی پڑھ لیا ہوگا، مولانا اسعد مدنی کے علم و قابلیت کا ایسا بھانڈا پھوڑا ہے کہ مزا آ گیا، شیخ کو حفظہ اللہ تو اسے پڑھ کر جھومتے جھومتے بے حال ہو گئے، اور بابا میگزین حفظہ اللہ پر تو وہ حال طاری ہوا جو

شیخ الکل فی الکل رحمہ اللہ علیہ پر مرض الموت میں طاری ہوا تھا، جب وہ عالم مدہوشی میں تین تین روز تک کئی کئی گھنٹہ جاتوں کو نہایت قلق سے دعا کرتے تھے۔

باپ ۔ موصوف نے مولانا اسعد صاحب کے بارے میں کیا لکھا ہے؟

بیٹا ۔ ابا جی، ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ

جہاں تک ان کی صلاحیت و معلومات کا تعلق ہے اس کے بارے میں اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ مولانا عامر عثمانی زندہ رہتے تو آنجناب کی قابلیت کو تفصیل سے بیان کرتے، ایک بار انھوں نے ماہنامہ تجلی میں ان کی صلاحیت و علمیت کا یہ خلاصہ تحریر کیا تھا کہ اگر مولوی اسعد کسی بھی عربی کتاب (اعراب کے بغیر ہو) کی ایک سطر بھی پڑھ دیں تو اس دن سے ان کو میں " مولانا " لکھنا شروع کر دوں گا۔ (صـ۲۴۱)

باپ ۔ بیٹا، مولانا اسعد کے بارے میں یہ پڑھ کر مزا تو مجھے بہت آیا تھا مگر جب اس صفحہ کے بعد کا صفحہ پڑھا تو سارا مزا کرکرا ہوگیا اور خود ڈاکٹر ارشد کے علم و قابلیت کا ایسا نمونہ سامنے آگیا کہ سر شرم سے جھک گیا ۔ اور ان کی پی ایچ ڈیت اور ڈاکٹریت پر لاحول پڑھنے کو جی چاہا۔

بیٹا ۔ ابا جی ذرا ہمیں بھی اس سے محظوظ فرمائیں۔

باپ ۔ بیٹا ڈاکٹر ارشد نے جب مولانا اسعد کی عربی قابلیت کا مذاق اڑایا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے ان کو چار جوتہ لگا کر یہ دکھلایا کہ تمہاری قابلیت کا حال تو یہ ہے کہ عربی کی بات تو دور رہی، تم فارسی کے دو شعر بھی نہ صحیح لکھ سکتے ہو اور نہ صحیح سمجھ سکتے ہو پہلے اپنی قابلیت کا رونا رو لو تو مولانا اسعد کی قابلیت و علمیت کا رونا رو لینا۔

انھوں نے فارسی کے جو دو شعر نقل کئے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نہ رسیدی تمام دیہی ست

اور بتلایا ہے کہ یہ شعر علامہ اقبال کا ہے، اگر یہ شعر علامہ اقبال کا ہے تو ان کی روح

قبر میں تڑپ رہی ہوگی کہ ان کی زبان سے ایسا شعر بھی نکلا تھا۔
اور دوسرا شعر یہ نقل کیا ہے۔

بگیر راہ حسین اصرار خدا خواہی
کہ نائب ست نبی راو ہم زوال نبی ست

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جس کو دو شعر فارسی کا بھی صحیح لکھنا اور سمجھنا نہ آتا ہو وہ مولانا اسعد کی علمی استعداد و عربی صلاحیت پر پھبتی کستا ہے۔ اشاعۃ السنہ کا کتنا شاندار کارنامہ ہے یہ۔

بیٹا - اباجی یہ وہی ارشد یونس تو نہیں ہیں جو بلرام پور میں کنھیالال پنساری کی دوکان پر پڑیا باندھا کرتے تھے اور شام کو روزانہ بیڑی کا ایک بنڈل مزدوری میں ان کو ملا کرتا تھا پھر شیخ جام جم حفظہ اللہ نے ان کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور یہ ڈرامائی طریقہ پر ڈاکٹر بن گئے، یعنی نہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور رنگ آ گیا چوکھا۔
باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

بقیہ صفحہ ۶۳

سنا ہے اسی در پہ رکتا تھا آکر ، مسافر اگر ہو کوئی بھولا بسریٰ
سنا ہے یتیموں غلاموں کا والی ، یہیں آج آرام فرما رہا ہے
سنا ہے اسی در کی برکت سے مومن ، عبادت کا اصلی مزا پا رہا ہے
غرض جو سنا تھا خدا کا کرم ہے ، میں خود جا کے باچشم نم دیکھ آیا
خدا کی قسم جو سنا تھا وہ کم ہے وہاں کا تو عالم ہی کچھ اور پایا

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۳

بمبئی اور گجرات کا ایک سفر

بمبئی کی عظیم تحفظ سنت کانفرنس

جامعہ علوم القرآن جمبوسر سے ہم تقریباً ساڑھے بارہ بجے رخصت ہوئے، مولانا احمد صاحب دامت برکاتہم نے حسب عادت قدیمہ گاڑی پر بیٹھتے بیٹھتے ایک لفافہ میرے جیب میں ڈالدیا۔ یہ ان کی طرف سے مزید اعزاز و اکرام ہوتا ہے۔ جب ہم وہاں سے رخصت ہوئے تو اس کا افسوس رہا کہ مولانا احمد صاحب کے بھائی اور میرے عزیز ترین شاگرد مولوی محمد فاضل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، ممبئی کے سفر پر تھے ان سے ملاقات نہ ہوسکی، مولانا محمد اس جامعہ میں اچھے مدرس اور اپنے بھائی کے دست راست ہیں، قرآن اتنا اچھا پڑھتے ہیں کہ جی خوش ہو جائے، ان سے ملاقات نہ ہوسکی اس کا افسوس رہا۔

ساڑھے بارہ بجے ہم نے جمبوسر کو چھوڑ دیا اور عصر کے قریب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل آگئے، عزیزم مولانا احمد بزرگ سلمہ اور مولانا مفتی محمود سلمہ نے ایک روز ساحل سمندر کی تفریح کا پروگرام بنایا تھا اور وہ آج ہی کا دن تھا، عصر بعد میں اور یہ دونوں حضرات اور عزیزم مولانا حافظ قاری عبدالرحمٰن سلمہ چاروں کا قافلہ ساحل سمندر کیلئے نکلا، ڈابھیل سے چودہ پندرہ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ابر ہاٹ نام کی ایک جگہ ہے، جہاں بحر عرب اپنی پوری وسعت کے ساتھ ٹھاٹھیں مارتا ہے، یہ بڑی پرلطف اور تفریح کی جگہ ہے۔ عزیزم عبدالرحمٰن سلمہ نے

خاص اس تقریب کے لئے بہت لطیف اور عمدہ اور وافر مقدار میں زاد راہ تیار کروا رکھا تھا، عصر بعد وہاں ہم لوگ پہونچے، سمندر کی فضا سے لطف اندوز ہوتے رہے، مغرب بعد وہاں سے واپسی ہوئی، اسی شب عام طلبہ میں خطاب تھا، تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ طلبہ سے رد غیر مقلدیت کے موضوع پر خطاب ہوا، دوسرے روز کا دن بھی مشغول رہا طلبہ آتے جاتے رہے، اس روز لاجپور اپنے قدیم کرمفرما بھائی میاں مولانا اسمٰعیل بن مولانا مرغوب احمد صاحب سے ملنے گیا مولانا مرغوب گجرات کے جید الاستعداد اور بہت معروف عالم و مفتی تھے مولانا اسمٰعیل کے صاحبزادے ہیں، بڑے نیک خلیق ملنسار و مہمان نواز علم دوست اور بے تکلف سیدھے سادے آدمی ہیں، جب میں گجرات میں تھا تو میں اور حضرت قاری احمد اللہ صاحب قاسمی مدظلہٗ مہینہ میں ایک دو دفعہ خصوصاً جمعہ کے روز ان کے یہاں جایا کرتے تھے، وہ تعلق آج تک قائم ہے، بھائی میاں کے صاحبزادے اپنے دادا کے ہم نام عزیزم مولانا مرغوب احمد سلمہ میرے شاگرد ہیں اور لندن میں رہتے ہیں اور دین و دعوت کے کام میں لگے ہوئے ہیں، لکھنے پڑھنے کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔

اسی روز رات میں مجھے گجرات میں حالیہ پیش آنے والے خطرناک زلزلے والے علاقہ انجار اور بھج جانا تھا۔ جہاں جمعیۃ علماء ہند اور ڈابھیل کی فلاح المسلمین اور دوسری بعض تنظیمیں مسلمانوں کی باز آبادکاری کے کام میں لگی ہوئی ہیں، میرے رفیق سفر عزیزم محمد زکی سلمہٗ بارڈولی تھے۔ جس روز ہم لوگ پہونچے جمعہ کا دن تھا، گاڑی لیٹ تھی، فلاح المسلمین کے ذمہ داروں کو جو وہاں کام کر رہے ہیں اطلاع کر دی گئی تھی، وہ لوگ اسٹیشن پر موجود تھے، چونکہ مجھے اسی روز واپس ہونا تھا واپسی رات میں تھی صرف چند ہی گھنٹوں کا موقع تھا اسلئے میں نے ان لوگوں سے جو مجھے لینے آئے تھے کہا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے مجھے اسی وقت ان جگہوں کو دکھلائیے جہاں تباہی زیادہ ہے اور جہاں ادارہ فلاح المسلمین کا کام ہوا ہے، ٹرین ہی سے بہت سی جگہوں کی تباہی دیکھ چکا تھا، مگر یہاں جب بہت قریب سے زلزلہ کی تباہیاں دیکھنے کا موقع ملا، تو ہر طرف سامان عبرت تھا، بھج کا پورا شہر ٹوٹ پھوٹ گیا ہے، جو تنظیمیں یہاں کام کر رہی ہیں ان میں فلاح المسلمین کا کام بہت مؤثر ہے

۔ پچاسوں مکانات کی تعمیر ہورہی تھی، کچھ مکمل تھے کچھ مکمل ہونے کے قریب تھے، ان تنظیموں کے بس میں جو کچھ ہے وہ کر رہی ہیں مگر فی الاصل یہ کام حکومت کا ہے اور حکومت بالکل بے پرواہ نظر آرہی ہے، جمعہ میں بھچ شہر کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ سے پہلے میری تقریر ہوئی جو زلزلہ کی پریشانیوں کی مناسبت سے تھی، جمعہ سے پہلے ہی انجار جمعیۃ علماء کے کیمپ میں کام کرنیوالے مولانا حکیم الدین پرتابگڈھی کو اپنے بھچ پہنچنے کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ مولانا حکیم الدین جمعیۃ علماء ہند کے بہت فعال کارکن ہیں، مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بمبئی بھی آئے تھے اور انھوں نے اس علاقہ کے دورہ کی بطور خصوص دعوت بھی دی تھی، جب ان کو میرے بھچ آنے کی اطلاع ملی تو وہ ہمہ تن شوق بن گئے اور کہا کہ جمعہ بعد فوراً آپ انجار آجائیے ۔ دوپہر کا کھانا کھا کر ہم لوگ انجار کے لئے نکلے اور عصر کے قریب انجار جمعیۃ کے کیمپ میں پہنچ گئے، جہاں یہ کیمپ لگا تھا وہ ایک بہت بڑی جگہ ہے، جو ایک غیر مسلم کی ہے جمعیۃ کا زلزلہ کے موقع پر ریلیف کا کام دیکھ کر وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اس جگہ میں بارہ ایکڑ زمین جمعیۃ کو دے دی جہاں جمعیۃ علماء نے چلڈرن ویلج قائم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، انجار اور اس کے آس پاس کی تباہی کا منظر قیامت کو یاد دلانے والا تھا بڑی بڑی بلڈنگیں زیر زمین تھیں، ہر طرف تباہی کے آثار تھے، اجڑے ہوئے خاندان ادھر ادھر کیمپوں میں بسے ہوئے تھے۔ مولانا حکیم الدین نے بڑے خلوص و محبت سے تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ جگہوں کو دکھلایا۔ عصر بعد میں انجار جمعیۃ کیمپ میں بیٹھا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی معلوم ہوا کہ دہلی سے فون ہے اور حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں، حضرت مولانا نے ڈابھیل فون کیا تھا وہاں سے ان کو معلوم ہوا کہ میں انجار ہوں اسلئے یہاں فون کیا کہنے لگے کہ انجار میں کون سے غیر مقلدین بسے ہیں کہ آپ وہاں پہنچ گئے پھر فرمایا کہ ڈابھیل سے واپسی میں دہلی ہوکر جاؤ کچھ ضروری کام ہے ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت پرسوں ہی کا ٹکٹ سورت سے بنارس تک کا بن چکا ہے ۔ اور میرا یہ سفر کافی طویل ہوگیا ہے گھر جانا چاہتا ہوں، مگر مولانا نے اصرار کیا کہ نہیں تھوڑی دیر کے لئے دہلی آجاؤ دہلی سے میں تمہارا دس جون کا ٹکٹ بنوا رہا ہوں

گیارہ کو غازی پور پہنچ جاؤ گے۔ یہ گفتگو آٹھ تاریخ کو ہو رہی ہے، پریشان تھا کہ دہلی کا ٹکٹ کیسے بنے گا، مگر مولانا احمد بزرگ اور مولانا مفتی محمود دلہما ہمارے لئے ہر مرض کا علاج ثابت ہوتے ہیں، انھوں نے اس کا انتظام کر دیا، مولانا محمود نے ہنس کر بتلایا کہ مولانا آپ کا یہ ٹکٹ ساتویں بار کینسل ہو رہا ہے، پھر پتہ چلا کہ یہ دونوں حضرات یہ اندازہ کر کے کہ میں ایک روز اور رک سکتا ہوں، ٹکٹ کینسل کراتے اور دوسرا بنواتے رہتے تھے۔

انجار سے ہم لوگ گاندھی نگر آئے اور وہاں سے ٹرین پر سوار ہوئے بجے نوساری اسٹیشن پہنچ گئے جہاں عزیزم مولانا احمد بزرگ اور ان کے برادر خورد حافظ قاری عبدالرحمٰن بزرگ سلمہ گاڑی لئے حاضر تھے۔ ۸ر تاریخ کو بارڈولی جانا تھا اور رات میں وہیں قیام کرنا تھا۔ چنانچہ حسب پروگرام جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے درجہ افتاء کے طالب علم عزیزم محمد جابر احمد نگری سلمہ کے ساتھ ظہر سے پہلے بارڈولی پہنچا، جیسا کہ میں نے پہلے بتلایا ہے کہ بارڈولی میں میرے بہت ہی عزیز شاگرد مولانا محمد زکی سلمہ رہتے ہیں ان کو مجھ سے غایت درجہ کا تعلق ہے، ان کے بچے بھی مجھ سے بہت مانوس ہیں، میرا قیام بارڈولی میں انھیں کے گھر ہوتا ہے، اور مجھے یہاں بہت سکون ملتا ہے، پورا دن بارڈولی میں رہا، عزیزم محمد زکی سلمہ نے عشاء بعد بارڈولی کی مینارہ مسجد میں تقریر کا پروگرام رکھا تھا، ظہر بعد لوگ ملنے آتے رہے، مفتی محمد ابراہیم نز با کو مجھ سے بہت تعلق ہے، انھوں نے زیادہ تر وقت میرے ساتھ گزارا، مفتی محمود سلمہ کے والد ظہر بعد تقریباً تین بجے ملنے آئے اور عصر بعد آم کی دعوت کے لئے اپنے گھر مدعو کیا، آم کا موسم ختم ہو رہا تھا مگر مفتی محمود سلمہ نے اپنے والد کو فون پر اس کا اہتمام کرنے کو کہا تھا، اور انھوں نے اس کا خاصا اہتمام کیا تھا خوب جی بھر کے آم کھایا گیا، رات کی تقریر میں نے مختصر کی، طبیعت تھکی تھی مسلسل سفر کی وجہ سے طبیعت آرام کو چاہ رہی تھی رات آرام سے گذری صبح ڈابھیل کے لئے روانگی تھی۔ ۹ر جون آج کا دن تھا اور آج ہی مجھے رات میں دہلی کا سفر کرنا تھا۔ ڈابھیل میں میرے دو عزیز شاگرد ہیں، مولانا اسماعیل سملکی اور مولانا عثمان غنی ملاڑوی، ڈابھیل پہنچنے پر ان دونوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ایک

وقت میں ان کے یہاں کھانا ضرور کھاؤں، دوپہر کا کھانا مولانا اسماعیل سلمہ کے یہاں تھا اور رات کا کھانا مولانا عثمان غنی کے یہاں، یہ حضرات کھانے میں بہت تکلف کرتے ہیں۔ ان دونوں دعوتوں میں میرے ساتھ جامعہ اسلامیہ کے کئی اساتذہ اور بھی تھے "ملاڑا" میں کھانے سے فراغت کے بعد سورت ہم روانہ ہو گئے، مجھے رخصت کرنے کیلئے مولانا احمد بزرگ، مولانا قاری عبدالرحمٰن بزرگ اور جامعہ کے طالب علم عزیزم محمد جابر احمد نگری اور عزیزم محمد حارث سلمہٗ پالنپوری تھے۔ گاڑی کا وقت نو بجے شب میں تھا جو آدھ گھنٹہ لیٹ ساڑھے نو بجے آئی، اس طرح میں ان حضرات کی محبتوں کا سرمایہ لئے دوسرے روز دہلی پہونچا، حضرت مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی اور پھر اسی روز ۱۰ ؍جون کو لچھوی اکسپریس پر سوار ہو کر دوسرے روز صبح بنارس اور بنارس سے غازی پور بعافیت آگیا، اس طرح یہ ۲۲ ؍مئی سے شروع ہوا سفر ۱۱ ؍جون کو بخیر و خوبی ختم ہوا، بمبئی اور گجرات کے سفر کا بیان تو ختم ہو گیا، مگر اس میں بعض دوستوں اور عزیزوں کا تذکرہ رہ گیا ہے جسے اب لکھ رہا ہوں۔

ڈابھیل کے موجودہ اساتذہ اور کارکنوں میں سے مجھے جن سے بہت زیادہ مناسبت اور انسیت ہے، ان میں ایک تو حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری ہیں، دوسرے حضرت مولانا قاری احمداللہ صاحب بھاگلپوری ہیں، تیسرے مولانا موسیٰ صاحب کھر کودری ناظم کتب خانہ ہیں۔

جب میں ڈابھیل پہونچا تو معلوم ہوا کہ مولانا مفتی خانپوری صاحب اور مولانا قاری احمداللہ صاحب موجود نہیں ہیں، مفتی صاحب تو امریکہ وغیرہ کے سفر پر تھے اور قاری صاحب امتحان ششماہی کی چھٹی پر گھر گئے ہوئے تھے۔ مگر یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات میری موجودگی ہی میں آجائیں گے۔ اور الحمدللہ ایسا ہی ہوا اور میرے زمانہ قیام ڈابھیل میں یہ دونوں حضرات آگئے۔

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب ایک جید الاستعداد عالم و مفتی ہیں

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں، گجرات میں ان کا علمی وروحانی فیض جاری ہے، اللہ نے بڑی محبوبیت ومقبولیت دی ہے، جامعہ کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں، میرے ساتھ بے تکلفی اور محبت کا تعلق ہے، اس سے پہلے ڈابھیل کے سفروں میں میں ان کی قیامگاہ کے متصل ہی بنے مہمان خانہ میں مقیم ہوا کرتا تھا، تو یہ اور ان کے بچے اور بچیاں اور گھر کے سبھی میرے کھانے پینے چائے ناشتہ کا بڑے اہتمام سے انتظام کرتے تھے اور ایک ایک ضرورت کا خیال رکھتے تھے، مفتی احمد خانپوری دام مجدہ بڑے ہنس مکھ لطیفہ گو اور تصنع اور تکلف سے پاک صاف آدمی ہیں، مجھے ان کی یہی بے تکلفی اور سادگی بہت پسند ہے، فیاض اور سخی بھی ہیں، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شعبہ افتاء کے نگراں ہیں اور بخاری جلد دوم پڑھاتے ہیں اور عرصہ سے بلا تنخواہ محض للہ جامعہ میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، سفر سے جب یہ واپس آئے اور انھیں معلوم ہوا کہ میں آیا ہوں تو خود ہی مہمان خانہ میں ملنے چلے آئے، اتفاق سے میں سو رہا تھا تو واپس چلے گئے، میں جب سو کر اٹھا تو دارالافتاء میں ان سے ملنے گیا وہ کچھ لوگوں کے ساتھ مصروف گفتگو تھے، میں نے ایک پرزہ پر یہ شعر لکھ کر کے ان کو دے دیا

کیا خوب مزہ ہوتا ہر طرف سماں ہوتا
لندن سے اگر لاتے کسی لندنی کو ساتھ

(مولانا لندن تین روز قیام کر کے آئے تھے) پرزہ پڑھا مسکرا کر کے رکھدیا، اب انھوں نے اگر یہ شعر اپنے بچوں کی والدہ کو بھی سنا دیا ہو تو معلوم نہیں وہ بیچاری میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی۔ امید ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا۔

مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری کے یہاں کھانا پینا تو میرا معمول ہی ہے مگر ایک روز بطور خصوص میری دعوت کرتے ہیں اور وہ ایک عربی کھانا ہوتا ہے جس کا نام میں بھول رہا ہوں، مگر وہ ہوتا ہے بہت لذیذ اور ان کے گھر بہت عمدہ بنتا ہے، اس دفعہ بھی ایک روز ان کی یہ مخصوص دعوت تھی۔ جس روز مجھے آنا تھا عصر بعد ان سے

کچھ لوگ جو سورت کے بڑے معتقد اور اصحاب ثروت خاندان کے لوگ تھے ملنے آگئے مولانا مفتی احمد صاحب نے ان سے کہا کہ آج مولانا غازی پوری صاحب کی واپسی ہے اسلئے یہ وقت میں ان کے ساتھ گزاروں گا آپ لوگ مغرب تک میرا انتظار کریں اور عصر بعد کا پورا وقت انھوں نے میرے ساتھ گزارا اور ایک جگہ جاتے ہوئے گاڑی میں میرے بغل میں بیٹھ گئے میں نے کہا آپ آگے بیٹھیں انھوں نے کہا کہ نہیں مجھے یہیں بیٹھنا ہے اور بیٹھے بیٹھے میرے جیب میں ایک اچھی خاصی رقم ڈالدی، مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب کے دو لڑکے ہیں مولوی اسعد[1] سلمہ اور مولوی ارشد سلمہ یہ دونوں مجھ سے بہت مانوس ہیں، ماشاء اللہ دونوں سیرت وصورت اور علمی ذوق اور اخلاق کے اعتبار سے اپنے والد کے ہم نقش قدم ہیں ۔

اگر اس سفر میں مولانا احمد خانپوری دام مجدہ سے ملاقات نہ ہوتی تو مجھے بڑا ملال ہوتا ۔

حضرت قاری احمد اللہ صاحب جامعہ اسلامیہ کے بہت قدیم استاذ ہیں جب میں وہاں مدرس تھا اسی وقت ان کا تقرر ہوا تھا، اور ان کو مجھ سے اور مجھکو ان سے اسی دن سے مناسبت ہوگئی تھی، اور اس وقت سے لے کر (دو ایک سال کے عرصہ کے سوا کہ وہ کچھ مدت کیلئے دارالعلوم دیوبند بحیثیت استاد وصدر شعبہ قرأت ہوکر تشریف لے گئے پھر واپس آگئے) آج تک وہ اس جامعہ میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں ، گجرات اور اطراف گجرات اور اس جامعہ اسلامیہ کے واسطہ سے کہ اس میں دوسرے ملکوں کے بھی طلبہ ہوتے ہیں، لندن، افریقہ، پنامہ ، موریشش ری یونین اور نہ معلوم کن کن ممالک میں ان کا فیض پہونچا ہے اور پہنچ رہا ہے ، تجوید و قرأت کی اتنی ہمہ گیر اور اور پرفیض خدمت اس زمانہ میں دوسروں سے نہ ہو پائی ، اللہ نے تجوید و قرأت کا ایسا ذوق دیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اخلاص و خلوص کا عالم یہ ہے کہ گھنٹی اور بلا گھنٹی عصر بعد، فجر بعد، مغرب بعد، عشاء بعد ہر وقت اس کام میں لگے رہتے ہیں اور طلبہ

---

(۱) یہ بچہ بلا قصور پولس کے ہاتھوں ایک ابتلاء میں گرفتار ہے اللہ اس کو ثابت قدم رکھیں اور آزمائش کے ایام جلد سے جلد ختم ہوں۔

ان سے فیض اٹھاتے ہیں، اپنے کو جامعہ کا ملازم نہیں بلکہ قرآن کا خادم سمجھتے ہیں۔

جب میں پہنچتا ہوں تو خوش ہوجاتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ مولانا آپ کے جانے کے بعد تفریح اور کہیں آنے جانے کا مزہ ختم ہوگیا۔

ان سے بھی میری موانست و تعلق کی یہی وجہ تھی کہ ان کا مزاج بھی سادہ بے تکلف ہے، صاف ذہن اور کھلے دماغ کے آدمی ہیں، میری موجودگی میں حضرت قاری صاحب گھر سے واپس تشریف لائے، میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا، اور جب یہ آگئے تو ان کے بغیر میرا کہیں آنا جانا نہیں تھا، حفظہ اللہ وعافاہ۔

مولانا محمد موسیٰ صاحب بھڑکودروی ناظم کتب خانہ اس جامعہ کے پرانے خادم ہیں نستعلیقی ذوق کے مالک ہیں، نفاست پسندی مزاج کا جز ہے، اچھا کھاتے اور کھلاتے ہیں، ان کی دعوت دعوتِ شیراز ہوتی ہے، میرے ساتھ ان کا معاملہ برادرانہ بے تکلفانہ رہتا ہے، میں ڈابھیل میں رہوں تو میرے لئے پان پہنچانے کا خاص اہتمام کرتے ہیں، طبیعت میں شرافت و مروت ہے، ان کے تمام بچے ماشاء اللہ عالم و فاضل ہیں، جو ان کیلئے بڑی سعادت و دولت ہیں، میرا تعلق ان سے شروع ہی سے رہا ہے اور یہ تعلق اسی اخلاص و محبت کے ساتھ آج بھی قائم ہیں، بنارسی مرچا کے اچار کے بہت شوقین ہیں، غازی پور سے اگر ڈابھیل یہ اچار بھیجنا آسان ہوتا تو میں سال بھر ان کی خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھتا۔

مولانا موسیٰ صاحب ہر سفر میں میری دعوت ضرور کرتے ہیں اس دفعہ بھی انھوں نے دعوت کی اور میرے ساتھ کئی لوگوں کو مدعو کیا، مفتی محمود سلمہ اور مولانا احمد سعید بزرگ مہتمم جامعہ بھی تھے، دعوت کیا تھی بس دیکھنے کی چیز تھی، مگر اس کا افسوس رہا کہ ہم لوگ تو انواع و اقسام کے کھانے کھا رہے تھے اور مولانا موسیٰ صاحب اپنی بیماریوں کی وجہ سے صرف ساگ سبزی پر اکتفا کر رہے ہیں۔ شفا اللہ وعافاہ۔

ڈابھیل کے زمانہ قیام میں ان دو بچوں نے بڑی خدمت انجام دی، عزیزم محمد حارث سلمہ پالنپوری اور عزیزم محمد جابر سلمہ احمد نگری، مولانا احمد بزرگ اور

مولانا مفتی محمود نے ان دونوں طالب علموں کو بطور خاص میری دیکھ ریکھ کیلئے مقرر کیا تھا، اللہ ان کو علم وعمل کی دولت سے نوازے۔

محمد عرفان بھڑکودروی بہت باذوق طالب علم ہیں، بہت خاموش مگر بہت فعال، زمزم پرچہ انھیں کی نگرانی میں جامعہ جاتا ہے، ان کے ذریعہ سے زمزم کا دائرہ اس جامعہ میں وسیع ہوتا ہے، اللہ ان کو جزائے خیر دے، مکتبہ اثریہ سے نئے تین کتابچوں کا ایک سٹ شائع ہوا ہے، جس کی قیمت پچیس روپیہ ہے، محمد عرفان سلمہ نے اس کی قیمت ۳۰ روپے کے حساب سے طلبہ سے وصول کی، کاغذ میں ہر طالب علم کے نام کے آگے ۳ ر ۳ ر بنا ہوا تھا میں نے سمجھا یہ تین کتابچوں کی طرف اشارہ ہے، جو قیمت انھوں نے دی تھی بلا شمار کئے میں نے رکھ لی۔ ۳ کے آگے زیرو بھی تھا، میرا دھیان ادھر نہیں گیا، جب زمزم کے نئے شمارہ میں ۲۵ روپیہ قیمت کا اعلان انھوں نے دیکھا تو مولانا مفتی محمود صاحب سے کہا کہ طلبہ سے تیس روپے وصول کئے گئے ہیں، عزیزم مفتی محمود سلمہ نے مجھ کو فون کیا، میں نے ان سے عرض کیا کہ بچوں کو ۵ پانچ پانچ روپے لوٹا دیئے جائیں۔ شریعت کا حکم ہے معاملات بالکل صاف رکھو، اور معاملہ کی صفائی میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ پیسے لیتے اور دیتے وقت اس کو گننے میں تکلف نہ کرے، گن ہی کر لینا اور دینا چاہئے، کبھی ایسا نہ کرنے سے بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ میرے ساتھ اور عزیزم محمد عرفان سلمہ کے ساتھ یہی ہوا۔

ختم شد

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

دورِ حاضر کے سید العلماء و سید الفقہاء حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

آغوشِ رحمت میں

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے گزشتہ رمضان میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور خدا سے جا ملے، حضرت مفتی صاحب کا حادثۂ وفات اہل علم کیلئے بڑا جان گداز اور صبر آزما حادثۂ وفات ہے، علم و عمل کی دنیا میں آپ کی وفات سے بڑا عجیب خلا پیدا ہو گیا ہے۔

میری طبیعت کا عجیب حال ہے کسی حادثہ کا کبھی میرے اوپر اتنا زبردست اثر ہوتا ہے کہ میں اس کے بارے میں چند سطر بھی نہیں لکھ پاتا، حضرت مفتی صاحب کا حادثۂ وفات بھی میرے لئے کچھ اسی قسم کا حادثہ تھا، حضرت مفتی صاحب کے حادثۂ وفات سے علم و عمل کی دنیا سونی ہو گئی، ایک عظیم فقیہ اور ماہر افتا ہم سے رخصت ہو گیا، تقویٰ و ورع کی ایک مثالی شخصیت ہم سے رخصت ہو گئی، غیرت و حمیت اور اسلاف کی پاکیزہ روایات کا امین ہمارے درمیان سے اٹھ گیا، گجرات ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں اس وقت ان کی ٹکر کا کوئی فقیہ اور ماہر افتا نہیں تھا، مفتی صاحب عمر کے بالکل آخری حصہ میں تھے، ان کے سارے اعضاء جواب دے چکے تھے ہاتھ پاؤں آنکھ کان سب متاثر تھے مگر اس وقت بھی ان کا علمی تیقظ فہم و بصیرت اور حافظہ کا عمل حیرت انگیز تھا، گفتگو کے وقت معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ پیرانہ سالی کا اثر ان کے علم و فہم اور حافظہ پر بھی کچھ ہے، دماغ حاضر تھا اور علم بیدار تھا، یہ بات ان کو نصیب

ہوتی ہے جن کی زندگی عفت و پاکدامنی، زہد و تقویٰ، عبادت و خشیت اور آخرت کے استحضار میں گزرتی ہے، اور یہ بات حضرت مفتی صاحب کو ابتدائے عمر ہی سے حاصل تھی۔

نہایت مومنانہ، مخلصانہ عابدانہ، زاہدانہ اور علم و عمل اور زہد و تقویٰ والی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی تھی۔

ان کی علمی جلالت و فقاہت معلوم کرنے کیلئے ان کے رسائل اور ان کے فتاویٰ کی متعدد جلدیں شاہد ہیں، حضرت مفتی صاحب ان ارباب فتویٰ میں سے تھے جن کی نگاہ میں بڑی دقت اور بڑی وسعت تھی، وہ جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے تھے تو اس کے تمام گوشوں پر بھرپور ان کی نگاہ ہوتی، اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ان کا فتویٰ ایک رسالہ کی شکل اختیار کر جاتا تھا، اور اہل علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ بن جاتا، ادھر عرصہ سے اتنے بسط و تفصیل اور دقت نظر کے ساتھ فتووں کا جواب دینے والے برصغیر میں خال خال ہی اہل افتاء نمایاں ہوئے، مگر ان میں بھی حضرت مفتی صاحب کی شان بالکل منفرد اور نرالی تھی، ان کے یہاں لاگ لپیٹ والی بات نہیں تھی، جو حق بات ہوتی وہ اسے پوری علمی طاقت سے اور بھرپور دلائل سے مدلل کرتے ان کے یہاں شریعت میں کاٹ چھانٹ اور اتنا لو اور اتنا دو والا ذہن قطعاً نہیں تھا، وہ اپنے عقیدہ و مسلک میں بہت پختہ تھے، اس میں ان کو ذرا سا بھی لچک پیدا کرنا جیسا کہ آجکل اصحاب فکر و دانش کا وطیرہ بن گیا ہے گوارا نہیں تھا، وہ جو بات کہتے وہ اتنی مبرہن اتنی مدلل ہوتی کہ کسی کو جائے دم باقی نہ رہتی، اسلاف و اکابر سے ہٹ کر کوئی بات سوچنا ان کو گوارا نہیں تھا، آج کل علم و فقہ کی دنیا میں جو بہت سے فضولئے پیدا ہوگئے ہیں جنھوں نے فقہ کی چند کتابیں دیکھ لی ہیں اور قدمائے محققین کے ساتھ ان کو مسابقت کا دعویٰ پیدا ہوگیا ہے ایسے فضولیوں سے حضرت مفتی صاحب سخت گھٹن محسوس کرتے تھے اور ان کے وجود کو علماء اور امت کیلئے ایک بڑا فتنہ سمجھتے تھے، ان تمام افکار و خیالات کو وہ گمراہی سمجھتے تھے جن پر تجدد کی چھاپ ہوتی، سلامتی کا راستہ ان کے نزدیک صرف اکابر و اسلاف کا راستہ تھا، ان کے نزدیک صراط مستقیم صرف ایک تھی اور وہ وہی تھی جس کی معجزانہ و بلیغانہ تعبیر

نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یوں ادا ہوئی۔ ما انا علیہ واصحابی۔ وعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ یہی راہ ان کے نزدیک راہ حق تھی اس کے علاوہ تمام راہیں اور تمام افکار و خیالات حضرت مفتی صاحب کے نزدیک گمراہی اور گمراہی کا سرچشمہ تھے۔ جن کو ہماری ان باتوں کی صداقت جاننی ہو وہ فتاوی رحیمیہ کی صرف جلد اول ملاحظہ فرمالیں۔

میری تدریسی زندگی کا سب سے طویل زمانہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات میں گزرا ہے۔ ڈابھیل سے حضرت مفتی صاحب کی اقامت والی جگہ یعنی قصبہ راندیر بہت زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں حضرت مفتی صاحب کی زیارت کا موقع کبھی کبھار ملا، سال میں کبھی ایک دو دفعہ ملاقات ہوجاتی، تھوڑی دیر کی مجلس ہوتی اور رخصت ہوجاتا، ان کی چمکتی پیشانی اور دمکتا چہرہ، معصوم سی صورت بھولا بھالا انداز گفتگو طبیعت کو اسیر کرلیتا۔

بعض حالات اور مجبوری کی بنا پر جب مجھے ردِ غیر مقلدیت کے میدان میں آنا پڑا اور احناف اور جماعتِ دیوبند کے خلاف غیر مقلدین کی چیرہ دستیوں کا جواب دینے کے لئے قلم کو ذرا مضبوطی سے تھامنا پڑا اور بہت قلیل عرصہ میں اس موضوع پر میرے قلم سے اردو عربی کی کئی کتابیں وجود میں آگئیں تو اس کی اطلاع حضرت مفتی صاحب کو بھی ہوئی، اور پھر جب یہ کتابیں حضرت مفتی صاحب کے ملاحظہ سے گزریں تو ان کی پسندیدگی اور خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا، حضرت مفتی صاحب اس زمانہ میں آنکھ سے معذور ہوچکے تھے، قوی بہت ضعیف تھے مگر میری کتابوں کو بالاستیعاب انھوں نے اپنے شب و روز ساتھ رہنے والا خادم سے سنا اور پھر انھوں نے مجھے اپنی دعاؤں سے اتنا نوازا کہ مجھے اپنی قسمت پر رشک ہونے لگا، ان کی یہ دعائیں اور پسندیدگی میری تمام گناہوں کے لئے ان شاء اللہ کفارہ ہوگی اور میں روز قیامت اپنے اکابر کے سامنے سرخرو ہوں گا۔

جب ہماری کتابیں حضرت مفتی صاحب کو پہونچیں تو ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع

ہوا اور حضرت مفتی صاحب کی خورد نوازی، کرم فرمائی بزرگانہ شفقت یہ تھی کہ یہ سلسلہ ان کی طرف سے شروع ہوا، اور پہلے ہی مراسلہ کے ساتھ ایک اچھی رقم سے کتابوں کی خریداری کی پھر اس کے بعد کبھی گاہے گاہے عطیہ کا یہ سلسلہ جاری رہا اور ان کی دعائیں تو آخر تک مجھے طاقت و توانائی بخشتی رہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ۔

حضرت مفتی صاحب میری کتابوں کو کتنی اہمیت دیتے تھے اور انھوں نے اس ذرہ بے مقدار کے ساتھ کمال شفقت و محبت کا کیسا معاملہ کیا اس کو جاننے کیلئے یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ انھوں نے گجرات کے تمام بڑے مدارس کے مہتمین کو ان کتابوں کے بارے میں خط لکھا اور غیر مقلدیت کے فتنہ سے ان کو باخبر کیا، میری کتابوں کی اہمیت ان کے سامنے واضح کی اور پھر ان سے درخواست کی کہ ہر مدرسہ ایک معتدبہ مقدار میں اپنے مدرسہ کیلئے ان کتابوں کو منگوائے، مفتی صاحب کی باوقار اور عظیم شخصیت اور گجرات میں ان کی محبوبیت اور ان کی فکرمندی کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں میری اس وقت تک شائع ہونے والی تمام کتابوں کا اڈیشن ختم ہو گیا۔

میری کتابوں کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب کے گراں قدر خیالات جو انھوں نے میرے نام خطوط میں رقم فرمائے تھے ان کا کچھ حصہ زمزم شمارہ نمبر ۶ جلد نمبر ۳ میں شائع کیا جا چکا ہے اس مضمون کے آخر میں ان کا ایک اور پورا مکتوب ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔

گزشتہ دو تین برسوں میں میرا گجرات کا سفر کئی بار ہوا، اور میں نے موقع نکال کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھا، ہر ملاقات پر شگفتہ ہو جاتے تھے، طاقت و توانائی جواب دے چکی تھی، لیٹ کر کے سو بھی نہیں سکتے تھے۔ آنکھ کان سے معذور تھے مگر جب علمی گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ فقہ و حدیث اور دوسرے تمام دینی علوم و فنون کی کتابیں مستحضر ہیں، چہرہ پر نور برستا ہوا نظر آتا، طبیعت چاہتی کہ بس ان کو دیکھتے رہو، اس عالم میں بھی پاکی کا بے حد خیال، نماز کی پوری پابندی، زبان ہر وقت ذکر و اذکار سے تر و تازہ، مہمانوں کا پورا خیال اور ان کی ضیافت کا حضر سے اہتمام، اکابر کا تذکرہ، اسلاف کی باتیں، امت کی فکرمندی، اصاغر کی دلجوئی و ہمت افزائی، کن کن باتوں

کا تذکرہ کیا جائے۔ مفتی صاحب گئے اور اپنے ساتھ اسلاف کی ان روایات کو بھی لیتے گئے۔

مفتی صاحب کی پیدائش تیرہ سو اکیس ہجری کی تھی اور وفات چودہ سو بائیس ہجری میں ہوئی، عمر طبعی سے زیادہ عمر پائی اور ساری عمر اللہ کے دین کی خدمت اور رسول اللہ کی دعوت کو عام کرنے میں صرف کر دی، اور گزشتہ رمضان کی مبارک ساعتوں میں اللہ کے حضور جا پہونچے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وبقضاء ربنا راضون وانا لفراقك یا سیدنا لمحزونون، ونقول بما قال ربنا تبارك وتعالیٰ، یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ـ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت مفتی صاحب کا ایک مکتوب سامی

باسمہ تعالیٰ

محترم ومکرم مولانا ابو بکر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بعد سلام مسنون! امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت اپنے وطن پہونچ گئے ہوں گے اور سفر کامیاب رہا ہوگا، اور آپ کی ذات سے لوگوں کو فیض پہونچا ہوگا، آپ احقر کے پاس بھی تشریف لائے، کافی گفتگو رہی اور کام کی باتیں ہوئیں، احقر کو بہت ہی مسرت ہوئی، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کے سلسلہ میں احقر کے جو جذبات اور احساسات ہیں، الحمد للہ۔ وہی جذبات آپ کے بھی ہیں، یہ غیرت ایمانی انشاء اللہ ثم انشاء اللہ بروز قیامت رنگ لائے گی اور انشاء اللہ اللہ پاک انہی کے ساتھ حشر فرمائیں گے، اللہ کرے یہ اور بھی زیادہ عام ہو، مودودیت اور غیر مقلدیت (جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم کے بارے میں

بے حد بد زبان ہیں) کو احقر ضلالت و گمراہی کا پہلا زینہ سمجھتا ہے، طبعًا ان سے ذرہ برابر بھی مناسبت نہیں ہے۔ غیر مقلدیت کے سلسلہ میں ایک طویل جواب بزبان گجراتی آج سے تقریبًا آٹھ دس سال پہلے سورت سے شائع ہونے والا ایک گجراتی ماہنامہ "حیات" میں قسط وار شائع ہوا تھا یہ جواب تقریبًا ڈیڑھ دو سال تک چلا تھا۔ پھر وہی جواب قدرے کمی بیشی کے ساتھ فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم ص۱۲۹ تا ص۲۴۶ میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اس جواب کو رسالہ کی صورت میں جس کا نام "تقلید شرعی کی ضرورت" ہے شائع کیا گیا۔ جب جلد چہارم میں یہ جواب شائع ہوا تھا اس وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے اسے ملاحظہ کیا ہوگا تو اپنے معتمد مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب کے ذریعہ احقر پر پیغام بھیجا تھا کہ اسے بصورت رسالہ شائع کریں اس کے بعد انشاء اللہ ہم اس کو عربی میں شائع کروائیں گے، رسالہ چھپ گیا اس کے بعد مولانا علی میاں صاحب کو بھیجا گیا مگر ابھی تک اس کے عربی میں ترجمہ ہونے کا موقع نہ آیا حضرت مولانا علی میاں صاحب کافی مصروف ہیں۔ حسن اتفاق امسال رمضان المبارک میں جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے ایک استاد مولانا محمد معصوم ظفر ندوی بغرض چندہ تشریف لائے تھے۔ مولانا مجیب اللہ صاحب (مہتمم جامعۃ الرشاد) سے احقر کے پرانے مراسم ہیں[1] اس نسبت سے وہ مولانا کا خط بھی لائے تھے۔ مولانا محمد معصوم صاحب کا چند روز راندیر سورت میں قیام رہا، احقر کے پاس آتے جاتے تھے۔ اس دوران احقر کے ایک خادم جناب عبدالغفار صاحب نے ان سے اس رسالہ کی تعریب کے متعلق گفتگو کی تو وہ تیار ہو گئے رسالہ ان کو دیدیا گیا اور حال میں انھوں نے اس کا مسودہ بھیجا ہے اصل رسالہ تقلید شرعی کی ضرورت اور اس کا عربی ترجمہ کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دو تین روز قبل تشریف لائے تھے ان کا بھی آپ کی خدمت میں بھیجنے کا مشورہ تھا۔ آپ کی خدمت میں ارسال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ

---

[1] مولانا میرے حج کے ساتھی ہیں۔

اصلی رسالہ اور عربی ترجمہ دونوں ملاحظہ فرمادیں جہاں اصلاح کی ضرورت معلوم ہو اصلاح فرمادیں۔ امید ہے کہ اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت اس کے لئے فارغ فرمادیں گے مولانا محمد معصوم ندوی کا مشورہ تھا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب دامت برکاتہم سے اس پر کچھ لکھوالیں تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ مولانا علی میاں صاحب کی خدمت میں بھی مسودہ کا فوٹو کاپی ارسال کیا ہے، مولانا علی میاں صاحب شاید بنظر غائر نہ دیکھ سکیں، سرسری دیکھ کر کچھ تحریر فرمادیں۔ امید ہے کہ آپ یہ کام بطیب خاطر فرمائیں گے۔

دیگر کچھ احقر کے رسائل بھی ارسال ہیں۔

تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم حضرات صحابہ معیار حق تفسیر بالرائے	یہ تینوں رسالے فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم کتاب العلم میں شائع ہو چکے ہیں۔
بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے	یہ بالکل تازہ رسالہ ہے۔ اس مسئلہ کا بہت تفصیلی جواب فتاویٰ رحیمیہ جلد اول میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرمادیں امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گا۔
تقلید شرعی اور علماء امت	یہ آپ کے تشریف لیجانے کے بعد چھپ کر آیا ہے بالکل تازہ رسالہ ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور تقلید ائمہ

علماء دین کی ذمہ داریاں وغیرہ وغیرہ

آپ کے پاس فتاویٰ رحیمیہ کی کتنی جلدیں ہیں؟ تاحال نو جلدیں چھپی ہیں واپسی خط میں تحریر فرمادیں۔

آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے کا ڈرافٹ بھیجا تھا وصول سے پہلے آپ سفر پر روانہ ہو چکے تھے امید ہے کہ آپ کی غیر موجودگی میں ڈرافٹ پہونچ گیا ہوگا اور آپ کی واپسی کے

بعد آپ کو اس کی اطلاع ہو گئی ہوگی۔

اپنے احوال سے بھی مطلع فرمادیں اور اس خط کا ضرور فوری طور پر جواب عنایت فرمادیں۔ دعاؤں سے تعاون کرتے رہیں، احقر بھی دل سے آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔

فقط والسلام

حضرت اقدس حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم العالی

بیس رکعت تراویح کے متعلق سعودی میں گڑبڑ چل رہی ہے آپ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول والا جواب اور ارسال کردہ رسالہ دونوں ملاحظہ فرمادیں ان دونوں کو سامنے رکھ کر نیز آپ کے علم میں جو کچھ ہو ان سب کی روشنی میں عربی میں اس مسئلہ پر قلم اٹھادیں تو انشاء اللہ سعودی وغیرہ عالم اسلام (دوبئی وغیرہ) میں بہت فائدہ ہوگا، امید ہے کہ اس پر غور فرمائیں گے، فقط والسلام بحکم حضرت اقدس حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم العالی

دامت برکاتہم وعمت فیوضہم

۲۱ر ربیع الاول ۱۸ھ

۲۷ر جولائی ۹۷ء

محمد اجمل مفتاحی

مولانا قاضی مجاھد الاسلام صاحب قاسمی
اپنے رب کے حضور

۴ر اپریل بروز جمعرات سرائے میر اعظم گڈھ مولانا مفتی اشفاق صاحب کے مدرسہ فیض العلوم کے ایک جلسہ میں مدعو تھا تب ہی کسی نے خبر دی کہ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کا انتقال ہو گیا۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحب عرصہ سے بیمار چل رہے تھے اور دہلی کے سب سے گراں اسپتال اپولو میں زیر علاج تھے۔ اپولو اسپتال میں زیر علاج رہنا اس بات کا اشارہ تھا کہ حضرت قاضی صاحب کی بیماری خطرناک رخ اختیار کر گئی ہے اور اب ان کی زندگی کا وقفہ بہت مختصر ہے، ان کی بیماری کا سلسلہ کافی دنوں سے تھا کبھی حالت سنبھلتی اور کبھی بگڑتی، دہلی کا سفر جب ہوتا تو ان کے حالات کا علم ہوتا رہتا اور طبیعت میں بے سکونی پیدا ہو جاتی، بہر حال ہوا وہی جس کا خدشہ تھا اور حضرت قاضی صاحب ۴ر اپریل کو اپنے رب کے حضور بیماریوں و عوارض کی تاب نہ لا کر جا پہونچے، مرنا ہر ایک کو ہے، مگر حضرت قاضی صاحب کا حادثہ وفات ملت کے لیے بڑا عظیم سانحہ ہے۔

حضرت قاضی صاحب دار العلوم کے ان فضلاء میں سے تھے جن کا شمار گنے چنے لوگوں میں سے ہوتا ہے، غضب کے ذہین و فطین تھے، علم بہت پختہ تھا، فقہ پر گہری نظر تھی، عربی و اردو پر بے تکلف قادر تھے، بہترین مقرر و خطیب تھے، قلم بھی بڑا رواں دواں تھا، فقہ ان کا خاص موضوع تھا اور اس موضوع پر ان کے قلم سے کئی موقر و بیش بہا کتابیں وجود

بقیہ ص۱۰۰ پر

ڈاکٹر رشید الوحیدی
دہلی

حادثۂ فلسطین

کر دے رسوا ظالموں کو ہو گئی ہے انتہا
ظلم اب برداشت سے باہر ہے اے میرے خدا

روز افزوں کس طرح صہیونیت کی چال ہے
حرمت بیت المقدس روز و شب پامال ہے

گولیوں کی چھاؤں میں معصوم بچوں کا لہو
لاش بے گور و کفن بکھری پڑی ہے چار سو

صحن مسجد دشمنوں کے بوٹ سے ناپاک ہے
کتنا بد طینت ہے غاصب کس قدر بیباک ہے

یہ لہو، یہ آہ، یہ چیخیں، یہ درد و اضطراب
آدمیت سرنگوں، حیوانیت ہے بے حجاب

گود خالی ہو رہی ہے ماں کی، یہ کیسی ہے آگ
کتنی بہنوں کا اجاڑا ظالموں نے ہے سہاگ

ظالمو! اس بربریت کی نہیں کوئی مثال
گولیوں کی زد میں ہیں معصوم کتنے ماں کے لال

پوچھتا ہوں تم سے بولو، ہے اگر منہ میں زباں
اپنے بچوں پر چلا سکتے ہو ایسے گولیاں؟

دیکھ لینا جلد ہی بدلے گا دنیا کا نظام
خونِ ناحق لے گا پھر ظالم سے اپنا انتقام

کاتبِ تقدیر کر لے گا تمہارا سب حساب
روک سکتے ہو تو روکو گولیوں سے انقلاب

ظالموں کی داستاں تاریخ جب دہرائے گی
ہاں! یہ بے شرمی سرِ فہرست لکھی جائے گی

لٹ رہی ہے حیف ناموسِ حرم اغیار میں
کٹ رہی ہے گردنِ لختِ جگر بازار میں

اس جہاں میں ظلم کی ٹہنی سدا پھلتی نہیں
یہ بھی سن لو ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

قہر بن کر بجلیاں ٹوٹیں گی جب "باراک" پر
آ رہے گا زخم یہ سارا خس و خاشاک پر

محمد اجمل مفتاحی

ڈاکٹر رشید الوحیدی
دہلی

سُنا ہے

سُنا ہے مدینے کی گلیوں میں ہر سو ، برستی ہے دن رات رحمت کی بارش
سُنا ہے فرشتے بھی آتے ہیں اکثر ، لیے دل میں اپنے زیارت کی خواہش
سُنا ہے کہ انوار و برکات سے ہے منوّر محمد کے روضے کی جالی
سُنا ہے کہ اس در سے خالی نہ آیا ، کبھی جب گیا کوئی بن کر سوالی
سُنا ہے کہ روضے سے عرشِ بریں تک ، عجب نور کا اک حسیں سلسلہ ہے
سُنا ہے کہ یہ پاک ٹکڑا زمیں کا ، جمالِ الٰہی سے آراستہ ہے
سُنا ہے کہ روضہ جہاں ہے نبیؐ کا وہیں باغِ جنت کا اک گلستاں ہے
سُنا ہے یہ جنت ہے فرشِ زمیں پر ، مگر یہ زمیں رشکِ ہفت آسماں ہے
سُنا ہے فضا میں بکھرتا ہے جس دم حرم کی اذانوں کا جاں بخش نغمہ
سُنا ہے موذن کی پرسوز لے پر ، عجب کیف و مستی میں ہوتا ہے انساں
سنا ہے جہاں حجرۂ عائشہ تھا ، وہیں آج روضہ ہے پیارے نبی کا
سُنا ہے اسی در سے دنیا نے سیکھا ، نہایت مہذب سبق زندگی کا
سُنا ہے مسافر یہاں سوچتا ہے ، کہ ہو جائے گم کردۂ راہ منزل
سُنا ہے عقیدت میں سرشار رہنا ، یہی ہے یہاں عقل و دانش کا حاصل
سُنا ہے کبھی چاند کرتا ہے آکر ، مزار مقدس کا دلکش نظارا
سنا ہے کہ پھر شرم سے منہ چھپا کر ، اِدھر سے اُدھر پھرتا ہے مارا مارا
سنا ہے کہ اس در پہ جھکتے تھے آکر کبھی قیصر روم و شاہانِ کسریٰ

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دوماہی

دینی و علمی مجلہ

زمزم

شمارہ نمبر ۴ | رجب شعبان ۱۴۲۳ھ | جلد ۵

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازیپوری

سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیّدواڑہ غازیپور یوپی

فون نمبر ۲۲۱۷۵۷-۰۵۴۸

پن کوڈ - ۲۳۳۰۰۱

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

مدارس کے خلاف حکومت کا معاندانہ رویہ

دینی مدارس پر اس وقت حکومت کی بطور خاص نظر ہے، سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیوں؟ ان مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ یہ دہشت گردی کے اڈے ہیں، مدارس کے خلاف اس قسم کی بات فرقہ پرستوں کی طرف سے کچھ اس زور وشور سے پھیلائی گئی کہ حکومت کے بھی کان کھڑے ہوگئے، اور اس نے بھی سمجھ لیا کہ واقعہ یہی ہے، حکومت کے پاس چھان بین کرنے والے افراد کی کمی نہیں اور اس کا خفیہ پولیس کا محکمہ ہے، حکومت نے جیسا کہ معلوم ہے ان مدارس کی پوری چھان بین بھی کرلی ہے، اور اس کو ان مدارس میں کسی دہشت گردی کا نام ونشان بھی نہیں ملا، مگر اب بھی ان مدارس کے خلاف حکومت کے کارندوں اور فرقہ پرستوں کی طرف سے یہی شور مچایا جارہا ہے کہ مدارس دینیہ میں دہشت گردی سکھلائی جاتی ہے۔

ہندوستان میں تقریباً چھبیس ہزار مدارس دینیہ ہیں، ان میں سے ہزاروں کی تعداد ایسی ہے جو پچاسوں سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے اپنی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور آج تک ایک مثال بھی سامنے نہیں آئی جس سے ان مدارس کا کردار مشکوک ہوتا ہو، تو پھر حکومت کو ان مدارس کی فکر کیوں ستارہی ہے، یہ سوال ہے جس پر غور کرنے کی

ضرورت ہے۔

جوبات فرقہ پرست طاقتیں اور موجودہ حکومت کھل کر نہیں کہہ پاتی وہ یہ ہے کہ اصل میں ان فرقہ پرستوں کو یہ گوارا نہیں ہے کہ مسلمان اپنے ملی و دینی تشخص کے ساتھ ہندوستان میں رہیں، مسلمانوں میں دینی و ملی تشخص کا بقاء دراصل انھیں مدارس کی دین ہے، ان مدارس میں خالص دین کی بنیاد پر تعلیم دی جاتی ہے اور مسلمانوں کو اپنے اقدار و اخلاق سے واقف کرایا جاتا ہے، انھیں مدارس کے ذریعہ مسلمانوں میں اسلامی زندگی کی روح دوڑ رہی ہے اور ان کا تعلق کتاب و سنت سے باقی و مستحکم ہے، جب کہ فرقہ پرست طبقہ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان اپنی تہذیب اپنے اقدار اور اپنے دینی و ملی تشخص سے بیگانۂ محض ہو جائیں اور ہندوؤں کا تمدن و تہذیب اپنالیں، گویا مسلمان مسلمان ہوکر نہ رہیں بلکہ ہندو بن جائیں، اخلاق و عادات، رسم و رواج سب ہندوؤں والا قبول کرلیں اور یہ فرقہ پرست طبقہ یہ بھی خوب سمجھتا ہے کہ جب تک یہ دینی مدارس اپنی موجودہ شکل و صورت میں باقی رہیں گے مسلمانوں کو ان کے دین اور ان کی تہذیب سے بیگانہ کرنے کا ان کا خواب پورا نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے فرقہ پرست طاقتیں ان دینی مدارس کی خلاف پروپیگنڈہ کی مہم چلائے ہوئے ہیں اور چونکہ موجودہ حکومت پر انھیں فرقہ پرستوں کا دباؤ اور زور ہے، حکومت ان کے شکنجہ میں ہے اس وجہ سے حکومت بھی انھیں فرقہ پرستوں کی ہاں میں ہاں ملارہی ہے، اور اس نے مدارس کے خلاف بیان بازی کا سلسلہ شروع کردیا ہے، اور بلا کسی معقول وجہ کے ان مدارس کو پریشان کیا جارہا ہے۔

یہ چھبیس ہزار سے زیادہ مدارس وہ ہیں جو حکومت سے (بہت معمولی تعداد کو چھوڑ کر) ایک پیسہ نہیں لیتے اور اپنا خرچ مسلمانوں کے چندہ سے چلاتے ہیں، ان مدارس سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں علماء، حفاظ، قراء اور مفتی نکلتے ہیں جو ہندوستانی سماج میں بھلائی اور نیکی پھیلانے کا ذریعہ بنتے ہیں، ان میں ہزاروں میں چند ہی حکومت کے کسی محکمہ میں ملازم ہوتے ہیں ورنہ ان کی روزی روٹی کا خود مسلمان بندوبست کرتے ہیں،

یا ان مدارس کے فضلاء اپنے طور پر اپنی زندگی بسر کرنے کا انتظام کرتے ہیں، ان میں چور اچکے ڈاکو نہیں ہوتے یہ ایک اچھے شہری کی طرح زندگی گذارتے ہیں، ان واضح حقائق کے باوجود ان مدارس کے خلاف حکومت کا اقدام اور ان کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا بالکل سمجھ سے باہر ہے۔

اگر فرقہ پرست طاقتیں اور حکومت یہ سمجھتی ہے کہ وہ مدارس پر پابندیاں لگا کر اور ان کو اپنے کنٹرول میں لے کر وہ مسلمانوں کو ان کے دین ومذہب سے بیگانہ کرنے کا خواب پورا کر پائے گی تو یہ اس کی زبردست بھول ہے، مسلمان سب کچھ گوارہ کر سکتا ہے مگر اپنے دین ومذہب کی قربانی دینے کے لئے وہ قطعاً آمادہ نہیں ہوگا۔ روس نے ستر سال تک مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے اور ان کو ان کے دین سے بیگانہ کرنے کی پوری کوشش کی، مگر جب روس کی طاقت بکھر گئی اور وہاں کے لوگوں کو آزاد زندگی گذارنے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ روس کی ستر سالہ تمام تر کوشش کے باوجود وہاں بڑی تعداد میں مسلمان اپنے دین ومذہب کو گلے لگائے ہوئے تھے اور مسلمان نہایت خفیہ طریقہ پر اور منظم انداز میں اپنے بچوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے اور آج الحمد للہ ان آزاد شدہ روسی جمہوریاؤں میں اسلام اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ باقی ہے اور اسلام مخالف طاقتوں سے وہاں کے مسلمان مجاہدین دوبدو کی پنجہ آزمائی کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے، کیا یہ فرقہ پرست طاقتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کو وہ ختم کر دیں گی اور یہ مسلمان ان کی دھونس میں آکر اپنا رشتہ اپنے دین ومذہب سے ختم کر لے گا۔ اگر ان طاقتوں کا یہ خیال ہے تو اس سے بڑھ کر شاید کوئی احمقانہ سوچ نہیں ہو سکتی۔

* * * * * * * * * *

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) بخاری، مسلم اور احادیث کی دوسری کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی قرآن سے متعلق یہ حدیث آئی ہے۔

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن یاد کرنے والے کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی سی ہے، اگر اس اونٹ کی نگہداشت رکھی گئی تو وہ محفوظ رہے گا اور اگر اس کو کھلا چھوڑ دیا گیا تو وہ بھاگ جائے گا۔

یہ حدیث پاک حفاظ کرام کے لئے بطور خصوص بہت قابل توجہ ہے، اگر قرآن حفظ کرنے کے بعد اس کی تلاوت کا پابندی سے اہتمام نہیں کیا گیا تو قرآن کا محفوظ رہنا دشوار ہے۔ بہت سے حفاظ کا قرآن ان کے سینہ سے اسی وجہ سے نکل گیا کہ انھوں نے قرآن کی تلاوت کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ کچھ حفاظ ایسے ہوتے ہیں جو صرف رمضان شریف میں قرآن رٹ رٹ کر تراویح سناتے ہیں، ایسے حفاظ عام طور پر تراویح میں قرآن صحیح نہیں پڑھ پاتے ہیں اور ان کی تراویح یعلمون تعلمون والی ہو کر رہ جاتی ہے۔

جس طرح قرآن کا حافظ ہونا بہت بڑی سعادت کی بات ہے اسی طرح قرآن کو یاد کر کے بھلا دینا بڑی بدبختی اور بڑے گناہ کی بات ہے، یوں بھی ہر مسلمان کو قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس میں بڑی خیر اور برکت ہے۔

(۲) ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زینوا القرآن باصواتکم یعنی قرآن کو اپنی آواز سے زینت دو۔

قرآن اللہ کا کلام ہے، اس وجہ سے اس کا احترام ہر طرح واجب ہے، قرآن کا احترام یہ بھی ہے کہ قرآن کو صحت و تجوید کے ساتھ پڑھا جائے، خوش الحانی سے اس کے کلمات اور حروف کی ادائیگی ہو کہ سننے والے کو قرآن کا پڑھنا بھلا معلوم ہو اور دل پر اس کا اثر زیادہ سے زیادہ ہو، بدآوازی سے قرآن کا پڑھنا قرآن کے احترام کے خلاف ہے، اگر قرآن ترتیل و تجوید سے پڑھا جائے تو اس کی تلاوت ہر آدمی کی زبان سے بھلی معلوم ہوگی خواہ اس کی آواز میں طبعاً ترنم نہ ہو۔

البتہ اس کا لحاظ ضروری ہے کہ آواز کو اچھی بنانے کے لئے بہت زیادہ تکلف کرنا اور تکلف سے قرآن کا پڑھنا مناسب نہیں ہے، کچھ لوگ قرآن کو بھی گانے کی آواز میں پڑھنے کا شوق کرتے ہیں، یہ نہایت گندی حرکت ہے اور قرآن کے آداب کے خلاف ہے، حضرت حذیفہ بن یمان کی روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا، قرآن عرب کے لہجوں اور ان کی آواز میں پڑھو، اور تم کو اہل عشق کے لحن اور لہجہ سے بچنا چاہئے۔ اسی حدیث میں آپ نے فرمایا۔ میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن کو گانے کے انداز پر دھرا دھرا کر پڑھے گی یہ وہ لوگ ہوں گے کہ قرآن ان کی حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ابن اثیر جزری جامع الاصول میں لکھتے ہیں کہ جیسے اس زمانہ میں ہوتا ہے کہ وعظ کہنے والے لوگ وعظ کی مجلسوں میں قرآن کو گا گا کر عجمی لہجے میں پڑھتے ہیں، حالانکہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (ص ۴۵۹ ج ۲ جامع)

ابن اثیر یہ بات اپنے زمانہ کی کر رہے ہیں ہمارے زمانہ میں بھی اس طرح کے قراء اور واعظین کی کثرت ہے جو اپنی قرأت اور وعظ کا دلچسپ اور قابل توجہ بنانے کے لئے قرآن کو گا گا کر پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کا پڑھنا نہیں ہوا بلکہ قرآن کو غلط کام کے لئے استعمال کرنا ہوا۔

(۳) بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک قرآن کے بارے میں تم میں کوئی اختلاف نہ ہو اسے پڑھتے رہو۔

اور اگر اس کے بارے میں تمہارے اندر اختلاف پیدا ہو جائے تو اپنی مجلس کو برخاست کر دو۔
مطلب یہ ہے کہ قرآن کے مذاکرہ کی مجلس ہے، قرآن پڑھ کر اس کے معانی و مطالب
کی توضیح و تشریح ہو رہی ہے، تو جب تک قرآن کے معانی و مطالب کے بیان میں اتفاق رہے
اس وقت تک یہ مجلس باقی رہے لیکن شرکاء مجلس میں قرآن کے معانی و مفاہیم کے بارے
میں الگ الگ رائے ہونا شروع ہو جائے اور شرکاء کا اختلاف ظاہر ہو تو اب اس مجلس کو
ختم کر کے اپنے اپنے گھر کی راہ لینی چاہئے۔ آنحضورؐ کا یہ ارشاد اس وجہ سے ہے کہ لوگ قرآن
کے بارے میں شک و شبہ میں نہ مبتلا ہو جائیں، علماء کے اختلاف سے عوام میں انتشار پیدا ہوتا ہے
اور جاہلوں کو کتاب اللہ کے بارے میں زبان کھولنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

(۴) بخاری و مسلم اور احادیث کی دوسری کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے،
فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم ہر روز دن میں
روزہ رکھتے ہو اور رات کو قرآن پڑھتے گزارتے ہو، تو میں نے اس کا اقرار کیا اور عرض
کیا کہ یا رسول اس سے میرا ارادہ بھلائی حاصل کرنا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ روزہ تو حضرت
داؤد علیہ السلام کا رکھا کرو وہ سب سے زیادہ اپنے وقت میں عبادت گزار تھے، اور ایک
روز روزہ رکھتے اور ایک روز روزہ نہ رکھتے تھے۔ اور قرآن ہر مہینہ میں ختم کیا کرو،
تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے، تو آپ نے فرمایا کہ بیس روز
میں قرآن ختم کرو، میں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے اندر اس سے زیادہ طاقت ہے
تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر دس دن میں قرآن ختم کیا کرو، تو میں نے اب بھی یہی عرض کیا میں اس سے
زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ سات روز میں قرآن ختم کیا کرو اور اس سے کم
مدت میں قرآن ختم کرنے کا معمول مت بناؤ تمہیں کیا پتہ کہ تمہاری عمر زیادہ ہو اور تم اتنے کی بھی
طاقت نہ رکھو، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا وہ سچ ہوا
میری عمر زیادہ ہو گئی اور اب میرے لئے سات دن میں بھی قرآن کا ختم کرنا بھاری ہوتا ہے۔
کاش میں آنحضورؐ کی بات کو مان لیا ہوتا۔

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہتر عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، قرآن پڑھنے یا دوسری عبادتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ آدمی ایسا معمول بنائے کہ خوش دلی سے اور پابندی سے اس کی ادائیگی ہوتی رہے اور اس عمل کو بوجھ نہ سمجھ لے، اچھے سے اچھا عمل کو بھی اگر بوجھ سمجھ لیا جائے تو اس کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ آدمی کو اپنی صلاحیت، استعداد اور قوت دیکھ کر قرآن پڑھنے یا اور کسی عبادت کا معمول بنانا چاہیئے، البتہ خاصانِ خدا کی بات الگ ہے، عام آدمی کو ان کی ریس نہیں کرنی چاہیئے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ

امام محمد رحمہ اللہ علیہ کی ایک شاہکار تصنیف

کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید فقیہ عراق حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نہایت ہی عظیم الشان وجلیل القدر تصنیف ہے، یہ بڑی عجیب وغریب کتاب ہے اس میں حدیث وفقہ کا عظیم الشان ذخیرہ جمع ہے، افسوس اس کا ہے کہ اس کا اکثر حصہ مفقود ہے، دنیا کے مختلف کتب خانوں میں سے چند ہی ایک میں اس کا نسخہ مخطوطہ کی شکل میں موجود تھا وہ بھی ناقص اور نامکمل، اسی ناقص نسخہ کو لجنۃ المعارف حیدرآباد نے حکومت ہند کے تعاون سے شائع کردیا، تحقیق وتعلیق کی ذمہ داری دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھائی اور کامل بیس سال تک اس پر کام کیا، ان کی تحقیق وتعلیق کے بعد چار جلدوں میں یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی، یہ چار جلدیں اصل کتاب کا غالباً نصف بھی نہیں ہیں، لیکن جتنا حصہ بھی ہمارے سامنے ہے وہ اہل علم کے لئے بڑا گراں قدر علمی تحفہ ہے، یہ کتاب کیا ہے فقہ وحدیث اور علم ودانش کا بیش بہا خزانہ ہے، اس کتاب سے فقہ حنفی کی مزیت وخصوصیت دوسرے فقہی مکاتب فکر پر بہت جلی انداز میں واضح ہوتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یوں تو حضرت امام ابوحنیفہ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں، لیکن اس زمانہ میں چونکہ فقہ حجازی کا بھی بڑا غلغلہ تھا، اور اس کے سرخیل حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شمار ہوتے تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر شخصیت اور مدینہ پاک کی نسبت سے لوگ دور دور سے ان کی شاگردی اختیار کرتے اور ان سے حدیث کی سماعت کیلئے تشریف لاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام محمد نے بھی مدینہ منورہ کا رخ کیا اور امام مالک کی خدمت میں پورے تین سال رہ کر مؤطا امام مالک کی سماعت کی اور اس کی ان سے روایت کی، حضرت امام محمد کی امام مالک سے ان مرویات کو مؤطا امام محمد کی شکل میں دنیائے علم نے جانا، مؤطا امام مالک کا یہ دوسرا نسخہ ہے جو طبقہ اہل علم میں متداول و معروف و مشہور ہوا۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کرنے سے پہلے امام محمد نے حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر فقہ وحدیث میں رسوخ کامل حاصل کر لیا تھا، اور پورے ذہنی تیقظ کے ساتھ ان فنون میں بصیرت پیدا کر لی تھی، امام محمد بڑے ذہین و فطین تھے، فصیح اللسان ایسے تھے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو گفتگو کرتے ہوئے یہ محسوس نہیں کیا کہ قرآن اس کی زبان میں نازل ہوا سوائے امام محمد کے، وہ جب گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ قرآن ہی کی زبان میں گفتگو کر رہے ہیں۔

فقہ حنفی کا شیوع و ذیوع میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جد و جہد اور ان کی تصنیفات کا اہم کردار ہے، اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ کے وہ عاشق تھے اور ان کی نگاہ میں فقہ حنفی کے مقابلہ میں کوئی دوسرا فقہ اس جیسی جامعیت اور عقل و نقل کے اعتبار سے ذہن و دماغ کو آسودہ کرنے والا نہیں تھا، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا ان پر زبردست اثر تھا اور امام ابوحنیفہ کی ہمہ گیر و جامع شخصیت کے مدمقابل وہ کسی دوسرے فقیہ و محدث کو نہیں سمجھتے تھے۔

امام محمد نے حضرت امام مالک کی خدمت میں حاضری ضروری اور ان سے مؤطا کا سماع

بھی کیا مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر علم کی جو سیرابی انھوں نے حاصل کی تھی، اس کے بعد امام ابوحنیفہ کے سوا کسی اور فقیہ و محدث کی شخصیت ان کو بہت زیادہ متاثر نہ کرسکی، حضرت امام مالک کا اس زمانہ میں بڑا شہرہ تھا، علم حدیث و علم فقہ میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا، مدینہ دارالعلم تھا، علماء و مشائخ کی کثرت تھی لوگ دور دور سے آکر مدینہ منورہ قیام کرتے اور وہاں کے علماء و مشائخ کا تلمذ اختیار کرتے جن میں سرفہرست حضرت امام مالک ہی کا نام تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دو علمی حلقوں کا پورے عالم اسلام میں چرچا تھا، ایک حلقہ اہل کوفہ کا تھا اور دوسرا اہل مدینہ یا دوسرے لفظوں میں کہئے اہل حجاز کا تھا، اہل کوفہ کو لوگ اہل الرائے سے یاد کرتے تھے اور مدینہ والوں کو اہل حدیث کہا جاتا تھا، ان دونوں حلقوں کے متاثرین جب اکٹھا ہوتے تو علمی مباحثہ و مناقشہ بھی جاری رہتا، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ حضرت امام ابوحنیفہ سے خصوصی شاگردی کی نسبت حاصل تھی اس وجہ سے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حجازی حلقہ کے مشائخ و اہل علم سے علمی مناقشات و مباحثات بھی ہوتے رہتے تھے، امام محمد نے انھیں مناقشات و مباحثات کو ایک مستقل کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا تھا اور اس کا نام کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ رکھا، جس میں انھوں نے پوری قوت سے اہل مدینہ سے اپنے اختلافات کو واضح کیا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فقہ کی برتری کو دلائل و براہین و عقل و نقل کی روشنی میں اہل علم کے سامنے پیش کیا۔

اس کتاب کا انداز یہ ہے کہ پہلے حضرت امام محمد اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد اہل مدینہ کا اسی مسئلہ میں جو مذہب ہے اس کو نقل کرتے ہیں، پھر اہل مدینہ کے ساتھ اپنا مناقشہ شروع کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی ترجیح عقل و نقل کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں، کہیں کہیں یہ مناقشہ بڑا طویل ہو جاتا ہے اور اس موقع پر حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علمی رسوخ کا ظہور ہوتا ہے آثار و احادیث اور قضایا صحابہ و فتاویٰ تابعین کے حافظ نظر آتے ہیں، بعض مواقع پر حضرت

امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہل مدینہ کے قول کو راجح قرار دیتے ہیں، مگر ایسے مقامات بہت کم ہیں، بہرحال اس سے ان کی اعتدال پسند وانصاف پسند طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب ومسلک کو ترجیح دیتے ہیں تو یہ کام وہ پورے انشراح سے انجام دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے مسلک ومذہب کی اولویت ان کے نزدیک روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے۔

اس کتاب میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مناقشہ کا انداز معلوم کرنے کیلئے ہم پیام زمزم کے ناظرین کیلئے دو ایک مثال ذکر کرتے ہیں، مزید کے لئے اہل علم اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔

(۱) نماز فجر کے وقت کے سلسلہ میں اہل مدینہ واہل کوفہ کا یہ اختلاف ہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک تو غلس یعنی اندھیرے میں فجر کی نماز کی ادائیگی بہتر ہے اور اہل کوفہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کے نزدیک عام حالات میں اسفار یعنی روشنی ہوجانے کے بعد فجر کی نماز پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے، حضرت امام محمد فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ ینبغی ان یسفر بالفجر لما قد جاء فی ذلک من الآثار۔	یعنی حضرت امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ فجر کی نماز میں اسفار زیادہ مناسب ہے ان آثار کی وجہ سے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں

یہ تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا احادیث و آثار کی روشنی میں فیصلہ تھا، اس کے علاوہ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عقلاً بھی مناسب ہے کہ فجر کی نماز صبح کچھ روشن ہوجائے جب ہی ادا کی جائے، اس وجہ سے کہ

ولان صلوٰۃ الفجر یکون الناس فیما حال ثقل من النوم فینبغی ان یسفر بہا، لان	فجر کی نماز کے وقت میں لوگوں کو نیند کی وجہ سے سستی و کسلمندی ہوتی ہے اس وجہ سے صبح ہوجانے کے بعد ہی فجر کی نماز پڑھنا

یشهد من کان نائما ومن کان غیر نائم

مناسب ہے، تاکہ جو سویا ہو وہ بھی نماز میں شریک ہو سکے اور جو جاگ رہا ہے اس کو بھی نماز مل جائے۔

نماز با جماعت کا مقصود یہی ہے کہ لوگوں کو موقع ملے کہ وہ بآسانی مسجد میں حاضر ہوجائیں، اور جماعت کا ثواب حاصل کریں، اس وجہ سے فجر کی نماز میں لوگوں کی رعایت کرنا ضروری ہے، تاکہ لوگ نیند سے بیدار ہو کر اپنی ضروریات سے فارغ ہولیں، ظاہر بات ہے کہ یہ بات اندھیرے میں اور بالکل اول وقت نماز پڑھنے میں عام طور پر ممکن نہیں ہے، اسلئے عقل کا بھی تقاضا ہے کہ اندھیرے کے بجائے فجر کی نماز صبح روشن ہونے کے بعد ہی قائم کیجائے۔

اس کے بعد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کا مذہب ذکر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں؛

وقال اهل المدينة ومالك ينبغى ان يغلس بها لما جاء فى ذلك من الاخبار -

یعنی اہل مدینہ اور امام مالک کا یہ قول ہے کہ فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کی جائے، یہی مناسب ہے ان روایات کے پیش نظر جو اس بارے میں آئی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز کی ادائیگی کے بارے میں دونوں طرح کی احادیث وآثار ہیں، بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں اسفار افضل ہے اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز غلس میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

اہل کوفہ واہل مدینہ دونوں کا مذہب ذکر کرنے کے بعد حضرت امام محمد اب اپنا مناقشہ شروع کرتے ہیں اور مذہب حنفی کی ترجیح واولیت احادیث وآثار کی روشنی میں ذکر کرتے ہیں اور اہل مدینہ کے شبہات کا جواب دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں؛

"اس بارے میں کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھی جائے یا غلس میں دونوں طرح کی احادیث آئی ہیں، فجر کی نماز میں اسفار کرنا ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے زمانہ میں اور اس کے بعد صحابہ کرام کے دور میں لوگ

فجر کی نماز اندھیرے میں بھی پڑھا کرتے تھے تو اس کا جواب حضرت امام محمد یہ دیتے ہیں۔

لان القوم کانوا یغلسون فیطیلون القراءۃ فینصرفون کما ینصرف اصحاب الاسفار ویدرک النائم وغیرہ الصلوۃ۔

یعنی لوگ جب غلس میں نماز پڑھتے تھے تو قرأت طویل کیا کرتے تھے، تو ان کی نماز کے ختم کا وقت بھی وہی ہوا کرتا تھا جو اسفار میں نماز پڑھنے والوں کا ہوا کرتا تھا، اس وجہ سے سونے والے اور بیدار دونوں ہی طرح کے لوگ نماز پا لیا کرتے تھے۔

یعنی جو شریعت کا نماز با جماعت کی مشروعیت سے مقصود تھا کہ لوگ مسجد میں حاضر ہوں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں وہ غلس میں نماز پڑھنے کی شکل میں بھی طویل قرأت کی وجہ سے حاصل تھا اس وجہ سے ان کی غلس میں نماز کی ادائیگی پر کوئی اشکال نہیں ہو سکتا اور نہ اسفار کے سلسلہ کی جو احادیث ہیں ان کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

حضرت امام محمد نے جو یہ دعوی کیا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگ فجر کی نماز میں قرأت طویل کیا کرتے تھے اس کی دلیل کیا ہے؟ تو امام محمد فرماتے ہیں۔

وقد بلغنا عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قرأ سورۃ البقرۃ فی صلوۃ الصبح۔

یعنی ہمیں یہ بات پہونچی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز میں سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے تھے۔

سورہ بقرہ یعنی تقریباً ڈھائی پارہ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

فانما کانوا یغلسون لذالک

اس وجہ سے لوگ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے۔

لیکن کیا یہی طریقہ عام امت میں بھی رواج پذیر تھا، تو اس کا جواب صرف ایک ہے کہ نہیں بعد کے ادوار میں فجر کی نماز میں اتنی طویل قرأت کا معمول نہیں رہا، اس وجہ سے امام محمد فرماتے ہیں:

فاما من خفف وصلی بسورة المفصل ونحوها فینبغی له ان یسفر

یعنی جو لوگ نماز ہلکی پڑھیں اور نماز فجر میں سورہ مفصل یا اس جیسی ہلکی سورہ پڑھیں تو ان کیلئے اسفار ہی مناسب ہے۔

اس کے بعد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسفار کے سلسلہ کی احادیث نقل کی ہیں فرماتے ہیں کہ

وقد بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر

یعنی ہمیں یہ بات پہونچی ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ فجر کی نماز اسفار میں (یعنی صبح روشن ہو جانے کے بعد) پڑھو اسلئے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

امام محمد نے اس حدیث کا سلسلہ سند ذکر نہیں کیا کیوں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے فرماتے ہیں۔

حدیث مستفیض معروف

یہ حدیث مشہور و معروف ہے۔

دوسری حدیث انھوں نے اپنی سند سے حضرت رافع بن خدیج کی ذکر کی ہے، حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں:

نشز بلال یؤذن للفجر فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسفر ای بلال! قال: فجلس، ثم نشز الثانیة لیؤذن فقال اسفر ای بلال فجلس، ثم نشز الثالثة قال فترکه فاذن۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دینے کے لئے اٹھے تو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال صبح روشن ہونے دو، حضرت بلال بیٹھ گئے، پھر دوبارہ کھڑے ہوکر اذان دیں پھر آپ نے فرمایا کہ ذرا صبح اور روشن ہونے دو پھر حضرت بلال بیٹھ گئے، پھر تیسری مرتبہ جب وہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپنے منع نہیں کیا اور انھوں نے اذان دی۔

پھر تیسری روایت حضرت امام محمد نے اپنی سند سے انہیں حضرت رافع بن خدیج کی ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ :

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول : یابلال نور بالفجر مایری القوم من مواقع نبلھم ۔

میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ وہ حضرت بلال کو حکم دیتے تھے کہ فجر کی نماز کی اذان اتنی روشنی میں کہا کرو کہ لوگ اپنے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیا کریں۔

پھر چوتھی حدیث اپنی سند سے محمود بن لبید انصاری کی ذکر کی ہے، وہ یہ ہے :

عن زید بن اسلم قال اخبرنی محمود ابن لبید انصاری عن رجال من قومہ من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قالوا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اصبحوا بالصبح فکلما اصبحتم فھو اعظم للاجر ۔

زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ مجھکو محمود ابن لبید نے خبر دی کہ ان کی قوم کے بہت سے صحابہ کرام نے کہا کہ آنحضورؐ کا یہ حکم تھا کہ تم لوگ صبح کی نماز صبح روشن ہو جانے کے بعد ادا کیا کرو، اس لئے کہ تم جتنی روشنی میں فجر کی نماز ادا کروگے اسی میں اجر زیادہ ہے ۔

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو نقل کرنے کے بعد جن میں فجر کی نماز کے لئے اسفار کا حکم ہے، حضرت امام محمد نے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی سند سے یہ اثر ذکر کیا ہے، خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مؤذن ابن نباح سے فرماتے تھے :

یاابن النباح اسفر بالفجر

ابن نباح فجر کی نماز کی اذان اسفار میں کہا کرو ۔

اس طرح اس علمی مناقشہ کے ذریعہ حضرت امام محمد نے فجر کی نماز کیلئے اسفار کی افضلیت و اولیت کو جو حضرت امام ابو حنیفہ کا اختیار کردہ مسلک ہے، عقل و نقل کی روشنی میں ثابت کیا ہے ۔ اس مناقشہ میں جانب مخالف کے اشکالات کا جواب بھی ہے ، اور اپنی بات کا علمی انداز میں اثبات بھی ہے ۔

—— جاری ——

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور مذاہب اربعہ

فتنہ غیر مقلدیت کے وجود سے پہلے پہلے تمام عالم اسلام میں مذاہب اربعہ ہی پر اعتماد تھا، فقہی مسائل میں انھیں مذاہب کی روشنی میں فتویٰ دیا جاتا تھا، یہ ایسی بات تھی کہ اس پر اجماع امت تھا، اور اگر کبھی کسی نے مذاہب اربعہ سے ہٹ کر کوئی فتویٰ دیا یا رائے اختیار کی تو اس کا قول شاذ شمار کیا گیا اور امت نے اسے قبول نہیں کیا۔

غیر مقلدین پیدا ہوئے تو انھوں نے یہ بدعت جاری کی کہ مسائل فقہیہ کے بیان میں من مانی کرنے لگے، مذاہب اربعہ کے خلاف زبان طعن دراز کی، اور جو بات مسلم اور مجمع علیہ اور متفق علیہ تھی یعنی مذاہب اربعہ ہی کی روشنی میں شرعی مسائل میں امت کی رہنمائی اور فتویٰ دینا اس کے خلاف جنگ جیسا محاذ کھولدیا۔ اور امت کی پرسکون زندگی میں انتشار کی کیفیت پیدا کردی۔

برادران غیر مقلدین کو بڑا اچھا لگتا ہے کہ فقہ حنفی کا مذاق اڑاؤ، فقہ شافعی کا مذاق اڑاؤ فقہ مالکی کا مذاق اڑاؤ اور فقہ حنبلی کا مذاق اڑاؤ اور عوام کو یہ سمجھاؤ کہ یہ سارے مذاہب باطل اور ائمہ اربعہ کی تقلید شرک اور حرام، ائمہ متبوعین میں سے نہ امام ابوحنیفہ قابل اعتماد نہ امام مالک نہ امام شافعی اور نہ امام احمد۔

امت اسلامیہ کی تاریخ میں یہ بالکل نئی سوچ اور نیا فلسفہ ہے جسے غیر مقلدین نے ایجاد کیا، اس نہج پر امت نے اپنی پوری تاریخ میں کبھی نہیں سوچا تھا، اور نہ کبھی پوری اسلام کی تاریخ میں غیر مقلدیت کا فتنہ کہیں نظر آتا ہے، کبھی ایسے غیرے نتھو خیرے اس سوچ کے کہیں نظر آئے بھی

توان کا حال برساتی پانی کے بلبلے کا تھا کہ پیدا ہوئے اور بجھ گئے کسی نے ان کی خیریت دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، اور نہ تاریخ میں ان کو کوئی جگہ ملی۔

امت مسلمہ کی ایک روشن تاریخ ہے، دنیا کے بیشتر حصوں میں مسلمانوں کی حکومت رہی، مساجد رہیں، مدرسے رہے، مفتی رہے، قاضی رہے، علماء رہے، فقہاء رہے، اور حال یہ تھا کہ مساجد میں امام مقلد مدرسوں میں پڑھانے والا مقلد، فتوی دینے والا مفتی مقلد فیصلہ سنانے والا قاضی مقلد، عالم مقلد، فقیہ مقلد، درس دینے والا مدرس مقلد، اور حکومت کرنے والا بادشاہ مقلد۔

شروع ہی سے مسلمانوں کی یہی تاریخ رہی ہے، اور ائمہ اربعہ کی تقلید پر ساری امت کا اتفاق رہا ہے، کتاب وسنت کی حفاظت اور بقا کی اشاعت اسی راہ اور اسی ذریعہ سے ہوتی رہی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ علم کا بحر ذخار تھے۔ کتاب وسنت کے حافظ تھے ان کی کتابیں پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کے سارے دلائل اور فقہ وشریعت کی ساری باتیں نوک زبان ہیں، مگر فتاوی کے باب میں ان کو بھی جرأت کم ہی ہوتی ہے کہ مذاہب اربعہ سے باہر نکل کر گفتگو کریں، اور مجتہد بن کر فتوی دیں، جہاں دو چار مسائل میں انھوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور ائمہ اربعہ کے مذاہب سے الگ ہو کر فتوی دیا امت نے اس کو قول شاذ کہا اور اس کو ابن تیمیہ کے تفردات میں سے شمار کیا، امت میں اس کو قبول عام حاصل نہیں ہوا۔

مثلاً ابن تیمیہ نے طلاق کے مسئلہ میں جمہور امت اور مذہب اربعہ سے الگ یہ فتوی دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک قرار پاتی ہے۔

یہ فتوی مذاہب اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کے فتوی کے خلاف تھا تو ابن تیمیہ کی کسی نے نہیں سنی، کسی نے اس کو سند نہیں بنایا، اور یہ قول شاذ قرار پایا، ابن قیم نے جو ابن تیمیہ کے خاص شاگرد رہیں اپنے استاذ کے اس فتوی کو بڑی قوت سے پیش کیا، مگر استاد

اور شاگردوں کی اس ساری تگ و دو کو امت میں پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

البتہ غیر مقلدین کو یہ شاذ قول بھا گیا اور انھوں نے اس کو اپنا مذہب بنا لیا۔

ابن تیمیہ نے خلاف جمہور یہ قول اختیار کیا کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی نیت سے سفر حرام ہے، اس فتوی سے سارا عالم ایسا برہم ہوا کہ ابن تیمیہ کی زندگی دو بھر ہو گئی اور ان کو اس شاذ قول کی وجہ سے بہت کچھ جھیلنا پڑا۔

ابن تیمیہ کا یہ شاذ قول کسی مسلمان کو نہیں بھایا گر غیر مقلدین کو بھا گیا اس وجہ سے نہیں کہ ابن تیمیہ کا یہ فتوی دلیل کے اعتبار سے قوی تھا بلکہ چونکہ اس میں شذوذ تھا، انفرادیت تھی، غیر مقلدین کو انفرادیت اور شذوذ والی بات بھاتی ہے انھوں نے ابن تیمیہ کی اس باب میں ایسی تقلید کی کہ توبہ بھلی۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ علم کا پہاڑ تھے، علم کا سمندر تھے، کتاب وسنت کے بحر بیکراں تھے، مگر وہ بھی فتوی دیتے تھے ائمہ اربعہ ہی کے فقہ کے مطابق اور جہاں وہ اس لائن سے کھسکے لوگوں نے ان کی بات کو قول شاذ کہا اور ابن تیمیہ کا تفرد شمار کیا، اور امت میں اس کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔

اب میں دو چار مثال سے یہ واضح کرتا ہوں کہ فتوی کے باب میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا عام طریقہ کیا تھا۔

(۱) ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ منی پاک ہے یا ناپاک، تو انھوں نے جواب دیا:

الصحیح ان المنی طاهر کما هو مذهب الشافعی واحمد فی المشهور عنه۔ (فتاوی ج ۲۱ ص ۶۰۶)	یعنی صحیح بات یہ ہے کہ منی پاک ہے جیسا کہ یہی مذہب امام شافعی کا ہے اور یہی مشہور مذہب امام احمد کا ہے۔

(۲) آپ سے سوال ہوا کہ قنفذ کا پر نجس ہے یا پاک، تو اس کا جواب دیا۔

هو طاهر وان وجد بعد موته عند جمهور العلماء وهو مذهب مالک	یعنی وہ پاک ہے اگرچہ مرنے کے بعد کی ہو جمہور علماء کا یہی قول ہے اور امام مالک

وابی حنیفۃ واحمد فی ظاھر مذھبہ۔ (ص ۲۰۶/ج ۲۱)

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور یہی امام احمد کا ظاہری مذہب ہے۔

(۳) اگر کسی نے اپنی شرمگاہ کو چھوا تو اس کا وضو ختم ہو گیا یا باقی ہے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جانور کی شرمگاہ (خواہ زندہ ہو یا مردہ) چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

البتہ بطور خاص انسان کی شرمگاہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا قول یہ ہے کہ شرمگاہ چھونے سے کسی حال میں وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے اور امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے۔ (ص ۲۳۱/ج ۲۱)

(۴) اگر کسی کو حالت قیام میں نیند آ جائے یا بیٹھے بیٹھے وہ سو جائے یا رکوع اور سجدہ میں اسے نیند آ جائے تو کیا وضو باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا۔ البتہ بیٹھنے والوں کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر سونے والے اور بیٹھ کر سونے والے کا وضو نہیں ٹوٹے گا، رکوع کرنے والے اور سجدہ کی حالت میں سونے والے کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ کھڑے ہونے والے، بیٹھنے والے اور رکوع اور سجدہ کرنے والے کی نیند ناقض وضو نہیں ہے یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔ (ص ۲۳۰/ج ۲۱)

(۵) سو کر کوئی اٹھا اور اس نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالدیا تو پانی نجس ہو گیا یا پاک ہے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

نجس نہیں ہوگا، جمہور علماء کے نزدیک اس کا استعمال جائز ہے یہی مذہب امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ (ص ۴۲۶/ج ۲۰)

(۶) کنواں میں پانی زیادہ ہے اور اس میں کتا اگر مر جائے، دیر تک کتا پڑا رہے اور اس کا بال اور چمڑا بدن سے گر جائے اور پانی کا کوئی وصف بدلے نہیں نہ رنگ، نہ مزہ نہ بو تو ایسے کنویں کا کیا حکم ہے؟

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

وهو طاهر عند جماهير العلماء كمالك والشافعي واحمد ۔ ص ۳۷/۲۱	یعنی جمہور علماء کے نزدیک مثلاً امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک پاک ہے

پھر فرماتے ہیں کہ:

کتا کا بال امام مالک کے مذہب میں پاک ہے۔ اور امام شافعی کے مذہب میں نجس ہے اور امام احمد سے دو قول مروی ہیں، ایک پاک ہونے کا اور ایک ناپاک ہونے کا۔

(ایضاً)

(۷) اگر ناپاک چیز سے پانی گرم کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

اما المسخن بالنجاسة فليس بنجس باتفاق الائمة اذا لم يحصل له ما ينجسه واما كراهته ففيها نزاع، لا كراهة في مذهب الشافعي وابي حنيفة ومالك واحمد في احد الروايتين عنهما وكرهه مالك واحمد في الرواية الاخرى (ص ۶۹/۲۰)	نجاست سے گرم کیا ہوا پانی باتفاق علماء نجس نہیں ہے، بشرطیکہ پانی میں نجاست پڑ کر پانی کو نجس نہ کر دے، البتہ اس کی کراہیت میں اختلاف ہے، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے یہاں مطلقاً مکروہ نہیں ہے، اور امام مالک اور امام کی ایک روایت میں مکروہ ہے اور ایک میں مکروہ نہیں ہے۔

(۸) گدھا اور ایسے جانور جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا اور مردار جانور کے چمڑے کو دباغت دینے کے بعد پاک سمجھا جائے گا یا ناپاک۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس میں دو قول ہے، ایک جو اکثر علماء کا ہے وہ یہ کہ دباغت سے

چمڑا پاک ہوجائے گا، اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا ایک قول کے مطابق ہے۔ (ص۹۰ / ج۲۰)

(۹) مردہ کے تھن سے دودھ نکلا اس کا کیا حکم ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں، اس بارے میں علماء کا دو مشہور قول ہے۔

ایک یہ کہ وہ پاک ہے یہ مذہب امام ابوحنیفہ وغیرہ کا ہے اور یہی ایک روایت امام احمد کی بھی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نجس ہے یہی مذہب امام مالک امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ زیادہ قوی بات یہ ہے کہ وہ پاک ہے، ص۱۰۳ / ج۲۰

(۱۰) سر کا مسح تین بار کرنا مستحب ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں،

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تین بار مستحب نہیں ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے اور امام احمد کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔ (ص۱۲۰ / ج۲۱)

ان دس مثالوں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ افتاء واضح ہوتا ہے کہ عموماً وہ مذاہب اربعہ ہی کا ذکر کرتے ہیں، دوسروں کے اقوال کبھی کبھار نقل کرتے ہیں، اپنے اجتہاد سے فتویٰ دینا بھی عام حالات میں جائز نہیں سمجھتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ طرز عمل بتلا رہا ہے کہ امت مسلمہ کا عام اعتماد ہی انھیں مذاہب اربعہ پر ہمیشہ رہا ہے، اور انھیں مذاہب کی روشنی میں اور انھیں کے اقوال کے مطابق اصحاب فتویٰ، فتویٰ دیا کرتے تھے اور امت مسلمہ ان کو قبول کرتی تھی۔

مسلمانوں کا کبھی یہ مزاج نہیں رہا ہے کہ وہ یہ کہہ کر شریعت کے کسی مسئلہ کو رد کردیں کہ یہ امام کا قول ہے، یہ شافعی کا قول ہے، یا ابوحنیفہ، مالک اور احمد کا قول ہے، اسلئے ہمیں قبول نہیں۔

اس لئے کہ فتویٰ دینے والوں کو اور فتویٰ معلوم کرنے والوں کو خوب پتہ تھا کہ ان چاروں مذاہب کی بنیاد کتاب و سنت اور شرعی دلائل ہی پر ہے خواہ عوام کے لئے ان دلائل کو ذکر کیا جائے یا نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی کبھی صرف ان ائمہ کے اقوال کو ذکر کر دیتے ہیں اور کبھی ان تمام کے دلائل بھی نقل کرتے ہیں، اور کبھی کسی ایک کو ترجیح بھی دیتے ہیں۔

بہر حال معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (جن کو یہ غیر مقلدین دو ایک مسئلوں کی وجہ سے سلفیوں کا امام سمجھتے ہیں) ان کے نزدیک امتی کے قول سے فتویٰ دینا حرام ہوتا یا ان کے نزدیک ائمہ اربعہ کی تقلید شرک ہوتی یا ان ائمہ اربعہ کے مذاہب کی اساس کتاب و سنت اور شرعی دلائل پر نہ ہوتی تو ان جیسا آدمی ہرگز ہرگز مسائل فقہیہ کے بیان میں ان مذاہب اربعہ کا ذکر نہ کرتا، اور ائمہ اربعہ کے اقوال کی روشنی میں فتویٰ نہ دیتا۔

یہیں سے غیر مقلدین کو سمجھ لینا چاہئے کہ جب شیخ الاسلام کو بایں وسعت علم و فہم و ذکاء ان ائمہ کے اقوال کی پیروی سے چارہ نہیں ہے تو پھر تمہاری کیا حقیقت ہے کہ تم ان ائمہ کی شان میں طعن و تشنیع کرو اور مذاہب اربعہ کا خاکہ اڑاؤ اور لوگوں کو ان ائمہ کی راہ سے گمراہ کرو، پتھر سے ٹکرانے والا اپنا ہی سر زخمی کرتا ہے اور جن کو اس کا شوق ہوتا ہے کہ لوہے کا چنا چبائیں وہ اپنا ہی دانت توڑتے ہیں۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط (۲)

امام ابوحنیفہ اور مسئلہ قیاس

امام بخاریؒ نے حدیث حسن کا انکار کیا ہے

خیر یہ قصہ امام مالک کا ہے یہ جو امام بخاریؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جمہور کے خلاف انھوں نے حدیث حسن کا انکار کر دیا ہے اور وہ اسے قابلِ عمل نہیں سمجھتے ہیں، اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ترکِ حدیث کا الزام رکھنے والے کیا فرمائیں گے؟

امام شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں :

" اسی طرح حدیث حسن سے بھی حجت پکڑنا صحیح ہے جس کے حسن ہونے کی تصریح کسی معتبر امام حدیث سے ثابت ہو اس لئے کہ حسن حدیث پر جمہور کے نزدیک عمل جائز ہے اور اس بارے میں سوائے امام بخاری اور ابن عربی کے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے اور حق بات وہی ہے جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے " (ص ۲۲/۱ج)

اور صالح بن مہدی کو ببانی فرماتے ہیں :

" محدثین کی اصطلاح میں جو حدیث صحیح کہلاتی ہے اسی کو عمل کے لئے شرط قرار دینا یہ ایسی بات ہے کہ امام بخاری کے علاوہ اور کسی نے نہیں کہی ہے اور ان کی یہ بات دلیل سے دور ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی یہ بات اگلے پچھلے سارے ائمہ کے خلاف ہے تو جائز ہے " (روح النوافح ص ۱۸۹)

یہاں یہ بات بھی جاننا خالی از فائدہ نہیں ہے کہ حسن حدیث کی تعداد ہزاروں تک پہونچی ہے صرف ایک محدث حماد بن سلمہ سے ایک ہزار حسن حدیث مروی ہے۔ (تہذیب التہذیب ص۱۶ ج۳)

اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر امام بخاریؒ جمہور کے مسلک کے بالکل خلاف حدیث حسن کو چھوڑ دیں اور اس کا اعتبار نہ کریں اور امام مالکؒ ستر مسائل میں حدیث کے خلاف فتویٰ دیں اور بقول امام لیث اپنی رائے کی پیروی کریں تو یہ بات تو ان حضرات کے لئے طعن اور قابلِ جرح نہ ہو لیکن اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کسی خاص علت کی بنا پر کسی حدیث کو ترک کردیں تو شور مچا دیا جائے کہ انھوں نے حدیث کی مخالفت کی اور یہ بات ان کے حق میں جرح بن جائے۔

آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کیا یہ بات کسی بھی حق پسند مصنف اور صاحب علم کی شان کے مناسب ہے۔

کسی بھی عالم کا عمل ہر حدیث پر نہیں ہے

اور یہ بات کہ کسی خاص علت اور سبب کی بنا پر حدیث کو چھوڑ دیا جائے، حضرت امام بخاریؒ یا حضرت امام مالکؒ ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ بقول حافظ ابن عبد البرؒ

ما اعلم احدا من اهل العلم الا وله	ہر صاحب علم کسی نہ کسی آیت میں تاویل کرتا
تاویل فی آیة او مذهب فی سنة	ہے یا حدیث کے باب میں اس کا کوئی مذہب
رد من اجل ذالك سنة اخرىٰ	ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ کسی مناسب
بتاویل سائغ او ادعاء لنسخ	تاویل یا منسوخ ہونے کے دعویٰ کی بنا پر
(جامع بیان العلم ص۱۴۸ ج۲)	دوسری کسی حدیث کو رد کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو اسی بنا پر مجروح قرار دینا جائز ہے کہ اس نے کسی خاص تاویل یا کسی خاص علت کی وجہ سے بعض احادیث پر عمل نہیں کیا ہے تو پھر بتلائیے کہ ابن عبد البرؒ کے اس بیان کے بعد کون ہے جو مجروح ہونے سے بچ رہے گا۔

اور یہاں میں یہ بھی بتلا دوں کہ کسی بھی قابل اعتبار عالم، فقیہ، محدث کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے بلا کسی علّتِ خاص کے حدیث کو ترک کیا ہے اور اس نے اپنی رائے کی پیروی کی ہے یہ اہل علم کی شان میں انتہائی درجہ کی جسارت اور گستاخی ہے، حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ:

"کسی بھی عالم کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ حدیث کو آنحضورؐ سے ثابت مانتے ہوئے اسے رد کر دے الّا یہ کہ وہ اس کے منسوخ ہونے کا مدعی ہو چاہے یہ نسخ اس جیسی کسی دوسری حدیث سے اس کے یہاں ثابت ہو یا اجماع سے یا کسی ایسے عمل سے جس کی بنیاد پر اس کے نزدیک حدیث کو ترک کر دینا جائز ہو یا اس وجہ سے اس نے چھوڑا ہو کہ اس کی سند میں کلام ہو بلا ان وجوہ کے اگر کسی نے کسی حدیث کو ترک کر دیا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی چہ جائیکہ اس کو امام بنایا جائے۔ (جامع بیان العلم ص ۱۴۸ ج ۲)

بہرحال اس ابتدائی گفتگو کے بعد اب میں بتلانا چاہتا ہوں کہ جس قیاس کے بارے میں یہ شور ہے شریعت میں اس کا کیا مقام ہے اور تابعین کا اس کے بارے میں کیا طرز عمل ہے قبل اس کے کہ میں اپنی آنے والی گفتگو شروع کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ جان لیں کہ قیاس کہتے کسے ہیں۔

قیاس کی تعریف

مشہور حنبلی امام شیخ الاسلام موفق الدین ابو محمد عبد اللہ ابن احمد ابن قدامہ مقدسی نے اپنی مشہور کتاب "روضۃ الناظر وجنۃ المناظر" میں قیاس کی تعریف اس طرح کی ہے۔

هو فى الشرع حمل فرع على اصلٍ فى حكم بجامع بينهما۔ (ص ۲۲۴ ج ۲)

یعنی قیاس شرع میں نام ہے کسی فرع کو کسی حکم کیلئے کسی اصل پر محمول کیا جائے، اور یہ محمول کرنا کسی ایسے امر کی بنیاد پر ہو جو اصل اور فرع دونوں میں مشترک ہے۔

اور بعض نے یوں تعریف کی ہے۔

حکمك علی الفرع بمثل ما حکمت بہ فی الاصل لاشتراکھما فی العلۃ (ایضاً)	یعنی تم فرع میں اسی طرح کا حکم لگاؤ جو حکم تم نے اصل میں لگایا ہے اور یہ اسلئے کہ اصل اور فرع دونوں کی علت مشترک ہے۔

حنفیہ کی کتاب حسامی میں قیاس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

الفقہاء اذا اخذ دا حکم الفرع من الاصل سموا ذالك قیاساً (ص۹۷)	فقہاء جب فرع کا حکم اصل سے لیتے ہیں تو اس کو وہ قیاس کہتے ہیں۔

حافظ ابن عبد البر نے قیاس کی تعریف اس طرح کی ہے۔

تمثیل الشئ بعدلہ ومثلہ دھو نفس القیاس (جامع بیان العلم ص۹۵)	یعنی کسی شئ کو اس جیسی دوسری شئ کے مثل قرار دینا یہی قیاس ہے۔

ان تعریفات میں آپ غور کریں آپ کہیں یہ نہیں دیکھیں گے کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ قیاس اپنی رائے اور اجتہاد سے کسی بات کو طے کر لینے کا نام ہے بلکہ سب یہی کہہ رہے ہیں کہ قیاس نام ہے فرع میں اگر کوئی حکم شرعی نہ ہو تو اصل میں غور و فکر کر کے کسی علتِ جامعہ کی وجہ سے جو اصل اور فرع دونوں میں پائی جا رہی ہے فرع میں بھی وہی حکم لگا دیا جائے جو اصل کا حکم ہے۔ یہ ہے وہ قیاس جس کو فقہاء استعمال کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اصل سے مراد قرآن وسنت اور اجماع ہے اور یہی تینوں چیزیں قیاس کی بنیاد ہیں اور یہی وہ قیاس ہے جس کے امام ابو حنیفہؒ قائل ہیں اور اس قیاس کا سوائے ایک جماعتِ شاذہ کے کوئی منکر نہیں ہے اور یہی وہ قیاس ہے جس کو فقہاء اپنی اصطلاح میں اصل رابع یا اصل خاص سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی قیاس کے بارے میں ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت بھی ہے اور عہدِ صحابہ سے لے کر بعد کے ہر زمانہ تک اس پر عمل ہوتا آیا ہے۔

قرآن سے قیاس کا ثبوت

اگر میں قرآن سے ان آیتوں کو نقل کرنا شروع کر دوں جن سے قیاس شرعی کا ثبوت ہوتا ہے تو بلا مبالغہ ان کی

تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ قرآن آپ کھول کر بیٹھ جائیں اور اس کے اوراق الٹنا شروع کریں شاید ہی کوئی صفحہ آپ کو ایسا ملے گا جس میں گذشتہ قوموں کی تکذیب رسل اور اس تکذیب کا انجام بتلا کر کفار مکہ کو اس کی وعید نہ سنائی گئی ہو کہ تم بھی اپنے انجام کو جو اس تکذیب رسول کی وجہ سے پیش آنے والا ہے انھیں اقوام گذشتہ کے انجام پر قیاس کر لو۔

اسی طرح سیکڑوں آیت اس مضمون کی ہیں جس میں اللہ نے قیامت اور بعث بعد الموت کے منکرین کو آگاہ کیا ہے کہ تم کو ابتداءً جس نے پیدا کیا ہے کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا یعنی ابتدائی تخلیق سے تمہیں قیاس کر لینا چاہیے کہ وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی بلاشبہ قادر ہے اس لئے کہ جو علت خلق کی پہلے تھی یعنی اس کا قادر ہونا وہ علت اب بھی ہے۔

اسی طرح اللہ نے جگہ جگہ ان منکرین بعث کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بارش کے قطرات سے مردہ زمین میں زندگی ڈال دیتا ہے اور خشک اور چٹیل میدان میں سبزہ اگنے لگتے ہیں تو تمہیں اگر ہوش وعقل ہے تو قیاس کر لو کہ تمہارا دوبارہ پیدا کرنا اور مردہ جسم میں جان ڈال دینا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

نیز قرآن میں جگہ جگہ کافروں کو مردوں سے تعبیر کیا گیا ہے کہیں اندھا اور بہرہ کہا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح اندھا دیکھ نہیں سکتا، بہرہ سن نہیں سکتا، مردہ سمجھ نہیں سکتا اسی طرح ان کافروں کی حالت کو انھیں مردوں، اندھوں اور بہروں کی حالت پر قیاس کر لو کہ ان کے اندر سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت مفقود ہے۔

اس طرح کے مضامین کی جیسا کہ میں نے عرض کیا سیکڑوں آیتیں ہیں جن سے قیاس شرعی کا ثبوت ہوتا ہے، ان ساری آیتوں کو نقل کرنا اس چھوٹے سے مضمون میں آسان نہیں ہے، میں یہاں صرف ان آیات کثیرہ میں سے دو آیت نقل کرتا ہوں جن سے قیاس کا ثبوت ہوتا ہے۔

ابن قدامہ حنبلی روضۃ الناظر میں فرماتے ہیں:

وقد استدل علی اثبات القیاس	قیاس کا اثبات اللہ تعالیٰ کے اس قول سے
بقولہٖ تعالیٰ فاعتبروا یا اولی الابصار	کیا گیا ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار

وحقیقۃ الاعتبار مقایسۃ الشیٔ بغیرہ (مھ۲۲۴)

اور اعتبار حقیقت میں ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرنے کا نام ہے۔

اس استدلال پر اگرچہ بعض لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اعتراض کرنے والوں کا اعتراض بس اعتراض برائے اعتراض ہے اس میں کوئی جان نہیں ہے خود ابن قدامہ نے ان معترضین کا مسکت جواب دیا ہے جو ان کی اس کتاب کی طرف مراجعت کرنے سے واضح ہوگا۔

نیز قرآن کا ارشاد ہے :

یاایھا الذین اٰمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم (المائدہ)

اے ایمان والو اگر تم حالت احرام میں ہو تو شکار مت کرو اور کسی نے قصداً شکار کیا تو پھر اسے اس طرح کے جانور کا بدلہ دینا ہے جو اس نے شکار کیا ہے۔

مشہور محدث حافظ ابن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں :

ھذا تمثیل الشیٔ بعدلہ ومثلہ وشبہہ ونظیرہ وھو نفس القیاس عند الفقھاء (جامع بیان العلم جلد۲)

یعنی قرآن کا یہ حکم ایک چیز کو مشابہ قرار دینا ہے اس کی نظیر اور مثل کے، اور یہ فقہاء کے یہاں بعینہٖ قیاس ہے۔

یعنی فقہاء کے یہاں قیاس اسی کا نام ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ قرار دیکر اس پر بھی وہی حکم لگا دیا جائے جو حکم پہلے پر لگا ہے جس کی مختصر تعبیر فقہاء کے یہاں "رد النظیر الی النظیر" کی ہے۔ بہر حال قرآن کی ان دو آیتوں سے امت مسلمہ کے دو مسلم غیر حنفی اماموں نے قیاس شرعی کا اثبات کیا ہے۔ اب جو چاہے ان دونوں اماموں کی بات کو غلط ٹھہرائے اور کہدے کہ قیاس ایک امر اختراعی ہے جس کو احناف نے گڑھ لیا ہے تاکہ اس کے سہارے احادیث صحیحہ کو رد کیا جائے جیسا کہ اب تک یہی کیا گیا ہے یا پھر وہ تسلیم کریں کہ قیاس بھی ایک امر شرعی ہے۔

(جاری)

مجلہ ۱۰ جمل مفتاحی

مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی

کراماتِ غیر مقلدین

کرامات مولانا عبداللہ صاحب غزنوی

۱ - آپ فرماتے تھے کہ کابل میں جب حکومت نے مجھے مورد عتاب سمجھا، اور سو دُرّے مارنے کا حکم دیا، تو سبھی کا یہ خیال تھا کہ اب میں نہیں بچ سکوں گا، چنانچہ تین آدمی یکے بعد دیگرے دُرّے لگاتے تھے، جب ایک تھک جاتا تو دوسرا آجاتا، دیکھنے والوں کو ترس آرہا تھا، مگر مارنے والے سنگدل اپنی پوری قوت سے مارتے تھے، مگر مجھے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ مجھے مار رہے ہیں، یا کسی اور کو، یعنی مجھے ذرہ بھر بھی تکلیف نہ ہوئی، پھر آپ نے یہ حدیث پڑھی۔ مایجد الشہید من مس القتل الا کما یجد احدکم من مس القرصۃ۔ یعنی شہید کو شہادت کے وقت اتنی درد بھی نہیں ہوتی جتنی تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے پر ہوتی ہے۔

۲ - مولانا غلام رسول صاحب قلعوی کا بیان ہے کہ ایک بار کسی امیر نے آپ کے پاس کچھ میوے بطور تحفہ بھیجے، تو آپ کو دور ہی سے بدبو آنے لگی، بظاہر چونکہ تحفہ کا رد کرنا جائز نہ تھا، اس لئے آپ نے واپس نہ کئے، اور گھر میں گڑھا کھود کر دفن کر دیئے، راوی کہتا ہے کہ آپ کو حلال اور حرام مال میں فوراً تمیز ہو جاتی تھی، اور آپ حرام مال سے بچ جایا کرتے تھے۔

۳ - مولانا عبداللہ المعروف غلام نبی الربانی سوہدروی کا بیان ہے کہ ایک بار ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور میں نے مجاہدین کو ایک چٹھی بھیجی تھی، جو راستہ میں پکڑی گئی، چونکہ

میں سرکاری ملازم ہوں، اور وہ چٹھی میرے افسروں کے پاس پہنچ گئی ہے، اس لئے اب مجھ پر مقدمہ چلے گا اور نہ صرف ملازمت ہی سے برطرف کر دیا جاؤں گا بلکہ سخت سزا بھی دی جائے گی، خدا کے لئے دعا کیجئے، اور مجھے اس مصیبت سے بچائیے، راوی کا بیان ہے کہ میرے سامنے عبداللہ صاحب نے مراقبہ کیا، اور کچھ عرصہ کے بعد سر اٹھایا، اور اپنی بغل سے وہ چٹھی نکال کر اس شخص کو دی، اور پوچھا کہ کیا یہی ہے؟ اس نے کہا، ہاں حضور یہی ہے جس کی بنا پر مقدمہ چل سکتا ہے، آپ نے فرمایا، اسے جلا دو، اب مقدمہ نہیں چل سکے گا، چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا اور وہ افسر میری چٹھی پیش نہ کر سکا تو مجھے بری کر دیا گیا۔

کرامات مولوی محمد سلیمان صاحب روڑوی

آپ کے ایک دوست کا لڑکا نظام الدین نامی بدچلن ہوا اور سارا وقت گانے بجانے، ناچنے کودنے میں گذارنے لگا، ماں باپ اور سارے رشتہ دار سمجھا بجھا کر تھک گئے، مگر وہ نہ مانا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عیاش طبع انسانوں کی اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے، اس کا باپ آپ کے پاس آیا اور بیٹے کی حالت بیان کر کے رو دیا، آپ نے فرمایا فکر نہ کرو خدا نے چاہا تو ٹھیک ہو جائے گا، ایک دن نظام الدین اتفاقاً مولوی صاحب کے پاس سے گذرا، آپ نے اسے پکڑ لیا۔ بس پکڑنا ہی تھا کہ اس کا نقشہ پلٹ گیا، وہ زار و قطار روتا تھا، اور اپنے گناہوں سے تائب ہو رہا تھا، چنانچہ وہی نظام الدین اب بہت بڑا متقی اور پارسا بن گیا ہے۔

۲۔ ایک روز علے الصبح آپ فرمانے لگے، کہ لو بھائی آج ہمارے پیر و مرشد (مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی) بہشت میں پہنچ گئے ہیں، میں نے رات ان کو بہشت میں دیکھا ہے، اور یہ شعر سنا ہے جو میری زبان پر جاری ہو گیا ہے "لے او بیلی اللہ بیلی ساڈے ہوئے چلانے" یعنی اے دوست! خدا حافظ ہم تو جا رہے ہیں، سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے چنانچہ بعد میں جو اطلاعات آئیں ان سے معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت اور اسی دن امام صاحب کا انتقال ہوا تھا، جس دن مولوی صاحب نے علی الصبح ہم سے یہ کہا تھا۔

۳۔ تحصیل سرسہ میں ایک بہت بڑے رئیس اور نواب تھے، ان کی صاحبزادی بیمار

ہوگئی، کئی علاج کئے، افاقہ نہ ہوا، انھوں نے چاہا کہ مولوی صاحب کو بلایا جائے، وہ دم کریں گے تو شفا ہو جائے گی، چنانچہ آپ کی طرف آدمی آیا، آپ جانے کے لئے تیار ہوئے، سواری منگائی گئی، کہ مگر آپ نے فرمایا، اب جانا فضول ہے، لڑکی کا تو انتقال ہو گیا ہے، چنانچہ آدمی جب واپس گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت جب مولوی صاحب نے فرمایا تھا، اس کا روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا تھا۔

۴۔ مولوی عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن میرے دل میں ایک بزرگ کے ملنے کا خیال پیدا ہوا، اور جی چاہا کہ کچھ دن ان کے پاس جاکر ٹھہروں، اور فیض حاصل کروں، ابھی یہ میرے جی ہی جی میں تھا، اور میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب سامنے سے آگئے، اور آتے ہی فرمایا کہ ذرا سوچ سمجھ کر جانا، کہ آجکل دکانداریاں زیادہ ہیں، اللہ والے بہت کم ہیں، چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ واقعی وہ دکاندار ہی تھے۔

ص۵۲ کا بقیہ

کیوں کر رہے ہیں۔؟

تو عرض یہ ہے کہ آپ کو تو میں نے مخاطب بنایا ہے میرے سوالات تو ان لوگوں سے ہیں جن کی صحبت سے آپ متاثر ہیں اور جو آپ کے ذہن میں دین وشریعت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں اور آپ کو نہایت خطرناک راہ پر لیجا رہے ہیں، آپ میرا یہ خط ان کے پاس لیجائیں اور ان سے ان سوالات کا جواب حاصل کریں، جب آپ یہ سوالات ان کے سامنے رکھیں گے تو آپ کو خود ان کی علمی صلاحیت اور کتاب وسنت سے ان کے رشتہ اور تعلق کا حال معلوم ہو جائے گا۔

اپنے والد صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیں

والسلام

دعاگو محمد ابوبکر غازی پوری
یکم جون ۲۰۰۲ء

محمد اسحاق بھٹی

پہلی قسط

ہمایوں

بابر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصیرالدین محمد ہمایوں ہندوستان کا تخت نشین ہوا۔ اس کی ولادت ۴ ذی القعدہ ۹۱۳ھ کو کابل کے قلعہ میں ہوئی۔ اس نے حکومت و سطوت کی گود میں پرورش پائی اور بادشاہوں کی اولاد کی طرح فنونِ جنگ اور اصولِ حرب میں مہارت پیدا کی۔ ترکی، فارسی، علم ہیئت، ہندسہ، نجوم، شعر اور معما گوئی میں ماہر تھا۔ رصدگاہیں تعمیر کرنے میں پوری دستگاہ رکھتا تھا۔ شیخ جلال الدین ٹھٹھوی سندھی، شیخ ابوالقاسم جرجانی، مولانا الیاس اردبیلی، نورالدین سفیدونی اور علامہ قطب الدین رازی سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی، ہمایوں کا زیادہ وقت مطالعہ کتب میں صرف ہوتا تھا۔

ہمایوں نے اپنے باپ کی وفات کے بعد ۹ رجمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ کو آگرہ میں اُدھر ہندوستان کا تاجِ شاہی سر پر رکھا اور ادھر مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کے بھائی بھی مخالفوں کی فہرست میں شامل تھے۔ لیکن مخالفین کے مقابلے میں ہمایوں کا رویہ فراخ دلانہ تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مخالفوں میں سے کچھ لوگ والی گجرات سلطان بہادر سے جا ملے تھے، ہمایوں نے بار بار سلطان بہادر کو خط لکھ کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر اس نے ہمیشہ نفی میں جواب دیا اور ہمایوں کے خطوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ مجبوراً ہمایوں کو تسخیر گجرات کا ارادہ کرنا پڑا۔ اس کے لئے وہ آگرہ سے روانہ بھی ہوگیا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ سلطان بہادر خود چتوڑ کا محاصرہ کئے بیٹھا ہے تو وہ سارنگ پور میں رک گیا اور اس کے اخلاقِ شجاعت نے اجازت نہ دی کہ ایسے وقت میں جب کہ سلطان بہادر چتوڑ کے محاصرہ میں مصروف اور

دشمن سے برسر پیکار ہے، اس پر فوج کشی کی جائے۔ اس کو دشمن سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لینا ہمایوں نے شیوۂ مردانگی کے خلاف گردانا۔

یوں تو ہمایوں کے مخالفوں اور حریفوں کی فہرست بڑی وسیع ہے، لیکن تاریخِ ہند اس کے جس حریف کا بہت بڑے عنوان کے ساتھ ذکر کرتی ہے اور اس کے بوقلموں نقوشِ حکمرانی کو اپنے صفحات میں نمایاں طور پر پیش کرتی ہے، وہ شیر خاں سوری ہے۔ شیر خاں معمولی حیثیت سے ترقی کر کے یہاں تک پہنچا کہ اس نے ہندوستان کے عظیم فاتح بابر کے بیٹے شہنشاہِ ہند ہمایوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کی، اس کے بھائیوں کو بھی اس کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور آسانی کے ساتھ انھیں اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگیا۔ ہمایوں کو تمام اطلاعات برابر پہنچ رہی تھیں لیکن اس کی عادت تھی کہ لڑنے پر آتا تو مسلسل لڑتا ہی رہتا اور کئی کئی مہینے میدانِ جنگ ہی میں گزر جاتے۔ آرام کرنے لگتا تو ایک مدت آرام ہی میں گزار دیتا۔ جب اس کو اطرافِ ملک سے مسلسل کئی قسم کی خطرناک خبریں ملنے اور شیر خاں کی سرگرمیوں کی پیہم اطلاعات پہنچنے لگیں تو اس نے آگرہ سے حرکت کی اور مختلف مقابلے اور محاربے کرتا ہوا بنگال جا پہنچا، ہمایوں کی اس پیش قدمی کی خبر شیر خاں کو ملی تو اس نے جھاڑ کھنڈ کے راستے سے یلغار کی اور قلعہ رہتاس کے دروازے پر جا دستک دی، شیر خاں نے رہتاس کے راجہ سے درخواست کی کہ پردہ نشین عورتیں میرے ساتھ ہیں، آپ کا قلعہ بہت مضبوط اور محفوظ ہے، میں عورتوں کو اس قلعہ میں چھوڑنا چاہتا ہوں۔ رہتاس کا راجہ لالچ میں آگیا، اس نے اس خیال سے کہ عورتوں کا مال و دولت ہاتھ آئے گا، اجازت دیدی اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا، شیر خاں نے پردہ دار ڈولوں میں دو ہزار مسلح سپاہیوں کو بٹھا کر قلعے کے اندر بھیج دیا، جب ڈولے رکھے گئے تو بجائے عورتوں کے خوں خوار سپاہی تلواریں سونت کر باہر نکل آئے اور قلعہ کے محافظوں اور مکینوں کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ اس طرح شیر خاں آسانی سے قلعہ پر قابض ہوگیا۔

ہمایوں بنگال سے واپس آیا تو راستے میں شیر خاں گھات لگائے بیٹھا تھا اور اس

اثنا میں اس نے کافی فوج بھی جمع کر لی تھی ۔ ہمایوں کے لشکر کی بے سروسامانی کا علم بھی
شیر خاں کو ہو چکا تھا ۔ جوسہ کے مقام پر شیر خاں کی فوج نے آگے بڑھ کر شاہی لشکر کا راستہ
روک لیا۔ دریائے گنگا کی شاخ رماہی ندی برسات کے پانی سے لبریز چل رہی تھی۔ اس
ندی کے دونوں کناروں پر فریقین نے مورچے جما لیے۔ تین ماہ تک برابر لڑائی ہوتی رہی
مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ایک روز ہمایوں نے ملا عزیز کو شیر خاں کے پاس صلح کا پیغام دے کر
بھیجا۔ ان سے شیر خاں پہلے سے متعارف تھا۔ وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سخت گرمی میں
شیر خاں آستینیں چڑھائے اور پھاوڑہ ہاتھ میں لئے خندق کھود رہا ہے اور پسینے سے
شرابور ہے۔ ملا محمد عزیز کو دیکھ کر اس نے ہاتھ دھوئے، ان کے لئے شامیانہ نصب کرایا
اور خود بلا تکلف وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ جب بادشاہ کا پیغام سن چکا تو جواب میں کہا :

"میری طرف سے ہمایوں بادشاہ کو اتنا جا کر کہہ دیجئے کہ تم خود لڑنا چاہتے ہو
لیکن تمہارا لشکر لڑنے پر رضامند نہیں، اور میں لڑنا نہیں چاہتا مگر میرا لشکر
لڑائی پر مصر ہے"

اس سے کچھ دن بعد خود شیر خاں نے شیخ خلیل کو ہمایوں کے پاس بھیجا۔ شیخ خلیل ایک
مشہور بزرگ تھے جو شیخ فرید شکر گنج کی اولاد سے تھے اور شیر خاں کے پیر تھے۔ شیر خاں نے
ان سے کہا، وہ بادشاہ سے کہہ دیں کہ "میں بنگال کے سوا اور کسی علاقے سے سروکار نہیں رکھتا،
اگر یہ علاقہ مجھے دیدیا جائے تو وہاں بھی خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام کا ہوگا" کہتے ہیں اس نے
یہ عہد حلف اٹھا کر کیا، ہمایوں اس پر اعتماد اور یقین کر کے صلح پر رضامند ہو گیا اور پوری طرح
مطمئن ہو کر ندی پر پل باندھنے کا حکم دیا تاکہ دوسرے دن صبح کوچ کیا جائے ۔

لیکن شیر خاں کا یہ پیغام صلح محض دھوکا تھا۔ اس نے دوسرے روز علی الصبح شاہی لشکر
پر اچانک حملہ کر دیا۔ ہمایوں کی فوج بالکل بے خبر تھی۔ پریشانی میں اس کو صف آرائی کا موقع
بھی نہ ملا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیر خاں کے ایک ہی حملے سے ہمایوں شکست کھا گیا۔ جو پل اس نے
ندی عبور کرنے کے لئے تیار کرایا تھا، پٹھانوں نے توڑ دیا اور ان کے توپچیوں اور تیر اندازوں

نے کشتیوں میں بیٹھ کر ہمایوں پر گولوں اور توپوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس ناگہانی حملے میں ہمایوں
کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ بادشاہ نے گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں گھوڑا دریا
میں ڈال دیا۔ جب ڈوبنے لگا تو ایک سقے نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی مدد کی اور دریا
پار کرایا۔ اس وقت شیر خاں نے یہ شعر کہا :

فرید حسن را تو شاہی دہی
سپاہ ہمایوں بہ ماہی دہی

اس کے استاد نے اس کو اس طرح اصلاح دی :

یکے را برآری و شاہی دہی
سپاہ ہمایوں بہ ماہی دہی

یہ واقعہ ۹۴۶ھ میں پیش آیا۔

اس کے بعد شیر خاں نے بنگال کے علاقے پر فوج کشی کی اور متعدد لڑائیوں کے بعد سارا
بنگال اس کے قبضے میں آگیا۔ وہاں اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھا اور شیر شاہ کے خطاب سے
تخت نشین ہوگیا۔ اس کے اگلے سال شیر شاہ نے بہت بڑی تیاری کے ساتھ آگرہ کا عزم کیا
اب ہمایوں کے بھائی اور بعض امرائے سلطنت ذہنی اور عملی طور پر ہمایوں کے مزید مخالف
ہو گئے تھے اور شیر شاہ کو یہ خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں، جس سے اس کا حوصلہ بہت بڑھ گیا
تھا تاہم شیر شاہ کے حملے کی اطلاع پا کر ہمایوں مقابلے کو نکلا لیکن بھائیوں کی بے وفائی کی وجہ
سے پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور عین میدانِ جنگ میں ہمایوں کے ساتھیوں نے راہ فرار اختیار
کی۔ مجبوراً بادشاہ نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور پانی کے شدید بہاؤ میں پشت کی طرف سے دریا
میں گر پڑا۔ اس وقت شمس الدین محمد غزنوی نے مدد کی اور بادشاہ کو دریا عبور کرایا، وہاں سے
ہمایوں آگرہ گیا، مگر شیر شاہ برابر تعاقب میں چلا آرہا تھا، اس لئے وہ وہاں بھی نہ ٹھہر سکا
اور فوراً پنجاب چلا گیا۔ یہ لڑائی ۹۴۷ھ میں ہوئی۔

ہمایوں نے لاہور پہنچ کر آئندہ اقدام کے بارے میں غور کرنا شروع کیا، مگر بھائیوں

میں سخت پھوٹ پڑ چکی تھی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ کشمیر فتح کیا جائے تاکہ بادشاہ وہاں چلا جائے۔
چنانچہ شاہی فوج اور بعض کشمیریوں کی مدد سے ۲۲ رجب ۹۴۷ھ کو کشمیر پر قبضہ کر لیا گیا
اسی اثنا میں پتہ چلا کہ شیر شاہ نے پنجاب کا رخ کر لیا ہے اور اس کی فوجیں لاہور سے صرف
بتیس کوس دور رہ گئی ہیں۔ یہ سن کر ہمایوں دریائے راوی عبور کر کے لاہور سے نکل گیا۔
اس وقت محدود تعداد پر مشتمل فوج اس کے ساتھ تھی اور وہ اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ اونٹ
پر سوار تھا۔ اس قافلے کا رخ علاقہ سندھ کی طرف تھا۔ امرکوٹ (یا عمرکوٹ) پہنچے تو
۵ رجب ۹۴۹ھ کو شہزادہ اکبر پیدا ہوا یہ لوگ راستے میں علاقائی حکمرانوں سے لڑتے جھگڑتے
اور بھوک پیاس کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے سندھ عبور کر کے ایران جا پہنچے۔ وہاں
سے شاہ طہماسپ صفوی سے مدد لے کر ہمایوں نے قندھار اور کابل پر حملہ کیا اور ان شہروں کو فتح
کرنے کے بعد وہاں ایک مضبوط فوج منظم کی اور پھر ہندوستان پر حملہ کر کے اسے دوبارہ
فتح کیا۔

یہ ہمایوں کے لئے سخت آزمائش اور مصیبت کا دور تھا۔ ہندوستان کی وسیع
سرزمین اس کے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ شیر شاہ مسلسل اس کے تعاقب میں لگا ہوا تھا اور اس کو
کہیں ٹھہرنے اور قدم جمانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور ہندوستان
پر حملے اور قبضے کی تیاریوں میں مصروف رہا۔

محمد اجمل مفتاحی

خط اور اس کا جواب

امام کوثری کے کچھ حالات

محترم المقام حضرت مولانا زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی

زمزم کا تازہ شمارہ ملا، جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۱ ممبئی اور گجرات کی روداد سفر خوب ہے، دوسری قسطوں کا انتظار رہے گا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ذرا شیخ کوثری کے حالات پر روشنی ڈالیں، کوثری مذہب کیا ہے، غیر مقلدین کی بہت سی تحریروں میں شیخ کوثری اور کوثری مذہب کا ذکر ہے مگر جلے بھنے انداز والا، بعض غیر مقلدین تو ان کے بارے میں بڑے سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہم ان کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں، براہ کرم نوازش فرمائیں اور ان کے مختصر حالات سے ہمیں باخبر کریں، ہم لوگ زمزم سے خوب خوب سیراب ہو رہے ہیں، اس کے محققانہ مضامین سے قلب و دماغ کو آسودگی ہوتی ہے، زمزم کا سالِ رواں کا چندہ مبلغ ستر روپے ارسال ہے۔

والسلام

خادم عبدالمجید شیخ اورنگ آباد مہاراشٹر

زمزم!

آپ کا خط اس وقت ملا جب میں دہلی کے ایک سفر کی تیاری میں ہوں کل ہی مجھے دوپہر سے قبل دہلی کے لئے نکلنا ہے، تھوڑی سی فرصت ہے اسی کو غنیمت سمجھ کر آپ کا جواب لکھ رہا ہوں شیخ الاسلام علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ اصلاً ترکی النسل تھے، ان کی پیدائش و تعلیم ترکی

ہی میں ہوئی، پھر ترکی ہی میں مختلف سرکاری و غیر سرکاری مناصب پر فائز رہے، شیخ الاسلام کا منصب ترکی میں بہت بڑا علمی اعزاز تھا اور کسی کی بھرپور علمی و دینی شخصیت کا حکومت اور عوام کی طرف سے اظہار و اعتراف بھی تھا، اس جلیل القدر منصب کے عہدۂ وکالت پر بھی آپ کچھ دنوں کے لئے فائز کئے گئے، پھر جب ترکی میں اتحادیوں کا غلبہ ہوا اور کمال پاشا کا کامل تسلط ہوگیا تو ان کے دور اقتدار میں ترکی میں دین اور اہل دین پر زبردست مصیبت آئی، اتحادی اور کمال پاشا اسلام اور اسلامی تہذیب، اسلامی اقدار، اسلامی زندگی اور اسلامی تعلیمات کے سخت دشمن تھے، عربی زبان سے ان کو نفرت تھی، حتیٰ کہ قرآن کا پڑھنا اور عربی میں اذان کا دینا بھی انھیں گوارہ نہیں تھا، جس چیز پر عربیت اور اسلام کی چھاپ تھی سب کے وہ دشمن تھے، ترکی میں یورپی تہذیب و تمدن کو پوری قوت سے نافذ کیا، اسلام کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی عوام کا رشتہ کتاب و سنت سے ختم کرنے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ایک دشمن اسلام کر سکتا ہے۔

ایسے ماحول میں ترکی کی سرزمین ان علماء کے لئے تنگ ہوگئی جو اتحادی اسلام دشمن نظریہ کے مخالف تھے، علامہ زاہد الکوثری کو بھی اتحادی اور کمال پاشا اپنا دشمن سمجھتے تھے، ایک روز وہ بازار میں تھے کہ انھیں خبر ملی کہ انھیں گرفتار کر لینے کی تیاری کر لی گئی ہے، چنانچہ وہ بازار ہی سے چھپتے چھپاتے ترکی سے نکل گئے، اور مختلف ملکوں اور جگہوں کے چکر لگاتے لگاتے بالآخر مصر میں باقاعدہ سکونت اختیار کر لی اور اپنی زندگی کے بقیہ دن وہیں پورے کئے ۱۳۷۱ھ میں ان کا انتقال ہوگیا، تاریخ پیدائش ۱۲۹۶ھ ہے، ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں و تعلیقات کی تعداد ایک سو دس سے بھی متجاوز ہے، ان میں سے بعض وہ کتابیں ہیں جنھوں نے علمی دنیا میں دھوم مچا دی ہے۔

علامہ زاہد الکوثری اپنے زمانہ کے بے نظیر علماء احناف میں سے تھے، فقہ و حدیث اور اسماء الرجال اور سیر و تاریخ کے امام تھے، ان کے زمانہ میں پورے عالم اسلام میں علمی تبحر میں ان کی نظیر نہیں تھی، کثیر التصانیف مصنف تھے، دنیا کے مخطوطات پر ان کی نظر تھی، اور

عالم اسلام کے سارے مخطوطے گویا ان کی نگاہوں کے سامنے تھے ان میں سے بیشتر کا مطالعہ کر چکے تھے، غضب کے حافظہ کے مالک تھے، اس کے ساتھ ہی نہایت ہی عابد و زاہد، متواضع سادہ فطرت، شاکر و صابر، ہمہ وقت علمی مشغلہ میں رہنے والے، اللہ والے بزرگ تھے، دینی غیرت و حمیت سے بھرپور تھے، اسلام اور دین کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے، حنفی مسلک میں بہت متصلب اور اپنے عقاید میں سخت متشدد تھے، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم فکروں سے سخت اختلاف رکھتے تھے، صفاتِ باری کے سلسلہ میں وہ پکے اشعری و ماتریدی عقیدہ کے حامل تھے، اور اس کے خلاف ذرا سا بھی انحراف برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے، چونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے ہم فکروں کا عقیدہ صفاتِ باری کے سلسلہ میں اور بعض دوسری باتوں میں عام اہل سنت سے الگ ہے، اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان بھی اپنے مخالفوں کے لئے کچھ تیز اور غیر سنجیدہ ہے اس وجہ سے وہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم فکروں کے سخت خلاف تھے اور اپنی کتابوں اور مضامین میں ان کا پرزور رد کیا کرتے تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ پر ان کو پورا اعتماد تھا اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی شخصیت ان کے نزدیک اتنی مقدس اور عزیز تھی کہ ان کے خلاف کوئی بات وہ برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اور متقدمین ہوں کہ متاخرین جس کا قلم بھی حضرت امام ابوحنیفہ کے خلاف چلا اس کا انھوں نے بھرپور علمی انداز میں تعاقب کیا اور حق کو اہل علم کے سامنے پورے علمی جلال اور وقار کے ساتھ روشن کر کے رکھدیا،

یہیں سے آپ کو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ غیر مقلدین علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں جلے بھنے رہتے ہیں، غیر مقلدین ہر اس انصاف پسند اور اللہ والے سے دشمنی کرنا اپنا فرض منصبی جانتے ہیں جو فقہ حنفی پر اعتماد کرتا ہو اور حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور ان کے ہم فکروں سے اختلاف کرے، خواہ اس اختلاف کی بنیاد علمی و دینی ہو، اور خواہ اختلاف کرنے والا کتنا بھی مخلص ہو مگر غیر مقلدین ایسے شخص کو برداشت نہیں کر سکتے۔

علامہ زاہد الکوثری بھی ان کی نگاہ میں مبغوض ترین شخص ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ

ان غیر مقلدین کی اوقات کیا ہے کہ اگر وہ علامہ زاہد الکوثری جیسے امام وقت سے سر ٹکرائیں تو کوئی ان کی طرف دھیان بھی دے گا ؟ یہ بیچارے سخت احساس کمتری کا شکار ہیں اور جب آدمی پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو وہ اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور اس کی زبان بے قابو ہو جاتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے خیر کی دعا کرنا اور ہدایت طلب کرنا ہمارا کام ہے، ہمارے بس میں فقط اتنا ہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

شیخ محمد ابوزہرہ مصر کے بڑے جلیل القدر عالم تھے، مسلکاً حنفی نہیں تھے مگر اہل علم کے قدرداں تھے، بہت بڑے مصنف تھے، جامعہ ازہر کے گنے چنے علماء میں ان کا شمار تھا، جامعہ قاہرہ میں کلیۃ الحقوق والشریعۃ کے پروفیسر تھے، وہ شیخ کوثری کے بارے میں لکھتے ہیں:

• تقریباً ایک سال ہو رہا ہے کہ عالم اسلام ائمہ مسلمین میں سے ایک بڑے امام سے محروم ہو گیا ہے، ان کا شمار ان ائمہ اسلام میں سے تھا جو اس زندگی کے حقیر امور سے اپنے کو بہت اونچا رکھتے تھے جو علم کی طرف اس طرح متوجہ تھے جس طرح ایک مومن اپنے رب کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسلئے کہ اس کے نزدیک علم بھی عبادت کا درجہ رکھتا ہے، جس سے آدمی اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے، اس کو کسی اور کی پسند اور ناپسند سے مطلب نہیں ہوتا، وہ دنیا میں اپنے علم سے بڑائی کا خواہاں نہیں ہوتا، نہ اپنے علم کو فساد کا ذریعہ بناتا ہے، نہ علم کے ذریعہ جاہ و منصب حاصل کر کے دوسروں کے مقابلہ میں اپنی شخصیت کو اونچا کرتا ہے، اس کو صرف حق کی حمایت مطلوب ہوتی ہے بس وہ اللہ کی رضا چاہتا ہے۔

اس جلیل القدر عالم دین وامام المسلمین کا نام امام کوثری ہے اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے، اللہ سے راضی ہو اور ان کو اپنی رضا سے نوازے۔

اس کے بعد شیخ محمد ابوزہرہ ان الفاظ سے شیخ کوثری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

لا اعرف ان عالما مات فخلا مکانه ادھر کے سالوں میں جن علماء کا انتقال ہوا ہے

فی هذه السنین کما خلا مکان الامام الکوثری	امام کوثری کے انتقال سے جیسا خلا پیدا ہوا ہے ویسا خلا میرے علم میں کسی دوسرے عالم کے وفات سے پیدا نہیں ہوا ہے ۔

اور شیخ محمد ابو زہرہ فرماتے ہیں :

لقد کان رضی اللّٰہ عنہ عالمًا یتحقق فیہ القول الماثور العلماء ورثۃ الانبیاء ۔	یعنی امام کوثری رضی اللہ عنہ ایسے عالم تھے جن کے بارے میں اللہ کے رسول کا یہ قول صادق آتا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں ۔

اور پھر شیخ ابو زہرہ بڑے پُرجوش انداز میں فرماتے ہیں :

وما کان یری تلک الوراثۃ شرفا فقط لیفتخر بہ ویستطیل علی الناس وانما کان یری تلک الوراثۃ جھادا فی اعلان الاسلام وبیان حقائقہ وازالۃ الاوھام التی تلحق بجوھرہ فیبدیہ للناس صافیا مشرقا منیرا فیعشوا الناس الی نورہ ویھتدون بھدیہ ۔	یعنی امام کوثری نبیوں والی اس علمی وراثت کو محض ایک ایسا شرف نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اس پر فخر کریں اور اس سے اپنی بڑائی کا اظہار کریں بلکہ امام کوثری اس علمی وراثت کو اسلام کے اظہار اور اس کے حقائق کے بیان اور ان اوہام وساوس کا پردہ چاک کرنے کیلئے جو اسلام کی بنیادی اور جوہری تعلیم میں پیش آتے ہیں جہاد یقین کرتے تھے ، وہ اسلام کو لوگوں کے سامنے صاف اور روشن شکل میں ظاہر کرتے تھے تاکہ لوگ اس کے نور سے روشنی حاصل کریں اور اس کی ہدایت سے فیضیاب ہوں ۔

اس کے بعد شیخ ابو زہرہ فرماتے ہیں :

یہ امام جلیل کسی نئے مذہب کے موجد نہیں تھے اور نہ ان کی دعوت کسی ایسی بات کی تھی جو جدید ہو ، یہ ان علماء میں سے نہیں تھے جن پر تجدید کا خول چڑھا ہوتا ہے ، بلکہ وہ ایسے مجددین سے بھاگنے والوں میں سے تھے ، وہ شریعت کے متبع تھے ، شریعت میں نئی بات پیدا

کرنے والے نہیں تھے۔

ولقد قام الامام الکوثری باحیاء السنۃ النبویۃ۔

امام کوثری نے سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں :

لقد کان الامام الکوثری عالماً حقاً عرف علمہ العلماء، وقلیل منھم من ادرک جھادہ۔

امام کوثری (رحمۃ اللہ علیہ) واقعی اور سچے معنی میں عالم تھے، ان کے علم کو علماء نے جانا ہے اور ان میں سے بہت کم ہیں جن کو امام کوثری کے علمی جہاد کا علم ہے۔

پھر فرماتے ہیں :

" میری جب ان سے ملاقات ہوئی اس سے سالوں پہلے میں ان سے متعارف ہو چکا تھا، میں نے ان کو ان کی تحریرات سے جانا تھا، ان کی تحریرات میں حق کا نور چمکتا تھا، میں نے ان کو مخطوطہ کتابوں پر ان کی تعلیقات و تحقیقات سے جانا تھا جن کو انھوں نے لوگوں کے لئے عام کیا، اور خدا کی قسم مجھے ان مخطوطہ کتابوں سے اتنی حیرت نہیں ہوتی تھی جتنی حیرت ان پر تعلیق لکھنے والے (امام کوثری) پر ہوتی تھی، کبھی ایسا ہوتا کہ اصل مخطوطہ تو چند صفحات کا ہے مگر امام کوثری نے اس کو اپنی تعلیقات سے پوری ایک کتاب بنا دیا۔

موضوع کا احاطہ اور وسعت فکر و نظر ان تعلیقات میں کھلے طور پر نظر آتی ہے، ساتھ ہی عبارت نہایت ہی عمدہ ہوتی ہے، لطیف اشارے، قوت نقد اور موضوع پر پوری گرفت اور اپنی بات کو ادا کرنے پر پوری قوت و دسترس، یہ چیزیں امام کوثری کی تعلیقات میں نمایاں ہیں اور پھر جو کچھ لکھتے ہیں خالص عربی زبان میں، پڑھنے والے کے ذہن میں یہ خیال گزرتا بھی نہیں ہے کہ ان کا لکھنے والا کوئی عجمی ہے "

غالباً امام کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور ان کے علمی کمالات اور اہل علم میں ان کی قدر و وقعت کا اس مختصر سی تحریر سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا ___ ہندوپاک کے رہنے والے یہ بیچارے غیر مقلدین شیخ کی سانس کی بو بھی سونگھ نہیں پائے ہوں گے۔ اور شیخ محمد ابوزہرہ حفظہ کے بہت ہی جلیل القدر اور کثیر التصانیف اور قاہرہ یونیورسٹی کے ایک اہم منصب پر فائز رہنے والے انصاف پسند عالم تھے جنھوں نے شیخ علامہ زاہد الکوثریؒ کو بہت قریب سے دیکھا تھا، پرکھا تھا، جانا تھا، اس وجہ سے غیر مقلدین کی باتوں پر آپ دھیان نہ دیں، یہ طبقہ جب سے وجود میں آیا ہے حق اور اہل حق کا دشمن ہے، بس ان کی ہدایت کے لئے پنج وقتہ نمازوں میں دعا کرتے رہیں۔

آپ کے خط کا جواب میں نے بہت جلدی میں لکھا ہے، ورنہ حق یہ ہے کہ اس امام جلیل اور علمی دنیا کی بے نظیر دینی و علمی شخصیت پر کئی قسطوں کا مقالہ لکھا جائے۔

لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا اگر میں آپ کے خط کا جواب موخر کرتا تو پھر شاید رہ ہی جاتا کہ مصروفیت کی وجہ سے بہت سی باتیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

ایک عزیز کے نام خط

باسمہ تعالیٰ

عزیز گرامی! سلمہ اللہ تعالیٰ سلام مسنون

آپ سے فون پر گفتگو ہوئے عرصہ گزر گیا تھا کہ پھر آپ کا فون آیا، میں پہلے ہی فون کے بعد آپ کے خط کا انتظار کر رہا تھا، آپ کا لفافہ اور آپ کے سوالات ایسے وقت موصول ہوئے کہ میں گجرات کے مظلومین کی ریلیف کے لئے مشغول ہوں، گجرات کے فساد کی وجہ سے دل ودماغ بہت متاثر ہے، سوچنے سمجھنے لکھنے پڑھنے کی ساری صلاحیت پر اس وقت برف جمی ہوئی ہے۔

آپ کے والد ڈاکٹر صاحب سے چونکہ دلی تعلق ہے اور اسی وجہ سے آپ بھی عزیز ہیں، آپ کی رعایت میں قلم اٹھالیا ہے تاکہ آپ کو جواب نہ دینے کا شکوہ نہ رہے۔

آپ کے سوالات سے اندازہ لگتا ہے کہ آپ غلط لوگوں کی صحبت سے متاثر ہیں، نیز آپ کا دینی مطالعہ بہت کمزور اور سرسری سا ہے، اسی وجہ سے دوسروں کی سنی سنائی باتوں پر آپ فیصلہ کرتے ہیں، چونکہ آپ کا مطالعہ بہت سرسری ہے اس وجہ سے خود بھی جو پڑھتے ہیں اس سے بھی شکوک وشبہات آپ کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، جب آدمی کا دینی مطالعہ کمزور ہو اور خود سے قرآن وحدیث سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو، فقہ کی جو اہم کتابیں ہیں وہ ان کے نام سے بھی واقف نہ ہو جس کی اردو اتنی کمزور ہو کہ وہ صحیح املا بھی نہ کر سکے، اس کے لئے سلامتی کا راستہ صرف یہ ہے کہ جو علماء کہیں وہ اسے مان لے اور زیادہ تحقیق وجستجو کا راستہ اختیار نہ کرے ورنہ کبھی ایسا ہوگا کہ شیطان کے بہکاوے میں آکر وہ پورے دین کے بارے میں شکوک وشبہات

میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جائے گا، آپ کے بارے میں میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ آپ وہ کریں جو آپ کے والد ڈاکٹر صاحب فرمائیں، اگر آپ نے ازخود تحقیق کی راہ اختیار کی تو یہ آپ کے لئے بڑی خطرناک راہ ہے، میں آپ کو شرمندہ کرنے کیلئے نہیں بلکہ یہ بتلانے کے لئے کہ آپ کی علمی استعداد ایسی نہیں ہے کہ آپ خود محقق بنیں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ کے خط میں متعدد املاء کی غلطیاں ہیں مثلاً آپ نے ہر جگہ قعدہ کو قائدہ لکھا ہے، جس کی علمی استعداد ایسی کمزور ہو تو کیا اس کے لئے کسی بھی درجہ میں مناسب ہے کہ وہ فقہی مسائل کے دلائل جاننے کی تگ ودو میں پڑے، آپ اور آپ جیسوں کے لئے تو قرآن نے ایک راہ متعین کر دی ہے کہ جاننے والوں سے پوچھو اور اس پر عمل کرو، کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ میاں آپ سے یہ سوال کریں گے کہ میاں ابو الحیان تم نے نماز روزہ کرنے کے لئے خود سے تحقیق کیوں نہیں کی تھی، اور مسائل کے دلائل کتاب وسنت سے کیوں نہیں معلوم کئے تھے ؟ ہرگز نہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ہرگز یہ سوال نہیں کریں گے بلکہ سوال یہ ہوگا کہ ابو الحیان تم جیسوں کے لئے تو میرا حکم یہ تھا کہ اہل علم سے معلوم کر کے اس پر عمل کرو تم نے اس راہ کو چھوڑ کر دلائل کی تحقیق کی راہ جو علماء کا کام ہے، یہ راہ تم نے کیوں اختیار کی اور میرے حکم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کی مخالفت کیوں کی ؟ اگر اللہ نے آپ سے یہ سوال کر لیا تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہوگا ؟ براہ کرم ذرا سوچ لیں۔

کم علم لوگ اور دینی علوم سے ناواقف حضرات کو جب خود تحقیق کی سوجھتی ہے تو انہیں دینی مسائل میں اسی قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا شکار آپ ہوئے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے عوام مسلمین کے لئے تقلید کو واجب کیا ہے، تقلید نام ہی ہے کہ مسائل جو علماء بتلائیں ان پر عمل کرو، دلائل کی چھان بین میں مت پڑو، دلائل کا جاننا عوام کے لئے فرض نہیں ہے، مسائل پر عمل کرنا بس ان کی ذمہ داری ہے، عوام کی حد الگ ہے، اور علماء مجتہدین کی حد الگ ہے، عوام اگر اپنی حد سے آگے بڑھیں گے تو یہ ان کی طرف سے خود اپنی

ذات پر ظلم و تعدی کی بات ہوگی ۔

آپ کے سوالات پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ لگا کہ آپ صرف غیر مقلدوں کے بہکاوے میں نہیں ہیں بلکہ کوئی اور گمراہ فرقہ بھی آپ کو گمراہ کر رہا ہے، کہیں آپ خدانخواستہ منکرین سنت یا قادیانیوں کے چکر میں تو نہیں آ گئے، یہ سوال اس وجہ سے کر رہا ہوں کہ بعض سوالات جو آپ نے لکھے ہیں، وہ غیر مقلدین کے نہیں ہو سکتے، مثلاً نماز میں ستر عورت کے دلائل کیا ہیں، ستر عورت تو خود غیر مقلدین کے یہاں بھی فرض ہے، اس لئے یہ سوال ان کا نہیں ہو سکتا یا یہ کہ قعدہ اخیرہ کی فرضیت کے دلائل کیا ہیں، قعدہ اخیرہ تو غیر مقلدین کے یہاں بھی فرض ہے اس لئے یہ سوال بھی غیر مقلدین کا نہیں ہو سکتا، یا یہ کہ احناف کے یہاں دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی ہی حلال کیوں ہے، یہ سوال بھی غیر مقلدین کا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ خود اکابر غیر مقلدین کے یہاں بھی تمام دریائی جانور حلال نہیں ہیں بلکہ بہت سے جانور حرام ہیں، اگر خدانخواستہ آپ کی صحبت یا اٹھنا بیٹھنا غیر مقلدین کے علاوہ منکرین سنت یا قادیانیوں میں بھی ہے تو یہ آپ کے دین و ایمان کے لئے بڑی خطرناک بات ہے، اللہ اس سے حفاظت فرمائے ۔

میں نے اوپر عرض کیا کہ آپ کے سوالات سے اندازہ لگتا ہے کہ آپ غلط لوگوں کی صحبت سے متاثر ہیں جو آپ کی سادگی کم علمی اور دین سے ناواقفیت کا فائدہ اٹھا کر آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور دین کے بارے میں آپ کے ذہن میں شکوک و شبہات کی تخم ریزی کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے میں سوچ رہا ہوں کہ میرے ساتھ آپ کی خط و کتابت کچھ مزید چلتی رہے تاکہ آپ کے ذہن میں جو وساوس ہیں ان سب کو بلا تکلف میرے سامنے رکھ دیں، پھر آپ کے سوالات کا جواب دیا جائے ۔

آپ کے سوالات پڑھ کر میرے ذہن میں بھی کچھ سوالات پیدا ہوئے ہیں آپ ان سوالات پر سنجیدگی سے غور کریں اور ان کا جواب دیں، ان سوالات کے جوابات جب مجھے مل جائیں گے تو میں آپ کے سوالات کا جواب بہتر طریقے سے دے سکوں گا ۔

(۱) آپ نے فقہ حنفی کے جو مسائل ذکر کئے ہیں ان کو آپ نے کس کتاب کے حوالے سے

لکھا ہے براہ کرم اس کتاب کا حوالہ دیں تاکہ میں خود بھی اس کی طرف رجوع کر سکوں، بلا حوالہ کوئی بات نقل کرنا مناسب نہیں ہوتا محض سنی سنائی باتوں میں سے بسا اوقات کچھ باتیں غلط بھی ہوتی ہیں، مثلاً آپ ہی نے ایک مسئلہ یہ بھی لکھا ہے کہ احناف کے یہاں فجر کی سنت حالتِ سفر میں سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے، حالانکہ احناف کا یہ مسئلہ نہیں ہے، ہدایہ دیکھئے اس میں تو صراحت ہے کہ جائز ہے، فجر کی سنت امام ابوحنیفہ سے ایک روایت کے مطابق اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ سواری سے اتر کر پڑھی جائے، یہ تو محض اولویت اور افضلیت کا بیان ہے، مگر اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ فجر کی سنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہے۔

بہر حال ان مسائل کو آپ نے جن کتابوں سے یا جس کتاب سے نقل کیا ہے اس کا حوالہ ضروری ہے اور اصل عبارت کا ذکر ضروری ہے تاکہ ذمہ دارانہ طریقہ پر اس کا جواب دیا جا سکے۔

(۲) آپ نے لکھا ہے کہ ان مسائل کا جواب قرآن وحدیث سے دیا جائے، میں کہتا ہوں کہ دینی وشرعی مسائل کا جواب صرف قرآن وحدیث سے دینے کا مطالبہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، جیسے شیعہ، ظاہریہ فرقہ یا آج کے نئے غیر مقلدین، آپ کا تعلق اگر اہلسنت والجماعت سے ہے تو یہ مطالبہ کیوں؟ منکرین سنت اگر یہ کہیں کہ ہماری باتوں کا جواب صرف قرآن سے دیا جائے سنت سے نہیں ہم صرف قرآن کو مانیں گے سنت کو نہیں تو ان کا یہ مطالبہ اہل سنت سے درست ہوگا؟ اور کیا آپ ان کا یہ مطالبہ قبول کرلیں گے؟

اگر شیعہ کہیں کہ ہم صرف انھیں حدیثوں کو مانیں گے جو ائمہ اہل بیت سے منقول ہیں بخاری ومسلم کو نہیں مانیں گے تو کیا کوئی اہل سنت ان کے اس مطالبہ پر کان دھرے گا، جب اہلسنت کے یہاں بخاری ومسلم بھی معتبر ہیں اور اہل سنت کے یہاں قرآن کے ساتھ حدیث سے بھی حجت پکڑی جاتی ہے تو کسی شیعہ یا منکرین سنت کو کیا حق پہونچتا ہے کہ وہ اس قسم کا ناروا مطالبہ اہلسنت سے کرے، اور کیوں کوئی اہلسنت ان کے اس مطالبہ پر کان دھرے گا؟ پس اسی طرح جب اہل سنت کے نزدیک دلائل شرعیہ چار ہیں تو پھر ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ صرف دو سے دلیل دو دو سے نہیں یہ بالکل زبردستی والی بات ہے اور کوئی بھی اہل سنت اس پر کان نہیں دھرے گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ فقہ حنفی اہل سنت والجماعت کا فقہ ہے تو فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کے بارے میں یہ مطالبہ کرنا کہ اس کی دلیل صرف قرآن وحدیث سے دی جائے نہایت ناروا مطالبہ ہے کسی حنفی نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں قیاس اور اجماع کو نہیں مانتے ؟ اس طرح کا دعویٰ حنفی ہی نہیں کوئی بھی اہل سنت کا فرد نہیں کرے گا اسلئے آپ اپنے اس مطالبہ پر از سر نو غور فرمائیں ۔

(۳) اجماع ، صحابہ کرام کے اقوال ، خلفائے راشدین کی سنتیں اور قیاس آپ کے نزدیک دلائل شرعیہ ہیں کہ نہیں اگر نہیں ہیں تو اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے دیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے صحابہ کرام کے اقوال ، خلفائے راشدین کی سنتوں اور اجماع اور قیاس کو حجت شرعیہ شمار نہیں کیا ہے ۔

(۴) آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے قیاس کرنا ثابت ہے یا نہیں ، اگر نہیں ہے تو اس کا ثبوت فراہم فرمائیں اور اگر ثابت ہے تو علماء کرام کا آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مسائل شرعیہ میں قیاس کرنا سنت قرار پائے گا یا نہیں ، اور اگر کوئی اس سنت کا انکار کرے تو اس کا شمار آپ کے نزدیک اہل سنت میں سے ہے یا اہل باطل میں سے ؟

(۵) آپ ہم سے تو مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کے ذکر کردہ مسائل کا جواب قرآن وحدیث سے دیا جائے اور خود امام کے ستر کھلنے کے باوجود امامت کرتے رہنے پر ایک صحابی وہ بھی کم عمر اور نابالغ صحابی بچہ کے فعل سے استدلال کر رہے ہیں یہ عمر بن سلمہ نہ قرآن ہیں نہ حدیث نہ رسول ان کا نابالغی کی حالت کا کوئی عمل آپ کے نزدیک دلیل کیسے بن گیا ، براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں ، آپ جیسے لوگوں کی عقل وفہم پر داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی ستر ڈھانک کر نماز پڑھی ، خلفائے راشدین نے بھی پوری زندگی ستر ڈھانک کر نماز پڑھی تمام صحابہ کرام جن کی تعداد ہزار ہا ہزار تھی سب نے ستر ڈھانک کر نماز پڑھی ان کا عمل آپ کے نزدیک ستر ڈھانک کر نماز پڑھنے کے لئے حجت نہیں بنا اور آپ کے نزدیک ستر کھول کر نماز پڑھنے کے لئے عمر بن سلمہ جیسے چھوٹے بچے کا عمل حجت قرار پاگیا ، اس عقل پر افسوس

ہی کیا جاسکتا ہے، غلط لوگوں کی صحبت آپ جیسے کم علم لوگوں پر کتنا برا اثر ڈالتی ہے اس کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے، ہمارے نزدیک ستر ڈھانک کر نماز پڑھنے پر تو قرآن وحدیث سے بہت سے دلائل ہیں، ستر کھول کر نماز پڑھنے پر آپ کے نزدیک اور کون کون سے دلائل ہیں براہ کرم ان کو ذکر کریں، حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ ستر کھول کر نماز پڑھتے تھے یا کپڑا تنگ ہونے کی وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت از خود ان کا ستر کھل جاتا تھا، اگر کسی کے پاس کپڑا نہ ہو تو نماز ننگے ہو کر پڑھنے کی اجازت ہے، عمر بن سلمہ کے پاس پورا ستر ڈھانکنے والا کپڑا ہی کہاں تھا، جن لوگوں کو وہ نماز پڑھا رہے تھے وہ لوگ ایسے ہی تھے کہ ایک بچہ کو انہیں نماز کی امامت کے لئے آگے کرنا پڑا، ان میں سے کسی میں امام بننے کی مطلوبہ صلاحیت نہیں تھی، بھلا بتلائیں کہ نبی کریم اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ کو چھوڑ کر اسی قسم کے لوگوں کی نماز سے ستر کھول کر نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کرنا کس عقل کا تقاضا ہے۔

(۶) آپ نے فقہ حنفی کی طرف منسوب کر کے چند مسئلے ذکر کئے ہیں کہ ان کی دلیل کتاب وسنت سے دی جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بقیہ مسائل شرعیہ کے دلائل کتاب وسنت سے آپ نے معلوم کر لئے ہیں، اگر ایسا ہے تو براہ کرم ہمیں صرف اتنا بتلا دیں کہ آپ وضو میں بسم اللہ زور سے پڑھتے ہیں کہ آہستہ سے اگر زور سے پڑھتے ہیں تو اس کی دلیل کتاب وسنت سے دیں اگر آہستہ پڑھتے ہیں تو اس کی دلیل کتاب وسنت سے دیں۔

آپ مقتدی ہو کر اللہ اکبر کہتے ہیں اور آہستہ کہتے ہیں کتاب وسنت سے مقتدی کو اللہ اکبر آہستہ کہنے کی دلیل کیا ہے براہ کرم اسے بتائیں۔

نماز میں ثنا امام اور مقتدی دونوں ہی آہستہ پڑھتے ہیں براہ کرم وہ حدیث ذکر کریں جس سے ہمیں رسول اللہ کا یہ حکم معلوم ہو کہ مقتدی اور امام کو ثنا آہستہ پڑھنی چاہئے۔

آپ رکوع اور سجدہ میں آہستہ تسبیح پڑھتے ہیں براہ کرم ہمیں وہ حدیث بتلائیں جس سے معلوم ہو کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا تسبیح کے بارے میں یہ حکم تھا۔

سردست صرف نماز سے متعلق ان باتوں کا جواب آپ سے کتاب وسنت سے مانگا

گیا ہے، امید ہے کہ ان کا جواب آپ کی طرف سے ملے گا۔

(۷) آپ کو اشکال ہے کہ احناف نے نماز میں قرأت کی مقدار کم از کم چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت مقرر کی ہے، قرأت کی مقدار کی یہ تعیین خلاف شرع ہے، ان کے دلائل کتاب و سنت میں نہیں ہیں، احناف کے پاس اس پر دلائل ہیں کہ نہیں یہ ہم آپ کو بعد میں بتلائیں گے، آپ فرمائیں کہ آپ کے خیال کے مطابق نماز کی صحت کے لئے کتنا قرآن پڑھا جانا ضروری ہے، کتاب و سنت سے جو متعین مقدار آپ کے نزدیک ضروری ہے اس کو واضح کریں اور اس کی دلیل بھی ذکر کریں۔

احناف کے اس مسئلہ پر یہ اشکال آپ کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے یہ ان کی بات ہے جن کی پرفریب صحبت سے آپ متاثر ہیں۔ احناف تو اس مسئلہ میں اپنی دلیل کتاب و سنت دونوں سے دیں گے مگر آپ کیا کریں گے یہ ہمیں خوب معلوم ہے۔

اس تحریر میں آپ کے ذکر کردہ بعض پر کچھ روشنی پڑ چکی ہے مگر میں آپ کے تمام اشکالات کا جواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں بڑی وضاحت سے دوں گا بشرطیکہ آپ میری اس تحریر کا جواب عنایت فرمائیں۔

آپ نے ایک مسئلہ یہ بھی لکھا ہے کہ سورہ نجم میں جو سجدہ ہے اسے پڑھ کر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے حنفیہ کا یہی مسئلہ ہے، اس کی دلیل کیا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ یہ اشکال آپ کو صرف اسی سورہ کے سجدہ کے بارے میں کیوں پیش آیا، بقیہ تمام سجدہ تلاوت کے وجوب کے دلائل آپ پر واضح ہو چکے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کو ذکر کریں سورہ نجم کے سجدہ تلاوت کا وجوب بھی انھیں دلائل میں کہیں پوشیدہ ہوگا جو آپ کو نظر نہیں آرہا ہے میں اس کی طرف آپ کی رہنمائی کر دوں گا۔

عزیزم سلمۂ آپ کہیں گے کہ جب مولانا غازی پوری صاحب کو معلوم ہے کہ میں قرآن و حدیث سے نابلد ہوں، دینی تعلیم میں نے حاصل نہیں کی ہے، عربی فارسی تک میری رسائی نہیں ہے، میری تعلیم انگریزی کی ہے، پھر مجھ سے مولانا غازی پوری صاحب یہ سوالات

باقی صفحہ ۲ پر

محمد اجمل مفتاحی

اطہر شیرازی

خمار سلفیت

نواب صاحب کو اللہ میاں نے اطلاع دی

بیٹا ۔ ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی ہمارے نواب صاحب بھوپالی نبی تھے یا رسول ؟

باپ ۔ بیٹا، نبوت کا دروازہ تو بند ہو چکا ہے ۔ نواب صاحب نہ نبی تھے نہ رسول، وہ مجدد سلفیت اور اکابر غیر مقلدیت تھے ۔

بیٹا ۔ ابا جی، نبوت کا دروازہ تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک بند ہو چکا ہے، ہم غیر مقلدوں کے نزدیک نہیں، مرزا غلام احمد غیر مقلد تھا اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، ہمارے نواب صاحب بھوپالی بھی یا نبی تھے یا رسول ؟

باپ ۔ بیٹا ایسی غلط بات تم کہاں سے کہہ رہے ہو ،

بیٹا ۔ ابا جی، نواب صاحب کا یہ خود دعویٰ ہے ۔ دیکھئے یہ ان کی کتاب فتح الخلاق ہے اس میں وہ صاف صاف لکھتے ہیں :

ایک منت (احسان) خدا کی مجھ پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اطلاع دی ہے کہ جو لوگ میری صحبت سے منتفع ہوئے اور وہ آخرت میں میرے

ہمراہ ہوں گے وہ گنتی میں اس قدر ہیں کہ میں ان کو مع انساب پہچانتا ہوں
لیکن مجھ کو اذن ان کی تعیین کا ادنیٰ نہیں ہے۔ (صفحہ ۱۳۲)

اباجی - اللہ تو نبی اور رسولوں سے براہ راست کلام کرتا ہے یا فرشتوں کے ذریعہ سے وحی بھیج کر ان کو اپنا پیغام پہنچاتا ہے، اسلئے ماننا پڑے گا کہ ہمارے نواب صاحب یا نبی تھے یا رسول۔

باپ - بیٹا، ذرا کوئی طریقہ تلاش کرو جسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی کسی بات کی اطلاع کرتا ہو، ورنہ نواب صاحب کے لئے تو نہیں اس لئے کہ وہ گزر چکے ہیں، جماعت اہلحدیث کے لئے بڑی پریشانی ہو جائے گی، اسلئے کہ نواب صاحب ہماری جماعت کے آدمی تھے بڑے اکابروں میں سے تھے۔

بیٹا - اباجی ایک اور طریقہ ہے مگر وہ صوفیانہ ہے، اور ہم تصوف کے منکر ہیں، اور وہ طریقہ بھی علم کا ذریعہ ظنی ہے قطعی نہیں ہے، اور ہمارے نواب صاحب قطعیت کے ساتھ اپنے اوپر اللہ کے اس احسان کا ذکر کر رہے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اللہ میاں نے نواب صاحب کو براہ راست یا فرشتوں کے ذریعہ اس بات کی اطلاع دی ہوگی، اس لئے نواب صاحب کو نبی یا رسول مانیں بغیر چارہ نہیں ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے، ان کا کہنا غلط ہے۔

اباجی ہماری سلفیت ڈگمگا تو نہیں رہی ہے ؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

ہمیشہ شراب پینے والوں کا پسینہ پاک ہے
فقہ اہلحدیث کا مسئلہ

بیٹا ، اباجی

باپ ، جی بیٹا

بیٹا - اباجی، رضا اللہ پی ایچ ڈی کہتے ہیں کہ ہمارے نواب وحید الزماں حیدرآبادی نے

ہمیشہ شراب پینے والے یعنی عادی شرابی کے پسینہ کو پاک کہا ہے، مولانا غازیپوری نے ہمارا مسئلہ غلط بیان کیا ہے۔

باپ۔ بیٹا۔ یہ رضاء اللہ پی ایچ ڈی احساس کمتری کا شکار ہے اس لئے بھول چوک والی باتوں کو بھی وہ بہت اچھالتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے بھی ہمارے بڑوں کی غلطیاں پکڑتے ہیں اور ہمیں شرمسار ہونا پڑتا ہے، دیوبندیوں نے ہمارے مولانا اسماعیل سلفی کی بہت سی غلطیوں کو پکڑ کر ہم کو شرمسار کیا ہے، اور سورہ ممتحنہ کی آخری آیت کی تفسیر تو ایسی جہالت بھری مولانا سلفی نے کی ہے کہ بس اللہ ہی خیر کرے، ہمارے دوسرے علماء کا بھی یہی حال ہے، چھوٹے بڑے سب کے سب جہالت کے پتلے نظر آتے ہیں، ہمارے پی ایچ ڈی رضاء اللہ جیسے لوگ اپنی جماعت کے ان اکابرین سے نظریں چرائے رہتے ہیں، مگر دیوبندیوں کے شیخ الہند کی صرف ایک جگہ چوک کو رضاء اللہ اور ہمارے دوسرے غیر مقلدین اچھالتے ہیں، اور مولانا غازیپوری کی کتابوں کے ہزاروں صفحات سے دو ایک جگہ کسی بھول چوک کو اچک بندر بن جاتے ہیں اور خوب اچھل کود مچاتے ہیں۔

بیٹا۔ ابا جی معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضاء اللہ پی ایچ ڈی سے بہت خفا ہیں، خیریت تو ہے؟

باپ۔ بیٹا رضاء اللہ پی ایچ ڈی اور اس قماش کے لوگوں نے جماعت کے تمام اکابر کو گمراہ بتلادیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف گمراہی ہے، جب کہ ہمارے تمام اکابر اور بڑے تصوف والے تھے، میاں صاحب دہلوی کے بارے میں خود ان کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ میاں صاحب صحیح بخاری پڑھاتے وقت تصوف کے نکات بیان کرتے تھے اور تصوف سے شغف خاص کی بنا پر، شیخ ابن عربی کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ لکھا ہے۔

اسکے لئے (یعنی تصوف سے شغف و تعلق کی بنا پر) طبقہ علمائے کرام میں شیخ اکبر

محی الدین ابن عربی کی بڑی تعظیم کرتے اور خاتم الولایۃ المحمدیہ فرماتے "

(ص ۱۲۳)

اور اب رضاء اللہ پی ایچ ڈی اور عبدالمسید بھگوانی جیسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں

جو تصوف کے خلاف بولی بول کر ہمارے تمام اکابر کے احترام و تقدس اور ان

کی تعظیم و تکریم کے پامال کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

بیٹا۔ اباجی، بات تو یہ ہو رہی تھی کہ پی ایچ ڈی رضاء اللہ کہتے ہیں کہ عادی شرابی

کا پسینہ اہلحدیث کے مذہب میں پاک ہے، تو اس کی دلیل ہم لوگوں کے پاس

قرآن و حدیث سے کیا ہے؟

باپ۔ بیٹا یہ جا کر اسی رضاء اللہ سے پوچھو، مجھے نہیں معلوم ہے، وہ کہتا ہے وہ جانے۔

بیٹا۔ اباجی، آپ بھی تو جامعہ سلفیہ سے فارغ ہیں، آپ کو اس کی دلیل معلوم ہونی چاہئے۔

باپ۔ بیٹا، اس وقت دماغ تصوف میں اُلجھ گیا ہے، اس لئے جو کچھ یاد تھا سب بھول گیا

ہوں۔

بیٹا۔ اباجی رضاء اللہ پی ایچ ڈی کے پاس تو اس مسئلہ کی دلیل قرآن و حدیث سے

ضرور ہو گی؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

امام شافعی سے امام بخاری نے کوئی روایت نہیں لی

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ اباجی، حضرت امام بخاری کو امام شافعی سے کوئی دشمنی تھی؟

باپ۔ کیوں بیٹا، تمہارے ذہن میں ایسا خیال کیوں پیدا ہوا، بڑوں کے بارے میں

اس طرح کی باتیں نہیں سوچتے، امام بخاری، امام شافعی یہ سب اللہ والے لوگ تھے،

سب اہلحدیث تھے، ان میں آپس میں دشمنی کا کیا سوال ۔

بیٹا ۔ اباجی، تو امام بخاری نے امام شافعی کی روایت بخاری شریف میں کیوں نہیں ذکر کی، اور امام شافعی کو امام بخاری اپنا امام کیوں نہیں سمجھتے تھے ؟

باپ ۔ بیٹا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بخاری شریف غور سے دیکھو امام بخاری نے ضرور حضرت امام شافعی سے روایت لی ہوگی ۔

بیٹا ۔ اباجی، جو میں کہہ رہا ہوں وہی حقیقت ہے، بخاری شریف غور سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، دیکھئے فتاوی ثنائیہ میں جو میں کہہ رہا ہوں، وہی لکھا ہے، لکھا ہے:

صحیح بخاری میں امام شافعی سے آپ نے (یعنی بخاری نے) کچھ اخذ نہیں کیا صرف ایک جگہ بلفظ ابن ادریس ان کا نام تو لیا ہے مگر ان سے نہ کوئی حدیث لی ہے اور نہ کوئی کسی اجتہادی مسئلہ میں ان کی پیروی کی ہے، اور نہ کسی جگہ میں ان کا نام لے کر کسی مسئلہ میں ان کی تائید کی ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ امام شافعی کو لائق اتباع و باخذ روایت نہیں سمجھتے تھے، اگر ایسا سمجھتے تو ان کی روایت کو ترک نہ کرتے، پس باوجود ثقہ ہونے امام شافعی کے ان سے امام بخاری نے کوئی حدیث روایت نہیں کی تو پھر وہ امام شافعی کو اپنا امام کب سمجھ سکتے تھے (ص ۳۸۵/۱۲)

اباجی یہ تو امام شافعی علیہ الرحمہ کی ذات پر سخت حملہ ہے، اور امام بخاری کا امام شافعی کے ساتھ یہ معاملہ بتلا رہا ہے کہ امام بخاری کو امام شافعی سے کوئی کد ضرور تھی ۔

باپ ۔ بیٹا، ہمارے علماء بات کو بنانے میں ماہر ہیں، بات کچھ ہوتی ہے مگر اپنی کم عقلی سے اس کو رنگ کچھ اور دے دیتے ہیں، اور اس طرح اسلاف کے بارے میں ہمارے اندر سوء ظنی اور بدگمانی کا بیج بوتے ہیں، امام بخاری نے ائمہ متبوعین سے بہت کم روایت لی ہیں یا بالکل روایت نہیں لی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ائمہ کے علوم اور ان کی فقہ اور ان کی احادیث امام بخاری کے زمانہ تک تمام دنیا میں پھیل چکی تھیں اور ان کا شہرہ عام تھا، اسی وجہ سے بطور خاص ان ائمہ متبوعین کی روایتوں کو عام طور پر

محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کیا، اور انھوں نے ان محدثین کی روایتوں کو قابلِ ضبط سمجھا جو اس درجہ معروف و مشہور نہیں تھیں۔

بیٹا، اباجی، تو فتاویٰ ثنائیہ کے مفتی کا مذکورہ بیان امام شافعی کے خلاف بعض الکشن کے زمانے والا پروپیگنڈہ ہے کیا؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

امام بخاری کے زمانہ میں فقہ حنفی کا غلغلہ

بیٹا، اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا، اباجی، فقہ حنفی کے بارے میں ہمارے علماء لکھتے ہیں کہ وہ حدیث کے خلاف ہے، قیاسات کا مجموعہ ہے، تو پھر عالم اسلام میں اس کی مقبولیت اس درجہ کیوں رہی کہ پورے عالم اسلام میں اسی فقہ کا غلغلہ تھا؟

باپ۔ بیٹا، فقہ حنفی کے بارے میں ہمارے علماء جو کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے، ہمارے علماء پڑھے لکھے لوگ ہیں کوئی جاہل تھوڑے ہی ہیں، فقہ حنفی حدیث کے خلاف ہے قیاسات کا مجموعہ ہے، امام ابو حنیفہ کو صرف سترہ حدیث یاد تھی، ہمیں چاہئے کہ ہر طرف سے دھیان ہٹا کر اپنے علماء کی ان باتوں کو بار بار دھرایا کریں، ہمیں دین کی اشاعت کرنی ہے، کتاب و سنت کو پھیلانا ہے، فقہ حنفی کا وجود صرف کوفہ میں امام ابو حنیفہ کے محلہ میں تھا۔

بیٹا۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ فقہ حنفی کا وجود صرف کوفہ میں امام ابو حنیفہ کے محلہ میں تھا، اور ہمارے بڑے مولوی صاحب مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں۔

قبل از سفر امام صاحب (بخاری) نے فقہ حنفی اور اس کے اصول تخریج کو حاصل ہی نہیں بلکہ اچھی طرح ازبر کر لیا تھا۔ (ص ۱۱۹ سیرۃ امام بخاری)

ابا جی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن بخارا سے علمی سفر شروع کرنے سے پہلے بخارا ہی میں رہ کر فقہ حنفی اور اس کے اصول تخریج کو اچھی طرح ازبر کر لیا تھا، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے زمانہ میں فقہ حنفی بخارا پہنچ چکا تھا، اور امام بخاری نے قیاسات والے اسی فقہ میں مہارت پیدا کر کے اپنی علمی استعداد کو پختہ کیا تھا۔

ابا جی اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ امام بخاری کے زمانہ میں بخارا میں فقہ حنفی ہی قابل اعتماد فقہ تھا (نہ فقہ شافعی، نہ فقہ مالکی نہ فقہ حنبلی) ورنہ امام بخاری فقہ حنفی کو حاصل نہ کرتے اور اس فقہ کے اصول تخریج میں کامل مہارت بہم نہ پہنچاتے۔

باپ - بیٹا تم اس قسم کی تحقیقات کہاں سے بہم پہنچاتے ہو؟

بیٹا - کیوں ابا جی، میں نے کچھ غلط کام کر دیا ہے کیا؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

ایک بادشاہ کی زندگی کا آخری لمحہ

شاہی بیگ بڑا متدین بادشاہ تھا اور قرآن سے بہت تعلق رکھتا تھا۔ زندگی کی آخری منزل میں داخل ہوا تو حافظ محمد شریف کو طلب کیا اور سورہ یٰسٓ پڑھنے کو کہا۔ انھوں نے سورہ یٰسٓ شروع کی اور ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون تک پہنچے تو بادشاہ نے کہا۔

اے قاری اعادہ کن

قاری دوبارہ پڑھو ——— چوں بآیۂ قال یٰلیت قومی یعلمون ہ بما غفر لی ربی۔ رسید جان بحق تسلیم کرد

یعنی جب قاری آیت قال یٰلیت قومی یعلمون ہ بما غفر لی ربی پر پہنچا تو جان اللہ کے حوالے کر دی۔

محمد اجمل مفتاحی

از مولانا عبدالحمید نعمانی

ایک خط

محترم المقام ! حضرت غازی پوری زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کے فضل سے میں خیریت سے ہوں اور آپ سب کی خیریت چاہتا ہوں !

آج ہی زمزم کا تازہ شمارہ مکمل پڑھا، چند دنوں قبل " اشاعۃ السنۃ " دیکھنے کو ملا تھا، وہی پرانا ڈھرا اور " سلفیت کا نمونہ " کوثر وتسنیم میں دھلی زبان واسلوب ہے، زمزم میں ہدایہ کے کچھ مسائل پر، غیر مقلدین کے اعتراضات کا اچھا جائزہ لیا گیا ہے، جناب جونا گڑھی کی کتاب حنفی مذہب کا بزہنہ فوٹو، آپ کے مطالعہ سے ضرور گزری ہوگی، یہ کتاب اہل حدیث اکیڈمی مئو سے شائع ہوئی ہے، جونا گڑھی کا خود کا دعوی ہے کہ انھوں نے فقہ حنفی کا وسیع مطالعہ کیا ہے، جناب مولانا یوسف جے پوری اور ضمیر کا بحران والے مولانا محمد رئیس ندوی کا بھی یہی دعوی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں جارح غلیظ پسند غیر مقلدین کے علاوہ اس قسم کے مسائل اٹھانے والوں میں سے کوئی بھی ایماندار انصاف پسند نہیں، بیشتر مسئلے میں معمول بہ راجح اور مفتی بہ قول وفتوی کے بجائے، متروک العمل، مرجوح اور غیر مفتی بہ قول ورائے کو پیش کرکے فقہ حنفی سے ناجائز طور پر عوام کو متنفر کرنے کی مذموم سعی کی گئی ہے، عمل بالحدیث اور سلفیت کی دعوت کے نام پر انتہائی شرمناک انداز میں، ایمانی، بددیانتی اور تلبیسانہ عمل کیا گیا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ غیر مقلدین کا پورا ٹولہ ہی، ضمیر کے بحران میں مبتلا ہو گیا ہے، ہمارے بہت سے بزرگ یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ غیر مقلدین کا، مقلدین، خصوصًا احناف سے رفع یدین، قرأت

خلف الامام جیسے چند مسائل میں فروعی اختلاف ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات سراسر سادہ لوحی اور غیر مقلدین کی کتابوں کے ناقص اور غیر سنجیدہ مطالعے پر مبنی ہے، غیر مقلدین کا احناف سے اور احناف کا غیر مقلدین سے اصولی اختلاف ہے وہ ادلہ شرعیہ میں سے اجماع اور قیاس شرعی کو خارج سمجھتے ہیں اور جن مسائل میں واقعتاً اختلافات کی نوعیت فروعی ہے ان میں بھی غیر مقلدین نے اختلاف کو مخالفت میں بدل دیا ہے۔ مثلاً قرأت خلف الامام یا رفع یدین جیسے مسائل میں اگر گہرائی میں جاکر دیکھا جائے تو بات اولی، غیر اولیٰ، راجح مرجوح سے زیادہ آگے نہیں بڑھتی ہے، لیکن غیر مقلدین نے اس قسم کے مسائل کو بھی حق و باطل کا رنگ دے دیا ہے، پوری اسلامی تاریخ میں غیر مقلدین کی پر فتنہ ولادت سے پہلے عہد رسالتؐ، دور صحابہؓ سے لے کر بعد کے دور میں کسی بھی قابل ذکر محدث، فقیہ نے فتوے کی زبان میں قرأت خلف الامام نہ کرنے والوں کی نماز کو باطل اور بے کار نہیں کہا ہے، عقائد کے باب میں بھی غیر مقلدین نے جس طور سے اپنے نظریات پیش کئے ان کی موجودگی میں یہ تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ غیر مقلدین سے احناف کے اور احناف سے غیر مقلدین کے اختلافات فروعی نوعیت کے ہیں، غیر مقلدین نے خود اپنے وسیع لٹریچر میں فریقین کے اختلافات کو فروعی تسلیم کرنے سے بالوضاحت انکار کیا ہے۔ جماعت اہلحدیث کے جنرل سکریٹری مولانا عبدالوہاب خلجی نے ابھی جون ۲۰۰۱ء کے انکا رلی دہلی کو دیئے گئے انٹرویو میں اعلان واقرار کیا ہے کہ ہمارا اختلاف فروعی کم، اصولی زیادہ ہے۔ خود ہمارے محتاط علماء کرام، مفتیان عظام نے غیر مقلدین کے افکار و اصول پر تنقید کرتے ہوئے جو فیصلے دیئے ہیں (یہ فیصلے شرعی فیصلے کے نام سے مجلس تحفظ حدیث و فقہ پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں) ان کو دیکھتے ہوئے فریقین کے اختلافات کو فروعی اور معمولی نوعیت کا قرار دینا حد درجہ کی خوش فہمی ہے، جس طرح غیر مقلدین نے مقلدین خصوصاً احناف کو فرقہ ناجیہ کے زمرے سے خارج قرار دیا ہے اس کے باوجود اصولی کے بجائے فروعی اختلاف کی بات بالکل ناقابل فہم ہے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ اور ما ئۃ دروس میں تحریر کیا ہے کہ غیر مقلدین سے ہمارے اختلافات صرف فروعی نہیں بلکہ اصولی بھی ہیں۔ نماز میں ان کی اقتدا کو مکروہ تحریمی تحریر کیا ہے، دیگر مذاہب میں بھی فرقہ غیر مقلدین کے جارح جیسا کہ آج کے غیر مقلدین ہیں کو گمراہ اہل سنت سے خارج تحریر کیا گیا ہے۔ مولانا شاہ وجیہ الدین رامپوریؒ نے غیر مقلدین کا شمار اہل بدعت

گمراہ فرقوں میں کیا ہے "فتاویٰ رشیدیہ" "تذکرۃ الرشید" "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" "فتاویٰ محمودیہ" "خیرالفتاویٰ" "احسن الفتاویٰ اور فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ میں اس سے متعلق خاصا مواد ہے۔

دوسری بات میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ سلفیت کے نام پر تحریکِ غیرمقلدین امت کو خدا کی عطا کردہ خیروسعادت سے محروم کرنے اور نتیجے میں خود محروم ہوجانے کی مبغوض اور ناپسندیدہ تحریک اور بہ قول مولانا اسماعیل سنبھلیؒ باعث فتنہ وفساد ہے۔ گویا کہ گروہ غیرمقلدین مقام محروم پر کھڑا ہے۔ یہ میں اپنے خاصے اور ایماندارانہ مطالعے کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ ان کی وضاحت ایک دو مثال سے کرنا چاہوں گا۔

ائمہ کرام، بزرگان دین حضرات صوفیہ کے قول وفعل کے اگر دو پہلو ہوں، اچھا، خراب، قبیح حسن، تو غیرمقلدین خراب اور قبیح پہلو کو لیتے ہیں۔ جب کہ سماج میں قابل احترام معروف، متبوع امام وصوفی کے بارے میں حسن اور اچھائی کا پہلو اس کی شخصیت سے زیادہ مطابق ہے، مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے سلسلے میں دو بیان کسی کتاب میں، مثلاً تاریخ بغداد میں مل جائے، ایک سے تو عظمت وذہانت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرے بیان سے تحقیر وتحمیق کا، تو مولانا رئیس ندوی جیسے جماعتی نامور محققین دوسرے والے بیان کو لپک لیتے ہیں۔

فقہ حنفی کی کتابوں مثلاً "ہدایہ" "در مختار وغیرہ میں کسی مسئلہ کے بارے میں دو قول ہوں ایک تو مفتی بہ اور معمول بہ قول یہ ہے کہ خنزیر نجس العین ہے۔ دوسرا غیرمفتی بہ مرجوح ثبوت طلب قول یہ ہو کہ خنزیر نجس العین نہیں ہے تو یوسف جے پوری، محمد جوناگڑھی اور رئیس ندوی جیسے جماعتی محققین دوسرے قول کو بڑی رغبت وچاؤ سے لپک لیتے ہیں، پتہ نہیں غیرمقلدوں کے نواب سے لے کر ڈکر تک کو خنزیر کی پاکی سے اتنا تعلق خاطر کیوں ہے۔ اسی طرح اگر مفتی بہ قول یہ ہو کہ خنزیر کی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ دوسرا غیرمفتی بہ اور مردود قول یہ ہو کہ خنزیر کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے۔ تو غیرمقلدین دوسرے کو اپنائیں گے جیسا کہ غیرمقلد مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کرکے ثابت کر دیا ہے۔ ان کا یہ رویہ کیا اس کا پتہ نہیں دیتا ہے کہ غیرمقلدین ایک مخصوص قسم کے پاکیزہ بحران میں مبتلا ہوگئے ہیں، ورنہ خنزیر اور اس کی کھال

کو پاک ثابت کرنے کی مہم کا کیا مطلب نکالا جائے۔

میں چاہوں گا کہ اہل علم اس زاویے سے بھی غیر مقلدیت کے بارے میں سوچیں۔ جارح غیر مقلدین نے البانی، ابن باز اور عثیمین وغیرہ کے زیر اثر رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرات صحابہؓ وصحابیاتؓ سے منسوب و متعلق، متبرک یادگار اور آثار و مقامات کو جس سنگ دلی سے تباہ و برباد کیا ہے کیا اس سے جارح غیر مقلدین اور نام نہاد سلفیوں کی نازک جذبات سے عاری دلوں کی ویرانی اور بربادی پسند طبیعت کا پتہ نہیں چلتا ہے؟ یہ بڑی خطرناک ذہنیت ہے اس کے فکر واقدام کے نتیجے میں امت بہت سی خیر و سعادت اور قابل فخر ذکر ورثے اور نازک احساسات سے جڑی یادگاروں سے محروم ہوگئی ہے اور آئندہ بھی اس کا خطرہ بنا ہوا ہے۔

امت کو دور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین، فقہا و صوفیا، سے آج تک جو علمی توارث اور منشا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی خاکہ، ان کے اعمال وافکار اور اشغال کی شکل میں ملا ہے۔ غیر مقلدیت اسے بھی تباہ کر دینا چاہتی ہیں۔ اس کے سوا غیر مقلدیت اور کیا ہے؟ فقہ، اصلی اسلام میں اضافہ ہے بلکہ اصلی اسلام کے متوازی جعلی اسلام ہے۔ تصوف غیر اسلامی اور عجمی سازش کا نتیجہ، مسالک اربعہ شیطان کی مختلف راہیں، گھاتیں ہیں اور فقہ اسفار لہوالحدیث سلفیت وغیر مقلدیت کے جدید منشور اور اعلامیے کس سمت میں اٹھے اور بڑھتے قدم ہیں۔ یہ رفع یدین کے فروعی اور معمولی مسائل نہیں ہیں، عالمی سطح پر غیر مقلدیت کو لے کر امت میں بے پناہ اضطراب یونہی تو نہیں ہے۔ مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم نے "تحفظ سنت کانفرنس" کر کے اس اضطراب کو زبان دے دی ہے۔ یہ درحقیقت، عمل آگاہی ہے۔ کانفرنس میں حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری نے بڑی حد تک غیر مقلدیت سے متعلق بحث کو ایک متعین رخ دیا ہے کہ غیر مقلدین سے ہمارا اختلاف صرف مسائل کا نہیں بلکہ اصول کا ہے۔ اس اختلاف کو اصول عقائد کا نہیں تو کم از کم اصول فقہ کی حد تک تو اصولی ماننا ہی پڑے گا، اس پر تو غیر مقلدین کا پورا لٹریچر گواہ ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

تمنا، دعا، التجا

ہے مختصر سی زندگی یارب تو یوں کٹے
ہر آن تیرا نام زباں پر میری رہے

یارب یہ آرزو ہے مدینہ میں جا بسیں
باقی جو زندگی ہے وہیں پر گذار دیں

تیری رضا کے طالب ہر دم خدا رہیں
تیری رضا کی خاطر یارب جئیں مریں

ہر معصیت سے دور خدایا رہا کریں
جو تو کہے خدایا اسی پر عمل کریں

اپنے سوا کسی کا سوالی نہ تو بنا
سیدھا جو راستہ ہے خدایا اسے دکھا

حسن عمل سے زندگی میری سنوار دے
توفیق کار خیر کی پروردگار دے

سینہ ہمارا علم کی دولت سے بھر دے تو
فضل و کرم سے اپنے بچا میری آبرو

دشمن ہمارا نفس ہے یارب بہت بڑا
ہم کو ہمارے نفس سے میرے خدا بچا

طاعت سے زندگی کو تو میری سنوار دے
جس کو خزاں نہ آئے، تو ایسی بہار دے

مکتبۂ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا دو ماہی دینی وعلمی مجلہ

جلد ۵

شمارہ ۵

رمضان، شوال ۱۴۲۲ھ

مدیر مسئول ومدیر التحریر
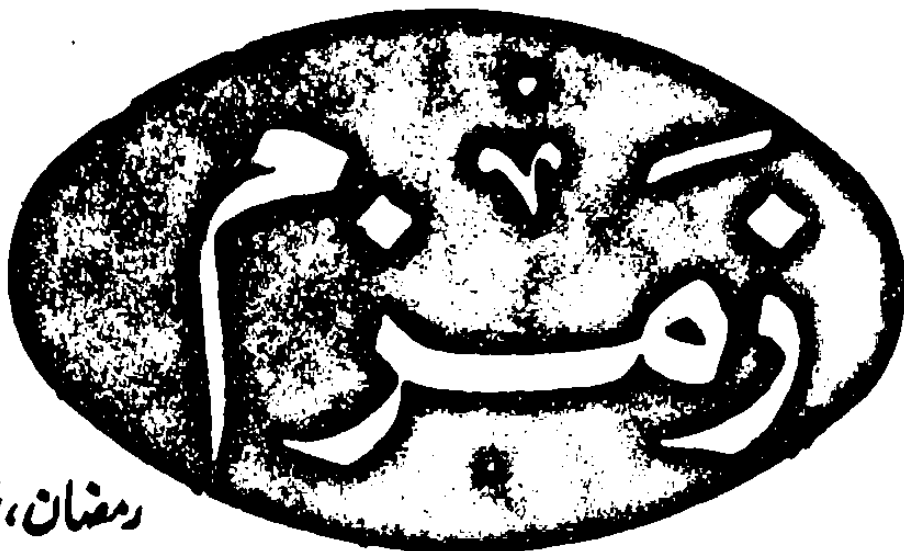
محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ——— ۶۰/ روپے

پاکستان کے لئے

پاکستانی سو روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک دس ڈالر امریکی

مکتبۂ اثریہ

قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور — یوپی

پن کوڈ: ۲۳۳۰۰۱ - فون نمبر ۲۲۲۵۳۳/۲۲۱۷۵۷ - ۰۵۴۸

فہرست مضامین

کتبہ
شمس الحسن محلہ کوٹ ادری

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

امریکی جارحیت کا سلسلہ رُکنے والا نہیں

افغانستان میں طالبان حکومت ختم کر لینے کے بعد امریکہ اپنی جارحیت کا سلسلہ مزید بڑھانے کے پروگرام میں مسلسل لگا ہوا ہے، اسلامی ملکوں میں سے نمبر اول پر اس کا نشانہ عراق ہے، جس پر امریکہ نے حملہ کی پوری تیاری کر لی ہے، اور یہ حملہ کب ہو جائے کہا نہیں جا سکتا[1]، پھر ایران ہے، اس کے بعد لیبیا ہے، یمن ہے، شام ہے، اور نہ جانے کون کون سے ممالک ہیں جنھیں امریکہ اپنی جارحیت کا نشانہ بنائے گا، کویت پر امریکہ کا پورا قبضہ ہے، امیر کویت کی امارت اور حکومت صرف دکھاوے کی ہے۔ بحرین، عمان اور امارت کے ممالک امریکہ سے اس طرح سے ڈرے اور سہمے ہیں جیسے چوہے بلی سے ڈرے سہمے رہتے ہیں، ان کی ہمت نہیں کہ امریکہ کے خلاف کوئی اقدام کر سکیں، یا اس کے کسی فیصلہ کی مخالفت کریں۔

سعودی حکومت کو یہ غرہ تھا کہ امریکہ کی سرپرستی میں اور اس کی فوجی طاقت کے سہارے وہ محفوظ رہے گا، لیکن امریکہ نے اب سعودی حکومت کو بھی دہلانا شروع کر دیا ہے، عراق پر امریکی حملہ کے خلاف سعودی حکومت کی عدم ناراضگی اور اس کی عدم حمایت کی بات جب اخباروں میں آئی تو امریکی وزارت دفاع کے دفتر سے شائع شدہ ایک رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر سعودی عرب دہشت گردی کو ختم نہیں کرتا تو سعودی عرب

---

(1) امریکہ نے گذشتہ ستمبر کو عراق پر ایک سو بمبار طیاروں سے حملہ کر کے عراق کے خلاف اپنی خبیث نیت کا اظہار کر دیا ہے۔

کے تیل کے علاقوں پر بمباری کر کے تباہ کر دیا جائے۔ بعد میں محکمہ دفاع نے اس رپورٹ سے اپنے آپ کو لاتعلق ظاہر کیا ہے۔ (راشٹریہ سہارا اردو سنیچر ۱ اگست)

سعودی حکومت کو یہ امریکہ کی پہلی کھلی دھمکی ہے، اگرچہ وزارت دفاع نے اس خبر سے اپنے کو لاتعلق ظاہر کیا ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ امریکی حکومت کے اشارہ کے بغیر اس قسم کی خبر شائع نہیں ہو سکتی، یہ خبر سعودی حکومت کے لئے ایک طرح کی وارننگ ہے کہ اگر تم نے ہماری مرضی کے خلاف ذرا بھی حرکت کی تو تمہارا حشر بھی ہم خراب کر کے رکھ دیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امریکہ کی جارحیت کا سلسلہ چند ممالک ہی تک رکنے والا نہیں ہے، بلکہ وہ ان تمام ممالک کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنائے گا جہاں اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھ میں حکومت کا نظام ہو گا۔

امریکہ کی موجودہ جارحیت فی الاصل اسلام کے خلاف ایک کھلی جنگ ہے، امریکہ صلیب کے آگے اسلام کو جھکا دینے پر تُلا بیٹھا ہے، اور طالبان حکومت کو ختم کر لینے کے بعد اس کا حوصلہ اتنا بلند ہے کہ وہ اپنے جارحانہ پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے کسی بھی ملک کی موافقت یا مخالفت کی اس کو پرواہ نہیں ہے وہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا شیطان ہے جو پوری دنیا پر چھا جانا چاہتا ہے۔

عرب ممالک کے پاس امریکی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے، امریکہ ایک عرب ملک کو اپنا اڈہ بنا کر دوسرے عرب ملک پر حملہ کرے گا۔ اور یہ عرب ممالک منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ اور انھیں دم مارنے کی گنجائش نہ ہو گی۔ عربوں کی بے حسی و بے غیرتی اور ان کے ضعف و نامردی کا عالم تو یہ ہے کہ ان کے پڑوس میں اسرائیل ایک چھوٹا سا ملک دندناتا پھر رہا ہے، روزانہ فلسطینیوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ مگر عرب ملکوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے ملک اسرائیل کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکیں۔ اسرائیل فلسطینیوں پر بمباری کر رہا ہے اور عرب ملکوں کے سربراہ صرف بیان بازی کر رہے ہیں۔

عرب ملکوں کو اللہ نے بے تحاشا دولت سے نوازا تھا، اگر ان کو عقل و شعور ہوتا اور مستقبل میں کیا پیش آنے والا ہے اس کا ادراک ہوتا، اگر ان کی آنکھیں کھلی ہوتیں اور انھوں نے اپنی دولت کو اپنے آپ کو مضبوط کرنے پر صرف کیا ہوتا تو آج اسرائیل اسطرح دندناتا پھرتا اور نہ امریکہ کو ہمت ہوتی کہ وہ عربوں کو آنکھ دکھلائے اور ان کو اپنا غلام بنائے۔ مگر عربوں نے اپنی دولت کا مصرف صرف اپنی عیاشیوں کو سمجھا، اور آج وہ اپنے دشمن کے سامنے بے دست و پا بنے ہیں بلکہ انھیں سے امداد اور اعانت کے خواہاں ہیں۔

ایک طرف تو عربوں نے اللہ کی دی ہوئی دولت سے اپنی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں کیا اور کسی طرح کی فوجی تیاری نہیں کی، دوسری طرف انھوں نے اپنی زندگی سے اسلام کو بھی دور کر دیا، آج کوئی عرب ملک بلکہ دنیا کا کوئی مسلم ملک صحیح معنوں میں اسلامی ملک نہیں ہے، اگر ان عرب سربراہوں کی زندگی میں اسلام ہوتا اور اسی نہج پر ان کی زندگی اور ان کے ملک کا نظام ہوتا تو اسلام خود اپنی جگہ پر ایک ایسی طاقت ہے جو تمام شیطانی طاقتوں کا تنہا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مگر ہمارے مسلم ممالک کے حکمرانوں کا حال یہ ہے کہ ان کو شاید امریکہ سے اتنا خطرہ نہیں محسوس ہوتا جتنا اسلام سے وہ گھبراتے ہیں۔ کوئی ایک ملک اسلام کو پورے طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، کوئی سربراہ مملکت اس کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک میں اسلامی نظام قائم کرے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کچھ کرے ہر شخص اپنی زندگی میں مست ہے اور اپنی عیاشیوں کے مزے لوٹ رہا ہے، جب ہماری بے حسی اور بے دینی اور اللہ سے بے تعلقی کا عالم یہ ہو جائے تو پھر دشمنوں کو آنکھ دکھانے کی جرأت کیوں نہیں ہوگی۔

آج عرب ملکوں میں امریکہ یا برطانیہ کی فوج ہے اور ان کا سارا دفاعی نظام امریکہ اور برطانیہ کے قبضہ میں ہے اس صورت حال میں کس عرب ملک کی یہ جرأت ہے کہ امریکہ سے آنکھ ملا سکے اور اس کے اشاروں پر حرکت نہ کرے۔

جن مسلمان ملکوں نے طالبان کے خلاف امریکی جارحیت کی حمایت کی تھی وہ ان کی

سب سے بڑی سیاسی غلطی تھی۔ طالبان حکومت کا ختم ہونا خود ان کے حق میں بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ طالبان اگرچہ کمزور تھے مگر پوری دنیا پر ان کا رعب چھایا ہوا تھا اور ان کے نام سے کفر کی طاقتیں لرزہ براندام تھیں۔ اگر اسلامی ملکوں کی اخلاقی حمایت بھی طالبان کو حاصل ہوتی تو طالبان اتنی آسانی سے ختم نہیں ہو سکتے تھے۔ اور امریکہ اپنی جارحیت کا دائرہ وسیع کرنے سے پہلے بہت کچھ سوچتا، طالبان کے ختم ہو جانے کے بعد امریکہ کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا ہے، اور وہ پوری اسلامی دنیا کو اپنی غلامی میں لے لینا چاہتا ہے کسی عرب یا مسلم ملک کے پاس اس سے نمٹنے کی کوئی طاقت نہیں ہے۔

ادھر مسلمانوں کی نفسیات طالبان حکومت ختم ہو جانے کے بعد بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے، مسلمان نوجوانوں کے حوصلے پست ہیں، اور جب کسی قوم کی نفسیات متاثر ہو جائے اور اس کے حوصلے پست ہو جائیں تو کسی دشمن کا ہلکا سا وار سہنا بھی مشکل ہوتا ہے امریکہ تو بہت بڑی طاقت ہے۔

اگر عرب ممالک اور مسلم حکمراں اب بھی جرأت کا مظاہرہ کریں اور امریکہ سے دو بدو کی گفتگو کرنے کی ہمت پیدا کر لیں اور اس کی جارحیت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو امریکہ کوئی ایسا عفریت نہیں ہے کہ سب کو نگل جائے گا، امریکہ تو ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے، وہ سمجھ رہا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی دم خم نہیں ہے، مسلمان ملکوں میں اتحاد و اتفاق نہیں ہے، وہ اس صورت حال کا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے، اور اپنے شیطانی منصوبوں کی تکمیل میں لگا ہے ـــــــ عراق پر اگر امریکی حملہ ہوا اور مسلم اور عرب ملکوں نے خاموشی اختیار کی اور اس کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا تو پھر بقیہ دوسرے مسلم اور عرب ملکوں کی خیر نہیں ہے، امریکہ کی یہ جنگ صلیبی جنگ ہے، یہ جنگ اسلام کے خلاف ہے، مسلمان سربراہوں کو اب بھی ہوش آ جانا چاہئے اور اپنے سارے اختلافات بھلا کر امریکی جارحیت کا مقابلہ کرنے کیلئے ہر طرح تیار ہو جانا چاہئے، اگر ایک دفعہ مسلم ممالک اپنے اتحاد کی طاقت کا مظاہرہ کر دیں تو امریکہ یا کسی دوسری یورپی اور مغربی طاقت کو اسلام کے اور مسلمانوں کیخلاف آنکھ دکھانے کی ہمت نہیں ہوگی اور اگر خدا نے چاہا تو انھیں زبردست ہزیمت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

محمد ابوبکر غازیپوری

محمد اجمل مفتاحی

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم شہوتوں سے ڈھکی ہے اور جنت نفس پر شاق باتوں سے ڈھکی ہے۔ (بخاری)

شہوات سے مراد وہ دنیا کے کام ہیں جن کے کرنے سے شریعت نے روکا ہے لیکن نفس اس کی طرف مائل رہتا ہے، اور ان کو کرنے میں اس کو لذت ملتی ہے، عام طور پر طبیعتوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ نفس کی خواہش کے مطابق کام کرنے پر آمادہ ہوتی ہیں، انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی ہے کہ شریعت میں یہ کام حلال ہے کہ حرام، حرام کام کرنے میں نفس کو بڑی لذت ملتی ہے، اور اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے، اسلئے آدمی کو ہمیشہ شریعت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا چاہیئے کہ کبھی اس کا نفس اس کو خلاف شرع اور حرام کام میں نہ مبتلا کر دے۔ اس کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ آدمی دینداروں اور اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے، دیندار لوگوں کی صحبت میں رہ کر آدمی بہت سی برائیوں سے اپنے کو بچا سکتا ہے۔۔

جنت کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ جنت مکارہ یعنی نفس پر جو باتیں شاق ہوتی ہیں اس سے ڈھکی ہے، یعنی جنت میں جانے کے لئے ان امور کو انجام دینا پڑتا ہے

جن کا کرنا نفس پر بوجھ ہوتا ہے۔ مثلاً مصیبت پر صبر کرنا، اور ہر تنگی و آسانی میں اللہ کے سامنے سرِ اطاعت خم کئے رہنا، نماز روزہ اور دیگر عبادات کا پابندی سے اور ان کی پوری رعایت کے ساتھ ادا کرنا، جن باتوں سے شریعت نے روکا ہے قولاً و عملاً اس سے دور رہنا، چونکہ شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے اس وجہ سے وہ خیر کے کام سے انسان کو روکتا رہتا ہے اور جو باتیں نفس کو اچھی لگتی ہیں ان کی طرف اس کو رجھائے رہتا ہے، شیطان کے جال کو توڑ کر انسان کو راہ حق پر لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کو اپنے نفس سے اس کے لئے پوری جنگ کرنی پڑے گی تب وہ شیطان اور نفس کے جال سے نکل سکتا ہے، مگر جب انسان نفس کی مخالفت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر شریعت کے کام کو انجام دینے میں کسی طرح کی تنگی و پریشانی نہیں ہوتی ہے۔ جیسے نماز کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے کہ نماز نفس پر عام لوگوں کے لئے بہت بھاری ہے۔ مگر متقیوں پر نماز بھاری نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہی ہے کہ جن کو تقویٰ کی دولت حاصل ہوتی ہے ان کا نفس ان کے قابو میں ہوتا ہے وہ نفس کے قابو میں نہیں ہوتے اس وجہ سے شریعت کے کام کا انجام دینا ان کے لئے کوئی بوجھ نہیں ہوتا ہے۔ مگر تقویٰ کا حاصل کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑے مجاہدے، بڑی ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں اور پھر اہل اللہ کی صحبت میں کچھ وقت بسر کرنا ہوتا ہے تب تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو پاتی ہے۔

(۲) بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا جب کوئی شخص اس کو دیکھے جو مال و دولت اور شکل و صورت میں اس سے بہتر ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ ان کو بھی دیکھے جو مال و دولت اور شکل و صورت میں اس سے کم ہیں اور وہ ان سے بڑھا ہوا ہے۔

آدمی کی عام عادت یہی ہوتی ہے کہ اس کی نگاہ ان لوگوں پر ہوتی ہے جو اس سے مال و دولت، شکل و صورت، گھر بار میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی میں اللہ کے لئے شکر کے جذبات میں کمی ہو جاتی ہے، اور کبھی اس سے آدمی

میں حسد، بغض، عداوت جیسی بیماری پیدا ہوجاتی ہے، جس سے پورا معاشرہ بگڑتا ہے اور آپس کے تعلقات بگڑتے ہیں، اس وجہ سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو تو آدمی کو چاہئے کہ ان پر بھی وہ نگاہ کرے جن سے یہ بڑھا ہوا ہے۔ اس کے آس پاس رہنے والے کتنے ایسے لوگ ہوں گے جن کی حالت اس سے بھی بری ہوگی اور یہ مال و دولت شکل وصورت، آرام وراحت میں ان سے بڑھا ہوا ہوگا، اپنے سے پیچھے اور کم لوگوں پر نگاہ کرنے سے انسان کو اللہ کی نعمت کی قدر ہوتی ہے اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا ہوتا ہے۔

اگر انسان اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کرے تو پھر اس کو اپنی تقدیر سے اور اپنے خالق سے کوئی شکوہ نہ ہو اور اس کی زبان پر ہر وقت اللہ کی حمد اور ثنا رہے۔

(۳) بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث قدسی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسنات (اچھائیوں) اور سیئات (برائیوں) کو مقدر فرمایا اور پھر انکی تفصیل سے وضاحت فرمادی۔ اب اگر کوئی شخص کسی اچھائی کا ارادہ کرتا ہے لیکن کسی وجہ سے اس پر اس کا عمل نہ ہو سکا تو محض اس نیت اور ارادہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ایک پوری اچھائی کا ثواب لکھ دیتے ہیں، اور اگر اس نے ارادہ کیا اور اس کارِ خیر کو انجام بھی دیا تو پروردگار اس کو اس کے عوض دس نیکی سے لے کر سات سو نیکی بلکہ اس سے زیادہ تک کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔ اور جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا مگر اس کو کیا نہیں تو اللہ تعالیٰ (برائی نہ کرنے کے عوض) اس کے لئے ایک نیکی لکھتے ہیں اور اگر اس نے وہ برا کام کر لیا تو اس کی صرف ایک ہی برائی لکھتے ہیں۔

بندوں پر یہ اللہ کا کتنا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اگر بندہ صرف نیکی کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس پر بھی اللہ کے یہاں اس کا ایک اجر لکھ جاتا ہے حالانکہ اس نے وہ نیک کام انجام نہیں دیا ہے، اور اگر وہ نیک کام اس سے انجام پاتا ہے تو پھر دس نیکیاں اس کے حصہ میں لکھی جاتی ہیں اور یہ کم سے کم ہے، زیادہ کا کوئی حساب و شمار ہی نہیں جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اتنا ہی اس نیک

عمل کا ثواب بڑھتا رہے گا۔ سات سو گنا تک پائے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ اجر پانے کا مستحق ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر برائی کا ارادہ کرتا ہے مگر وہ برا کام کرتا نہیں ہے تو محض اس ترک کی وجہ سے بندہ ایک نیکی کا مستحق ہو جاتا ہے، اور اگر وہ برا کام کرتا ہے تو اس کو صرف ایک برے عمل کے گناہ کا عذاب ہوتا ہے۔

اس حدیث پاک سے بندے پر اللہ کے بے پایاں احسان و اکرام کا اندازہ ہوتا ہے۔ کون ہے ایسا مالک جو صرف نیک کام کرنے کے ارادہ پر بھی ثواب سے نواز دے، یہ اسی مالک کی شان ہے جس کے قبضہ میں ساری خدائی ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور اس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے کہ وہ ان باتوں سے دور رہے جن سے اللہ نے روکا ہے۔

اس حدیث پاک میں اللہ نے دو کلموں کی حقیقت سے ہمیں آگاہ کیا ہے ایک کلمہ تو "مسلم" ہے، اور دوسرا کلمہ "مہاجر" ہے۔

آپ نے بتلایا کہ حقیقی مسلمان وہ شخص ہے جو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے کوئی ایذا اور کوئی تکلیف نہ پہونچائے۔ زبان سے تکلیف پہونچانا مثلاً یہ ہے کہ اس کی غیبت کرے، اس پر بہتان لگائے، اس کے ساتھ گالی گلوج کرے، اس کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں بدظنی و بدگمانی پیدا کرے، اور اس طرح کی دوسری باتیں۔ اور ہاتھ سے تکلیف پہونچانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ مار پیٹ کرے، طاقت کے بل بوتے پر اس کی زمین جائداد پر قبضہ کرے، غرض وہ ناجائز کام اس میں داخل ہے جو کسی کو کمزور سمجھ کر اپنی طاقت کے بل بوتے پر انجام دیا جائے۔

مہاجر کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کے لئے اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کیلئے آدمی اپنا گھر وطن چھوڑ کر کہیں ایسی جگہ چلا جائے جہاں اس کا دین و ایمان محفوظ رہے، اور وہ

عافیت اور یکسوئی کے ساتھ دین کے کام اور عبادتوں کو انجام دے سکے مگر اس حدیث میں اللہ کے رسول نے ایسے شخص کو بھی مہاجر ہی بتلایا ہے جو ان باتوں سے دور رہے اور ان چیزوں کو چھوڑ دے جن کو اللہ نے ممنوع کیا ہے یعنی غیر شرعی باتوں سے دور رہنے والا بھی ایک طرح کا مہاجر ہی ہے کہ اس نے اللہ کی خاطر ناجائز اور حرام کاموں سے اپنے کو دور کر لیا۔

(۵) سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا عمل دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ جنت والا کام کر رہا ہے حالانکہ وہ شخص انجام کے اعتبار سے جہنمی ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں کا کام دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ جہنم میں جانے والا کام کر رہا ہے مگر وہ شخص انجام کے اعتبار سے جنتی ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اصل یہ ہے کہ اعمال کا تعلق انجام کار اور خاتمہ سے ہے (کہ انسان کی موت کس حالت پر ہوتی ہے)

اس حدیث سے دو اہم بات معلوم ہوئی ایک تو یہ کہ کسی کے اچھے بُرے کام کو دیکھ کر موت کے وقت سے پہلے قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ساری زندگی نیکی میں گذارے اور اس کا انجام خراب ہو، اسی طرح ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص تو ساری زندگی بُرے کام میں لگا رہا مگر اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ اللہ کی توفیق سے کوئی ایسا کام کر جائے کہ وہ اس کی ساری برائیوں کا کفارہ بن جائے، اس وجہ سے یہ مناسب نہیں ہے کہ موت سے پہلے کسی کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کیا جائے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔

دوسری ایک اہم بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ انسان کو اپنے بارے میں اپنے نیک کام اور عبادات کو دیکھ کر خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ بہت پہونچا ہوا ہو گیا ہے اور جنت پر اس کا قبضہ ہے، معلوم نہیں اس کی موت کس حالت پر ہونے والی ہے، اور اس کا انجام جنت والے عمل پر ہونے والا ہے یا جہنم والے عمل پر ہونے والا ہے۔ ہر شخص کو اپنے حسن انجام اور حسن خاتمہ کی فکر کرنی چاہیئے اور اس کے لئے ہمیشہ اللہ سے دعا مانگتے رہنا چاہیئے۔

محمد اسحاق بھٹی

ہمایوں کی ہندوستان میں واپسی

ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھانے اور اس ملک سے بھاگ جانے کے بعد خاموش نہیں بیٹھا۔ اس نے شاہ طہماسپ صفوی کی مدد سے پہلے قابل و قندھار کو فتح کیا، اور پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا، اس نے بے وفا بھائیوں اور حریفوں کا زور ختم کر کے اس ملک پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ تاریخ ہند کا نیا باب اس کے سامنے کھل گیا اور وہ آگے بڑھا تو تاج شاہی اس کے سر کی زینت بننے کیلئے بے تاب تھا۔

علماء کا احترام

ہمایوں بہت سی خوبیوں کا مالک تھا، علماء کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس ضمن کا یہ واقعہ قابلِ بیان ہے کہ ہمایوں نے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے بیرم خاں کی معرفت مولانا زین الدین محمود سے ملاقات کی۔ مولانا ممدوح خراسان کے موضع بہدا کے رہنے والے تھے۔ کئی بزرگوں اور عالموں کے صحبت یافتہ تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مولانا عبدالغفور سے بھی ملاقات کر چکے تھے۔ بیرم خاں ان کا شاگرد تھا، اور ان کے درس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ہمایوں نے کچھ لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ مولانا زین الدین محمود کو بھی دعوت دی۔ مہمانوں کے ہاتھ دھلانے کا وقت آیا تو ہمایوں نے خود اپنے ہاتھ میں آفتابہ اٹھایا اور طشت بیرم خاں نے پکڑا۔ اس دعوت میں مولانا سید جمال الدین محدث کے پوتے میر حبیب اللہ کی طرف اشارہ کر کے ہمایوں سے کہا۔ ۔ ان کو جانتے ہو یہ کون ہیں؟ ہمایوں ان کے سامنے

بھی آفتابہ لے گیا۔ میر صاحب گھبرا گئے، تھوڑا سا پانی لیا اور جلد جلد ہاتھوں پر ڈالا۔ لیکن مولانا نے نہایت اطمینان کے ساتھ اچھی طرح ہاتھ دھوئے۔ اس موقع پر ہمایوں کی رگ ظرافت پھڑکی تو مولانا سے پوچھا "کتنے پانی سے ہاتھ دھونا مسنون ہے؟" فرمایا۔ جتنے پانی سے ہاتھ اچھی طرح دُھل جائیں" مولانا زین الدین کی مخلصانہ محبت اور شفقت سے ہمایوں بہت خوش ہوا، اور ان سے باقاعدہ استفادہ کرتا رہا۔ بعد کو اس نے بیرم خاں کے ذریعے کچھ رقم بھی ان کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن وہ تحفہ لینے کے عادی نہ تھے، لہٰذا انکار کر دیا۔ بیرم خاں کا اصرار زیادہ بڑھا تو وہ رقم بادلِ ناخواستہ قبول کر لی اور اس کے بدلے میں اپنے ہاتھ سے بنی بہت سی کمانیں جو اس رقم سے زیادہ قیمت کی تھیں اور اس وقت ضروری تھیں، بادشاہ کے پاس بھجوا دیں کہ اصولاً و شرعاً ہدیہ یک طرفہ نہیں دونوں طرف سے ہوتا ہے۔

اسی طرح علماء کی عزت و تعظیم کے بارے میں ہمایوں سے متعلق یہ واقعہ بھی مشہور ہے اور تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب تسخیر ہند کے لئے اس نے دوسری مرتبہ چڑھائی کی تو مفسر قرآن شیخ حمید سنبھلی اس کے استقبال کے لئے گئے ہمایوں ان کا بڑا معتقد تھا۔ ایک دن شیخ نے ہمایوں سے کہا۔ "تمہارا پورا لشکر رافضی معلوم ہوتا ہے" ہمایوں نے پوچھا "وہ کیسے؟ فرمایا۔ اب کی بار تمہارے سپاہیوں کے نام یار علی، کفش علی اور حیدر علی وغیرہ ہیں۔ دوسرے کسی خلیفہ کے نام پر کسی فوجی کا نام نہیں" شیخ کی بات سن کر ہمایوں کو طیش آ گیا، اس وقت ہاتھ میں قلم پکڑا ہوا تھا اس کو غصے سے فرش پر پھینکتے ہوئے کہا "نام پدر من کبیر عمر شیخ بود" (میرے دادا کا نام عمر شیخ تھا) یہ کہہ کر ہمایوں تیزی سے محل سرا میں چلا گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد باہر آ گیا اور نرمی اور تحمل سے شیخ کو اپنے صحیح عقائد سے آگاہ کیا۔

شیخ حمید سنبھلی کی اس بات کا دراصل پس منظر یہ تھا کہ ہمایوں نے ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے شاہ طہماسپ صفوی سے مدد لیتے وقت شیعہ عقائد قبول کرنے سے صاف لفظوں میں انکار نہیں کیا تھا اور صفویوں کا لشکر لے کر ہی بدخشاں پر چڑھائی کی تھی، اس سے شیخ کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید اس نے شیعیت قبول کر لی ہے، ہمایوں نے اپنے دادا عمر شیخ کے نام کا حوالہ دیکر

اس سے اپنی برأت ظاہر کی۔

عہد ہمایوں کے علمار کرام اور فقہائے عظام کے واقعات وحالات اس کتاب میں متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔

ہمایوں کے اوصاف

ہمایوں بہت سی خوبیوں کا مالک اور متعدد اوصاف کا حامل تھا۔ امورِ سلطنت پر گہری نظر رکھتا تھا، مروجہ علوم میں ماہر تھا، علاوہ ازیں علوم نجوم و ہیئت پر بھی اسے کمال حاصل تھا، علمار و فضلار کی دل سے قدر کرتا تھا۔ بزرگانِ دین اور شعرار سے اسے محبت تھی اور خود بھی اچھا شاعر تھا۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ ہمیشہ باوضو رہتا اور اللہ اور رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کا نام کبھی بے وضو زبان پر نہیں لاتا۔ اگر کوئی ایسا نام لینے کی ضرورت پڑتی تو جو "عبد" اور لفظ "اللہ" سے مرکب ہو۔ مثلاً عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالحی وغیرہ تو فقط "عبدل" کہہ کر پکارتا کہ مبادا بے وضو نام اللہ زبان پر آجائے۔

اس کی زبان پر کبھی گالی نہ آتی، جب بہت غصے میں آجاتا تو منہ سے "اے نادان" کے سوا کوئی کلمہ نہ نکلتا۔ مجلس میں آتا تو کبھی بایاں پیر پہلے نہ رکھتا، کسی اور شخص کی بھی مجال نہ تھی کہ مجلس میں آتے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھے۔ اگر کسی سے کبھی چوک ہو بھی جاتی تو اسے پیچھے لوٹا دیتا اور کہتا، دوبارہ مجلس میں آئے۔ اس کی حیا اور متانت کا یہ عالم تھا کہ کبھی قہقہہ مار کر نہیں ہنسا اور کسی کی طرف گھور کر نہیں دیکھا۔

ہمایوں کی علمی و شعری اور ملکی معاملات پر غور و خوض کی محفلیں رات بھر جمی رہتیں کبھی اس کی طرف سے تکان یا تکاسل کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ بے حد سخی اور فیاض تھا، کہتے ہیں اس کی فیاضی کے مقابلے میں تمام ہندوستان کا خراج بھی کافی نہ تھا۔ اسی لئے محکمہ مالیات کے عمال اس کے سامنے نقد روپیہ نہیں لاتے تھے۔

کتب خانہ

ہمایوں صاحبِ علم حکمران تھا اور اس کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، اس کا کتب خانہ بڑا وسیع اور مختلف عنوانات کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس کے

وقت کا ایک حصہ مطالعہ کتب کے لئے مخصوص تھا۔ دہلی کے شیر شاہی قلعہ کی سہ منزلہ عمارت کی آخری منزل میں اس نے اپنا کتب خانہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ چوں کہ علم نجوم اور کواکب کا بھی ماہر تھا، اس لئے اس منزل میں اس کی رصدگاہ بھی تھی۔ ہمایوں کے اس شاہی کتب خانہ کے مہتمم کا نام نظام تھا جو باز بہادر کے عرف سے معروف تھا، ہمایوں کے ذوق مطالعہ اور شوق کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا سفری کتب خانہ اس کے ساتھ رہتا۔ چنانچہ اس نے جب کھمبایت کا محاصرہ کیا تو دیگر کتابوں کے ساتھ تاریخ تیمور کا وہ نسخہ بھی موجود تھا، جو بہزاد نے مصور کیا تھا۔ ایک جنگلی قبیلے نے ہمایوں کے فوجی کیمپ پر چھاپہ مارا تو یہ نسخہ گم ہو گیا تھا لیکن جلد ہی مل گیا تھا۔

دو شاعروں کا دلچسپ واقعہ

عہد ہمایوں میں علمائے دین کے علاوہ متعدد شعرائے کرام بھی تھے جو اونچے درجے کے شاعر ہونے کے ساتھ مروّجہ علوم میں بھی ماہر کامل تھے۔ ان میں سے دو شاعروں کا ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ یہ شاعر تھے، شیخ زین الدین خاں وفائی اور شیخ ابوالواحد فارغی۔ دونوں بابر کے زمانے میں وارد ہند ہوئے تھے اور علم وفضل کی مختلف اصناف پر گہری نظر رکھتے تھے۔ زین الدین وفائیؔ کے بارے میں ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ بابر نے ان کو پورے ہندوستان کا صدر الصدور بنا دیا تھا۔ تمام اصنافِ نظم ونثر میں انھیں مہارت حاصل تھی، خاص طور سے فنِ معمّا گوئی، تاریخ اور بدیہہ گوئی میں عدیم المثال تھے۔ آگرہ میں جمنا کے کنارے ایک مسجد اور مدرسہ ان کی یادگار تھا جب یہ پہلی مرتبہ بابر کے پاس آئے تو بادشاہ نے پوچھا "تمہاری عمر کیا ہے؟" فی البدیہہ جواب دیا۔ بس پانچ برس پہلے "چہل سالہ" تھا اور اب "چہل سالہ" ہوں اور دو برس بعد "چہل سال" پورے ہوں گے۔

اسی زمانے کے دوسرے شاعر ابوالواحد فارغی تھے۔ یہ درویش مزاج اور شیریں کلام شاعر تھے۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔ دونوں اکٹھے ہندوستان آئے اور بابر سے وابستہ ہوئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں نے ایک ہی سال ۔ ۹۴۰ھ میں ۔ یکے بعد دیگرے

وفات پائی اور ایک ہی جگہ مقبرہ شیخ زین الدین وفائی میں ان کی تدفین ہوئی ۔ بدایونی نے لکھا ہے جب یہ دونوں ہندوستان آنے کے ارادے سے سفر کر رہے تھے تو اتنے قلاش تھے کہ ان کے پاس سوائے ایک پرانی پوستین کے کچھ بھی نہ تھا ۔ ہرات سے کابل پہنچے تو وفائی نے فارغی سے کہا، میں پوستین فروخت کرنے بازار جاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم وہاں آکر مسخرہ پن نہ کرنا ۔ انھوں نے یہ شرط قبول تو کرلی مگر اس پر عمل نہ کر سکے ۔ وہ بازار میں وفائی کے پیچھے پیچھے چلنے لگے ۔ ایک شخص سے پوستین کا سودا ہونے لگا تو خریدار اتنی قیمت دینے پر آمادہ نہ ہوا، جتنی وہ مانگتے تھے ۔ وہ شرف پانچ اشرفیاں دیتا تھا ۔ وفائی زیادہ مانگتے تھے ۔ مالک اور خریدار کے درمیان جھگڑا دیکھ کر فارغی سے نہ رہا گیا، وہ اجنبی کی طرح وہاں پہنچے اور دونوں کے درمیان دلالی کے فرائض انجام دینے لگے ۔ گاہک زیادہ قیمت لگانے پر آمادہ نہ ہوا اور بات لمبی ہو گئی، تو فارغی پوستین ہاتھ میں پکڑ کر گاہک سے مخاطب ہوئے ۔ "اے بے انصاف، پوستین کے اس ایک ایک ٹکڑے میں پانچ پانچ اشرفی کے تو فقط پسّو اور جوئیں ہیں ۔" یہ سن کر گاہک چلتا بنا اور پوستین وفائی کے ہاتھ میں پکڑی رہ گئی ۔ وفائی کو سخت غصّہ آیا اور بگڑ کر فارغی سے کہا ۔ ہم تو ایک ایک روٹی تک کے محتاج ہیں اور تم اس حالت میں بھی مسخرہ پن سے باز نہیں آتے ۔

اس طرح کے اور بھی کئی دلچسپ واقعات تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں ۔

وفات

۷ ربیع الاول ۹۶۲ ہجری کو ہمایوں اس کتب خانہ کی چھت پر گیا، جو دہلی کے قلعہ دین پناہ میں قائم کیا گیا تھا ۔ مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد چھت سے نیچے اتر رہا تھا کہ کان میں اذان کی آواز پڑی ۔ اذان کے احترام میں وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ گیا ۔ اٹھنے لگا تو عصا رپٹ گیا ۔ اچانک بادشاہ کا پاؤں پھسلا اور وہ سیڑھیوں پر سے پھسلتا ہوا زمین پر آ گیا ۔ اس ضرب سے خاصی چوٹیں آئیں، کچھ افاقہ ہوا تو شیخ جولی کو پنجاب میں شہزادہ اکبر کے پاس روانہ کیا اور اس کو اپنی حالت کی اطلاع پہنچائی ۔ چوٹیں شدید تھیں، بادشاہ ان سے جاں بر نہ ہو سکا اور حادثے سے سات روز بعد ۱۵ ربیع الاول ۹۶۳ ھ کو اس دنیائے فانی سے آنکھیں پھیر لیں اور عالم

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازیپوری

تیسری قسط (۳)

امام ابوحنیفہ رح اور مسئلہ قیاس

قیاس کا ثبوت حدیث سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جن احادیث صحیحہ سے علماء نے قیاس کا ثبوت تسلیم کیا ہے ان میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں، حافظ ابن عبدالبر رح نے جامع بیان العلم جلد دوم میں اور ابن قدامہ مقدسی نے روضۃ الناظر جلد دوم میں نیز ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی حدیث تو وہی حضرت معاذ رض کی مشہور ہے، آنحضور نے جب ان کو یمن کا قاضی یا والی بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا

کیف تقضی ؟ — معاملات میں کس طرح فیصلہ کروگے ؟

فقال اقضی بکتاب الله - قال فان لم یکن فی کتاب الله قال فبسنة رسول الله صلے الله علیہ وسلم قال فان لم یکن فی سنة رسول الله صلی الله علیہ وسلم

حضرت معاذ رض نے جواب دیا اللہ کی کتاب سے آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ تو کہا کہ اللہ کے رسول کی سنت سے، آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ہو تو کہا کہ پھر میں اپنی رائے کو عمل میں لاؤں گا اور پوری کوشش کرونگا

قال اجتهد رای ولاآلوا قال فضرب	آنحضورؐ نے یہ سن کر ان کے سینہ کو مارا اور
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے
صدرہٗ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول	قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس کو اللہ کا رسول
رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ	پسند کرتا ہے۔

(جامع بیان العلم ص۵۶ ج۲)

اس حدیث میں صاف "اجتھد رای" کا جملہ آیا ہے، یعنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم ناگواری کا اثر تو کیا ظاہر فرماتے خوش ہو کر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اس حدیث کو دیکھیں منکرین رائے وقیاس اور ارشاد فرمائیں کہ کیا اس صحیح حدیث کے باوجود بھی وہ یہ کہتے ہیں جرأت کرتے رہیں گے کہ قیاس حرام ہے اور دین میں رائے کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔

حافظ ابن عبد البرؒ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وھو الحجۃ فی اثبات القیاس	یعنی یہی حدیث ان فقہاء کا مستدل ہے
عند جمیع الفقھاء القائلین بہ	جو قیاس کے قائل ہیں۔

(ایضاً ص۶۵ ج۲)

بعض حضرات جن کو دعویٰ حدیث ہے اس حدیث پر کلام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے جس سے استدلال درست نہیں۔ میں عرض کروں گا کہ اولاً احناف کے یہاں مرسل سے احتجاج درست ہے۔ دوسرے یہ کہ جس حدیث کو امت سے تلقی عام حاصل ہو خواہ وہ مرسل ہی کیوں نہ ہو اس سے استدلال نہ کرنا یہ علمائے امت پر عدم اعتماد کی دلیل ہے۔ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں۔

ثم ھٰذا الحدیث تلقتہ الامۃ	اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اسلئے
بالقبول فلا یضرہ کونہ مرسلاہ	اس کا مرسل ہونا مضر نہیں ہے (روضہ ص۲۴۶)

قیاس واجتہاد ہی کے سلسلہ کی یہ حدیث بھی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے۔

اذاحکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران وان اخطأ فلہ اجر۔ (رواہ مسلم) (روضہ صفحہ ۲۴۶)

یعنی حاکم نے فیصلہ کیا۔ اور اجتہاد کیا تو اگر اس کا اجتہاد درست رہا تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور اگر اس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تو اسے ایک اجر ملے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے مسائل میں جہاں قرآن وحدیث سے واضح کوئی حکم نہیں ملتا وہاں امام وقت اپنے اجتہاد سے کام لے گا۔ اور اگر اس سے فیصلہ صادر کرنے میں غلطی بھی ہو جائے تو بھی اسے اجر ملے گا۔

حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ سے پوچھا کہ روزہ دار اپنی بیوی کا بوسہ لے لے تو کیا اس کا روزہ فاسد ہوگا؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ کوئی آدمی منہ میں پانی لے کر تھوک دے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ گا، انھوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اسی طرح یہ بھی نہیں۔

(جامع بیان العلم صفحہ ۹۶ ج ۲، روضۃ الناظر صفحہ ۲۴۶/۲۴۷)

مشہور صحابیہ حضرت خثعمیہ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے والد کی طرف سے حج کریں؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا تو تمہارے ادا کرنے سے تمہیں نفع ہوتا یا نہیں؟ انھوں نے عرض کیا نفع ہوتا آپ نے عرض کیا اسی طرح اللہ کا بھی حق ہے۔ (ایضاً)

ابن قدامہ لکھتے ہیں فھو تنبیہ علی قیاس دین اللہ علی دین الخلق یعنی یہ اللہ کے دین کو مخلوق کے دین پر قیاس کرنا ہے۔

آنحضورؐ کا ارشاد ہے۔

محرم الحلال کمستحل الحرام

یعنی حلال کو حرام ٹھہرانے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ حرام کو حلال سمجھنے والا۔

یہاں بھی آپ نے پہلے کو دوسرے پر قیاس کر کے اس پر وہی حکم لگایا جو دوسرے کا ہے۔
آنحضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے مجامعت کی اسے ثواب ملے گا۔
صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آدمی اپنی شہوت پوری کرتا ہے اور اسے ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ اگر وہ حرام جگہ میں اپنی شہوت پوری کرتا تو اسے عذاب ہوتا یا نہیں صحابہؓ نے عرض کیا ہوتا آپ نے فرمایا تو یہاں بھی اسے اجر ملے گا۔ (جامع ص۶۹ ج۲)
یہ چند حدیثیں اور واقعات ہیں جن سے خود آنحضورؐ سے قیاس کا ثبوت ہوتا ہے۔
اب آپ دیکھئے کہ اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کا کیا عمل رہا ہے۔

صحابہ سے قیاس کا ثبوت

ابن قیم فرماتے ہیں:

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھدون فی النوازل ویقیسون بعض الاحکام علی بعض ویعتبرون النظیر بنظیرہ۔

یعنی صحابہ پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد اور قیاس کیا کرتے تھے اور ایک نظیر سے دوسرے نظیر کا حکم معلوم کرتے تھے۔ (اعلام ص۲۲۴ ج۱)

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے احکام میں صحابہ نے اجتہاد کیا لیکن آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا مثلاً یوم احزاب کے موقع پر انھیں حکم فرمایا کہ وہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں جاکر پڑھیں تو بعض صحابہ نے اجتہاد سے کام لیا اور راستے ہی میں انھوں نے وقت پر نماز پڑھ لی بعض نے کہا کہ ہم کو بنی قریظہ میں پڑھنے کا حکم ہے انھوں نے وہاں پہونچکر نماز پڑھی پہلے گروہ نے کہا کہ آنحضورؐ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم اپنی نماز کو موخر کریں بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ ہم جلد سے جلد بنی قریظہ پہونچ جائیں (آنحضورؐ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ہر ایک کی تصویب کی)

ابن قیم فرماتے ہیں کہ پہلا گروہ اصحاب معانی اور قیاس کے اسلاف کا ہے اور دوسرا گروہ اصحاب ظاہر اور اصحاب لفظ کا۔ (ص۲۲۵ ج۱)
شعبی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب شریح کو کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ نے

ان سے فرمایا :

انظر ما تبین لك فی کتاب	دیکھو جو بات کتاب اللہ سے معلوم ہو جائے
الله فلا تسئل منه احدا و مالم	تو اس کے بارے میں کسی سے مت پوچھو
یتبین لك فی کتاب الله فاتبع	(اور اس پر عمل کرو) ورنہ سنت رسول اللہ
فیه سنة رسول الله صلے الله	کو دیکھو اور اس کی اتباع کرو اور اگر سنت
علیه وسلم و مالم یتبین لك فیه	میں بھی اس کا حکم نہ ملے تو اپنی رائے سے
السنة فاجتهد رایك ۔	اجتہاد کرو۔ (جامع بیان ص۵۶ ج۲)

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ پہلے وہ کتاب اللہ میں دیکھتے تھے۔ پھر سنتِ رسول اللہ میں غور کرتے تھے اگر ان دونوں میں مسئلہ کا حکم نہ ملتا تو حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے اجتہادات میں غور کرتے ورنہ پھر خود اجتہاد کرتے۔ (ایضاً ص۵۶ ج۲)

حضرت عمر رض سے ایک دفعہ ان کے عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا آنحضور نے ایسا کیا تھا تو آپ نے فرمایا نہیں اس کو میں نے اپنی رائے سے کیا ہے۔ (ایضاً)

ابن عبداللہ لکھتے ہیں :

ثبت عن ابن مسعود رض	یعنی ابن مسعود سے بہت سے مسائل
مسائل قال فیها برایه (ایضاً)	ثابت ہیں جن میں انھوں نے اپنی رائے سے فیصلہ کیا ہے۔

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بادیۂ عرب کے کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا تو ابوبکر رض کا ان کے خلاف قتال کے لئے صحابہ کی رائے کے خلاف آمادہ ہو جانا یہ ابوبکر رض کا فیصلہ ان کی رائے اور اجتہاد ہی سے تھا۔

کلالہ کے حکم کے بارے میں جب حضرت ابوبکر رض سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اقول فیها برائی فان یکن	یعنی میں اس بارے میں اپنی رائے سے
صوابا فمن الله وان یکن خطا	کہتا ہوں اگر درست ہے تو یہ اللہ کی

فمنی ومن الشیطان الخ — جانب سے ہے اور اگر میں نے غلط کیا تو میرا قصور ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہے

پھر آپ نے فرمایا۔

الکلالۃ ما عدا الوالد والولد — کلالہ والد اور لڑکے کے علاوہ کو کہتے ہیں۔

(روضۃ الناظر ص ۲۳۸ ج ۲)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا۔

اعرف الاشباہ والامثال — ایک جیسے مسائل اور احکام کی معرفت

وقس الامور برائک — حاصل کرو اور اپنی رائے سے قیاس کرو

(ایضاً ص ۲۳۹ ج ۲)

میں اس وقت انھیں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن عبد البرؒ کی کتاب جامع بیان العلم ابن قدامہؒ کی روضۃ الناظر اور ابن قیم کی اعلام کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔

ابن قدامہ اس طرح کی بہت سی مثالوں کو پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

فھذا وامثالہ مما لا یدخل — یعنی اس طرح کی مثالیں بیشمار ہیں اور

تحت الحصر مشہور وان لم تواتر — مشہور ہیں اگرچہ وہ تنہا تنہا متواتر نہیں ہیں

احادہ حصل بمجموعہ العلم — مگر ان کے مجموعہ سے یہ بات بداہۃً معلوم

الضروری انھم کانوا یقولون بالرای — ہوتی ہے کہ صحابہ رائے کے قائل تھے۔

(ایضاً)

میں نے اس سے پہلے کہیں ذکر کیا ہے کہ قیاس ورائے کا ہر زمانہ میں استعمال ہوتا رہا ہے اور سوائے ایک جماعت شاذہ کے اس کا کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔

ہر زمانہ میں قیاس ورائے کا استعمال ہوتا رہا ہے چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں :

وما من وقت الا وقد قيل فيه بالرای (ایضًا) — یعنی کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں رہا جب علمار نے قیاس اور رائے کا استعمال نہ کیا ہو۔

ابن قیم فرماتے ہیں :

المقصود ان الصحابة کانوا یستعملون القیاس فی الاحکام (اعلام ۲۵۴ / ۱ ج) — مقصود یہ ہے کہ صحابہ احکام میں قیاس کا استعمال کرتے تھے ۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں :

فالدلیل علیہ اجماع الصحابة رضی اللہ عنہم علی الحکم بالرای فی الوقائع الخالیة عن النص (روضہ ص ۲۳۶) — قیاس پر دلیل صحابہ کا اجماع ہے کہ وہ ان احکام میں جو نص سے خالی ہوا کرتے تھے ان میں وہ قیاس کیا کرتے تھے ۔

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ ابتداءً قیاس کے منکر تھے لیکن بعد میں انھوں نے اپنے انکار سے رجوع کیا چنانچہ لوگوں نے لکھا ہے ۔

آخر ما صح عن الامام احمد احسان القول فی القیاس والثناء علیہ ۔ (حاشیہ روضة الناظر ص ۲۳۴ ج ۲) — امام احمدؒ سے آخری صحیح بات یہ ہے کہ وہ قیاس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے ۔

حتیٰ کہ حضرت امام احمدؒ سے نقل کرنے والوں نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ آپ بعد میں فرمانے لگے تھے ۔

لا یستغنی احد من القیاس وبہ قال عامة الفقہاء والمتکلمین۔ — قیاس سے کوئی مستغنی نہیں ہے اور یہی عام فقہار اور متکلمین کا قول ہے۔

(روضہ ص ۲۳۴)

حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ :

اسی پر قدیماً و حدیثاً علمار کا عمل رہا ہے کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا وہ کتاب و سنت سے حکم نہ ملنے کی صورت میں قیاس کرتے تھے ۔ (جامع بیان العلم)

ابن تیمیہ باوجود اپنی شدت و غلظت کے انھیں بھی اعتراف ہے کہ :

فالقیاس الصحیح مثل ان تکون العلۃ التی علق بھا الحکم فی الاصل موجودۃ فی الفرع من غیر معارض فی الفرع یمنع حکمھا ومثل ھذا القیاس لاتاتی الشریعۃ بخلافہ قط

یعنی قیاس صحیح جیسے اصل کی علت کا فرع میں موجود ہونا بلاکسی معارض کے اس طرح کے قیاس کی شریعت مخالف نہیں ۔

{ والقیاس فی الشرع الاسلامی ص۹ }

امام شوکانی فرماتے ہیں :

قال ابن دقیق العید عندی ان المعتمد اشتھار العمل بالقیاس فی اقطار الارض شرقاً وغرباً، قرناً بعد قرنٍ عند جمھور الائمۃ الا عند شذوذ متاخرین ۔

(ارشاد الفحول ص۱۸۸)

ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قیاس کے ثبوت کی قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ سارے عالم میں شرقاً و غرباً اور ہر زمانہ میں جمہور امت کے نزدیک اس پر عمل رہا ہے اور سوائے متاخرین کی ایک جماعتِ شاذہ کے اس کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے ۔

فخر الدین رازی کا ارشاد ہے

ذھب الجمھور من الصحابۃ و التابعین والفقھاء والمتکلمین الی انہ اصل من اصول الشریعۃ (ایضاً ص۱۸۸)

یعنی جمہور صحابہ و تابعین فقہاء و متکلمین کا یہی مذہب ہے کہ قیاس شریعت کی ایک اصل ہے ۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے لے کر متاخرین تک بلا کسی انکار کے قیاس و رائے کا استعمال کرتے رہے ہیں ۔

محمد ابو بکر غازی پوری

مجلہ ۱۰ جمل مفتاحی

دوسری قسط

کتابُ الحجّۃِ علیٰ اھلِ المدینہ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شاہکار تصنیف

اگر کوئی مریض مرد یا مریضہ عورت حالت مرض میں نکاح کرے تو یہ نکاح جائز ہے کہ نہیں ؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں ، اور اہل مدینہ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اپنی عبارت میں یوں بیان کیا ہے ۔

قال ابوحنيفة رضى الله عنه فى المريض يتزوج او المرأة تتزوج ثم يموت المريض من مرضه ذلك او يصح ان النكاح جائز وهما يتوارثان

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ مریض مرد شادی کرے یا مریضہ عورت شادی کرے اور اب اس مرض میں مریض یا مریضہ کا انتقال ہو جائے یا وہ تندرست ہو جائیں ، دونوں ہی شکل میں یہ نکاح جائز ہے اور میاں بیوی کے درمیان وراثت جاری ہوگی ۔

اور اہل مدینہ کا مذہب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وقال اهل المدينة فى مريض يتزوج انه لا يجوز له نكاح فان

اور اہل مدینہ کا یہ قول ہے کہ جو مریض نکاح کرے گا اس کا نکاح جائز نہیں ہے ، اگر

فعل فعلم به قبل ان يدخل بها فرق بينهما ولم يكن لها عليه شئ . . . . ولا ميراث لها	اس نے نکاح کیا اور عورت کے ساتھ صحبت سے پہلے اس کا علم ہوگیا تو دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور مرد کے ذمہ عورت کو کچھ دینا نہیں ہے، اور نہ عورت مرد کی وارث ہوگی ،
وقالوا ايضا والمريضة في النكاح مثل الرجل المريض لايجوز لها نكاح فان فعلت فسخ نكاحها وفرق بينهما وبين من نكحت .	اہل مدینہ کا کہنا ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں مریضہ عورت کا بھی مسئلہ مرد ہی جیسا ہے، مریضہ عورت کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اگر مریضہ نے ایسا کیا تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کردی جائے گی (اور مرد عورت کا وارث نہیں ہوگا۔)

اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا تفصیل کے ساتھ مسلک ذکر کرنے کے بعد امام محمدؒ اپنا مناقشہ شروع کرنے سے پہلے اس خاص نقطہ کو ایک بار پھر واضح کرتے ہیں جو اصل مناقشہ کا موضوع ہوگا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں :

اہل مدینہ کا یہ خیال ہے کہ مریض مرد اور مریض عورت کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے ، اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے نکاح کیا تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کردی جائے گی ۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو اہل مدینہ کے اس مذہب پر بہت تعجب ہوتا ہے وہ ان سے سوال کرتے ہیں۔ سوال کا انداز تیکھا اور مناظرانہ انداز کا ہے ، وہ اہل مدینہ سے پوچھتے ہیں ۔

فكيف حرم نكاح المريض وبطل هل جاء في الكتاب او في السنة ان نكاح الصحيح جائز و نكاح	مریض کا نکاح کرنا کیسے حرام اور باطل ہوا ؟ کیا کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں یہ آیا ہے کہ تندرست کا نکاح تو جائز ہے

المایض فاسد۔ اور مریض کا باطل ہے ؟

یعنی یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں عقل و رائے کا دخل ہو، کسی چیز کے حرام ہونے یا حلال ہونے کی اصل بنیاد دو ہی ہیں یا کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ، اگر کتاب و سنت سے تمہارا یہ مسئلہ ثابت ہے تو ان سے اپنے دلائل پیش کرو۔

اس کے بعد امام محمد اہل مدینہ کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے موقف کی کمزوری کو واضح کرتے ہوئے نہایت ہی فصیحانہ و بلیغانہ عبارت اور مناظرانہ جوش و ولولہ سے فرماتے ہیں:

انما احل اللہ النکاح جملۃ فھو حلال الیٰ یوم القیامۃ للمریض والصحیح، فھل سمعتم فی ھذا اثرا عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم او احد من اصحابہ فلو کان ھذا الاحتججتم بہ ولسمعناہ من حدیثکم۔

اللہ نے تو نکاح کو مطلقاً حلال کیا ہے، خدا نے نکاح کو قیامت تک کیلئے مریض اور تندرست دونوں کے لئے حلال کیا ہے — تم نے جو مذہب اختیار کیا ہے کیا تم نے اس بارے میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنی ہے یا صحابہ کرام میں سے کسی سے ثابت منقول ہے اگر ایسا ہوتا تو تم اس سے استدلال کرتے اور ہم نے بھی تمہاری وہ حدیث سنی ہوتی۔

یعنی امام محمد فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے نکاح کو مطلقا حلال کیا ہے، مریض اور غیر مریض کی کوئی تفریق نہیں کی ہے تو تمہیں کہاں سے یہ حق ہو گیا ہے کہ تم خدا کے اس مطلق حکم کو مقید کرو اور نکاح کے صحیح ہونے کے لئے مریض اور غیر مریض کی تفریق کرو، کہ مریض کا نکاح تو جائز نہ ہو اور تندرست کا نکاح جائز ہو۔

اچھا اگر قرآن میں یہ بات موجود نہیں ہے تو کیا تم نے اس بارے میں جو مذہب اختیار کیا ہے اس کی کوئی دلیل سنت میں ہے ؟ اگر حدیث و سنت سے تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو بتلاؤ صحابہ کرام میں سے کسی سے تمہارے مذہب کے موافق کوئی اثر موجود ہے، اگر تمہارے پاس کوئی حدیث ہوتی یا صحابہ کرام سے کوئی اثر منقول ہوتا تو تم

استدلال کرتے لیکن تم نے اپنے مذہب پر نہ قرآن کی کوئی آیت پیش کی نہ اس بارے میں کوئی حدیث یا صحابہ کرام میں سے کسی کا کوئی اثر پیش کیا، ہم نے امام مالک سے سات سو حدیثیں روایت کی ہیں مگر امام مالک نے ہم سے اس طرح کی کوئی حدیث بیان نہیں کی۔

غرض امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس مختصر سی عبارت میں بتلا دیا کہ اہل مدینہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے اس کی تائید نہ قرآن سے ہوتی ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ اس کی تائید میں صحابہ کرام میں سے کسی کا کوئی قول منقول ہے، بلکہ ان کا یہ مذہب بظاہر قرآن کے حکم کے خلاف ہے اسلئے کہ قرآن نے مطلقاً نکاح کو حلال قرار دیا ہے، قرآن نے مریض اور غیر مریض کی کوئی تفریق نہیں کی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اہل مدینہ کے پاس ان کے مذہب کا مؤید کوئی اثر یا کوئی حدیث نہیں ہے تو کیا اہل کوفہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے اس کے موافق آثار موجود ہیں؟ تو اس کا جواب امام محمد یہ دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ قرآن کی روشنی میں اتنا واضح ہے کہ ہمیں کسی اثر یا حدیث کی قرآن کے فرمان کے بعد ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہمارے لئے قرآن کا حکم کافی ہے، تاہم قرآن کی تائید کے علاوہ ہمیں صحابہ کرام کے آثار کی تائید بھی حاصل ہے اور وہ آثار ہمارے یہاں بہت معروف و مشہور ہیں۔

اب اسی بات کو ناظرین کرام خود امام محمد کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام محمد فرماتے ہیں:

ولکن الآثار فی ذلک عندنا مشھورۃ، وان ھذا من الامور التی لا تحتاج منھا الی الآثار، لکن لا ندع ان نحتج بھا علیکم۔

ہمارے نزدیک تو اس بارے میں بہت سے آثار ہیں جو معروف و مشہور ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں آثار و احادیث کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے (اسلئے کہ اس کی صحت پر خود قرآن ناطق ہے) لیکن ہم آثار سے بھی تمہارے خلاف حجت لائیں گے۔

اس کے بعد امام محمد نے متعدد آثار سے یہ واضح کیا ہے کہ اسی مسئلہ میں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو مذہب ہے یہی مذہب صحابۂ کرام و تابعین کا بھی تھا۔ انھوں نے اس ضمن میں پہلا اثر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، امام محمد فرماتے ہیں۔

بلغنا عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ انہ قال فی مرضہ الذی مات فیہ زوجونی فانی اکرہ ان القی اللہ تعالیٰ عزبا۔

یعنی ہمیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی یہ بات پہونچی ہے کہ انھوں نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میری شادی کرادو اسلئے کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں غیر شادی شدہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔

حضرت امام محمد نے اس اثر کو بلا سلسلہ سند ذکر کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ حضرت معاذ کا یہ واقعہ بہت معروف و مشہور ہے، موافق و مخالف سب اس سے واقف ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول تھا ھو امام العلماء یوم القیٰمۃ، یعنی حضرت معاذ قیامت کے دن علماء کے امام ہوں گے، اور ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے لولا معاذ لھلک عمر یعنی اگر حضرت معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا، یہی حضرت معاذ ہیں جن کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم یمن والوں کے لئے معلم اور قاضی بنا کر کے بھیجا تھا، غرض حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی جلیل القدر شخصیت کے پیش نظر حضرت معاذ کا یہ اثر بڑی اہمیت کا حامل ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب کی بہت قوی دلیل ہے۔

اس کے بعد دوسرا اثر امام محمدؒ نے اپنی سند سے حضرت امام شعبی کا نقل کیا ہے۔

ابواسحٰق شیبانی فرماتے ہیں۔

سئل عامر الشعبی عن رجل اعتق جاریتہ فی مرضہ وتزوجھا؟ فاجاز عامر عتقھا ونکاحھا وجعل

حضرت امام عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی باندی کو حالتِ مرض میں آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا

لها الصداق والميراث و جعل عليها العدة ۔

تو اس کا کیا حکم ہے ؟ تو امام شعبی نے فرمایا اس کا آزاد کرنا بھی جائز ہے اور اس سے نکاح کرنا بھی جائز ہے مرد کو اس کا مہر بھی ادا کرنا ہوگا اور وہ بیوی مرد کی میراث میں اپنا حصہ بھی پائیگی اور (اگر مرد مرگیا تو) عورت پر عدت بھی ہے ۔

تیسرا اثر حضرت امام محمد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیش کیا ہے ، حضرت نافع فرماتے ہیں کہ :

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اذا انکح الرجل امرأة وهو مريض فان صداقها من الثلث ۔

حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی نے مریض ہونے کی حالت میں کسی عورت سے نکاح کیا (اور وہ مرگیا) تو عورت کا مہر اس کے ثلث میراث سے ہوگا ۔

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر مریض آدمی کا یہ نکاح جائز نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ عورت کے لئے مرد کی میراث میں سے حصہ مقرر نہ فرماتے ، امام محمد کے الفاظ یہ ہیں :

فلم يبطل عمر رضی اللہ عنه النكاح ونرعم اهل المدينة انه باطل ۔

یعنی حضرت عمر نے تو اس نکاح کو باطل نہیں قرار دیا جب کہ اہل مدینہ کا زعم یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہے ۔

چوتھا اثر امام محمد نے اپنی سند سے حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کا پیش کیا ہے وہ یہ ہے ۔

عن هشام بن عروة عن ابيه قال دخل زبير على قدامة بن مظعون رضی اللہ عنه يعوده قال فبشر الزبير بجارية وهو عنده

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے ، حضرت زبیر ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کو خبر ملی

فقال قدامة زوجنيها فقال له الزبير وما تصنع بجارية صغيرة وانت على هذه الحالة ؟ فقال ان عشت فبنت الزبير وان مت فاحب من ورثني قال: فزوجها اياه۔	کہ ان کو بچی پیدا ہوئی ہے، حضرت ابن مظعون نے یہ سن کر حضرت زبیر سے فرمایا اس بچی کا میرے ساتھ نکاح کر دیجئے، تو حضرت زبیر نے ان سے فرمایا کہ تم چھوٹی سی بچی سے شادی کر کے کیا کرو گے اور تمہارا حال (بیماری کا) یہ ہے، تو حضرت قدامہ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو مجھے یہ فخر ہوگا کہ میری بیوی زبیر کی بیٹی ہے، اور اگر میں مرگیا تو میں چاہتا ہوں کہ میرے بعد میرا کوئی وارث ہو حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت قدامہ کی یہ بات سن کر حضرت زبیر نے اپنی بچی کی شادی ان سے کر دی۔

اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نہایت لطیف انداز میں اہل مدینہ پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

فالزبير زوج قدامة بن مظعون فی مرضه واهل المدينة يقولون لايجوز نكاح المريض۔	دیکھو حضرت زبیر نے تو قدامہ بن مظعون سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی حالانکہ ابن قدامہ بیمار تھے، اور اہل مدینہ کہتے ہیں کہ مریض کا نکاح جائز نہیں ہے۔

اس پر مزاح گفتگو پر یہ دلچسپ مناقشہ ختم ہو گیا۔

(۲) اگر کوئی باندی کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہے پھر اس کو آزاد کر دیا گیا تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر باندی کو اس کی اطلاع مل گئی تو اس کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ رہے یا اس کے نکاح سے نکل جائے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں خیار عتق کہا جاتا ہے، مگر باندی کو یہ اختیار اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب کہ وہ اطلاع ملنے کے فوراً

بعد فیصلہ کرے۔ اگر باندی کو اطلاع مل چکی ہے اور باندی کو یہ مسئلہ معلوم ہے کہ اسے اختیار کا حق از روئے شرع حاصل ہے لیکن اس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور پہلے شوہر کے ساتھ اس کی صحبت بھی ہوگئی تو اب اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا، یہ تو ہے مسئلہ جس میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اتفاق ہے، اب اس مسئلہ میں ایک شکل یہ پیدا ہوتی ہے کہ باندی کو آزاد کر دیا گیا ہے اور آزادی کے بعد شوہر نے باندی سے صحبت کی، اب باندی یہ کہتی ہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ مجھے شریعت کی طرف سے خیارِ عتق یعنی اپنے موجودہ شوہر سے علیحدگی کا اختیار حاصل تھا، شوہر کے ساتھ صحبت نادانستگی میں ہوگئی ہے تو کیا باندی کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا اور اسے اب بھی خیارِ عتق حاصل ہوگا؟ یا باندی کو جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کا اختیار باطل قرار پائے گا؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ باندی کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کا اختیار باطل نہیں ہوگا اگرچہ اس کا یہ کہنا شوہر سے صحبت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

اہل مدینہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر سے صحبت کے بعد باندی یہ دعویٰ کرتی ہے تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے اب اس کا خیارِ عتق ختم ہوگیا، باندی کو جھوٹا قرار دیا جائے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں اہل مدینہ کے ساتھ اپنے مناقشہ کا آغاز خالص عقل کی روشنی میں اور عام لوگوں کی عمومی علمی حالات کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ امام محمدؒ اپنی گفتگو کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں:

کیف تتھم علیٰ ھذا وھی لا تعلم بہا؟	باندی کو جھوٹ کے ساتھ کیوں متہم قرار دیا جائیگا جب کہ اس کو اس اختیار کا علم نہیں تھا۔

پھر بہت دلچسپ انداز میں اہل مدینہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ینبغی فی قولکم ان یکون الاماء المعتقات عالمات بالفقہ کعلم الفقہاء، وما تدری الامۃ ان لہا	یعنی آپ لوگوں کے قول کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام وہ باندیاں جو آزاد کی جائیں وہ فقہ کا ایسا ہی علم رکھنے والی ہوں، جیسا کہ

الخيار اذا اعتقت، لو اعترض اهل المجلس ذو الاحساب وغيرهم من ذوی الاموال ممن لم ینظر فی الفقه ما دروا ان الامة لها الخیار اذا اعتقت ام الاخیار لها فکیف تعلم ذلک الاماء والنساء فی بیوتهن۔

فقہاء کو فقہ کا علم حاصل ہوتا ہے، اگر حساب و کتاب والے اور اموال و تجارت والوں سے جن کی فقہ پر نظر نہیں ہوتی ہے اس قسم کا سوال ہو تو ان کو بھی پتہ نہیں ہوگا کہ اگر باندی آزاد کردی جائے تو اسے شوہر سے جدائی حاصل کرنے کا اختیار رہتا ہے یا اختیار نہیں رہتا ہے (تو جب بازار اور گھر سے باہر رہنے والوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا) تو ان عورتوں اور باندیوں کو اس مسئلہ کا علم کیسے حاصل رہے گا جب کہ ان کا رہنا سہنا عام طور پر گھروں میں ہوتا ہے؟

اس کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں:

وکل امر کان فی هذا فالامة عندنا لا تعلمه فی الحکم حتی تعلم انها قد علمته واذا علمت ذلک ثم یمسها بعد فلا خیار لها۔

اس طرح کا جو بھی مسئلہ ہو تو ہمارے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ باندی کو ناواقف قرار دیا جائے گا، الا یہ کہ باندی خود خبر دے کہ وہ مسئلہ سے واقف ہے، اگر باندی جانتی ہوگی کہ شوہر سے مباشرت کے بعد اس کا اختیار باقی نہیں رہتا اس صورت میں اگر شوہر نے اس سے مباشرت کی ہے تو باندی کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

یہ پوری کتاب اسی طرح کے علمی مباحث اور مناقشوں پر مشتمل ہے کتاب پڑھتے تو معلوم ہوتا ہے کہ علم کا سمندر موج مار رہا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بحث و کلام کے امام نظر آتے ہیں، اللہ کے رسول کی احادیث اور صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال و آثار گویا ان کی نوک زبان ہیں، جو گفتگو کرتے ہیں پورے اعتماد اور انشراح صدر کے ساتھ کرتے ہیں، سنجیدہ گفتگو کے ساتھ کہیں طنز

وتعریض کا بھی اسلوب اختیار کرتے ہیں ۔

افسوس یہ کتاب ہمارے سامنے ناقص شکل میں ہے ، بہت سے فقہی ابواب اس میں نہیں ہیں ، تاہم جو کچھ بھی سامنے آگیا ہے وہ علم کا بیش بہا خزانہ ہے اور اہل علم کیلئے بڑا قیمتی علمی تحفہ ہے ۔

یہ کتاب جیسا کہ شروع میں معلوم ہوا حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق وتعلیق سے شائع ہوئی ہے ، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑی محنت کی ہے اور ان کی تحقیق وتعلیق بڑی محققانہ اور محدثانہ ہے ، اس تحقیق وتعلیق سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ وحدیث میں گہری بصیرت ودقت نظر کا پتہ چلتا ہے ۔

کہیں کہیں حضرت مفتی صاحب کی تعلیق بہت طویل ہوگئی ہے ، جو نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہے ، اس تعلیق کی ایک خاص بات یہ ہے کہ بہت سی جگہ حضرت مفتی صاحب نے ابن حزم اور ابن ابی شیبہ کے مذہب حنفی پر جو اعتراضات ہیں ان کا بھرپور جواب دیا ہے ، اور ان مواقع پر حضرت مفتی صاحب کا قلم بڑا رواں دواں چلا ہے ۔

صـ۳۲ کا بقیہ ۔

جاودانی کے سفر پر روانہ ہوگیا ۔ ہمایوں نے اکیاون[۵۱] برس عمر پائی اور پچیس[۲۵] سال سے زائد عرصہ فرائض حکمرانی انجام دیئے ۔

ہمایوں کی وفات کے بعد جلال الدین اکبر نے باپ کی جگہ سنبھالی ۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

رفع یدین کے بارے میں خط اور اس کا جواب

مکرمی مولانا محمد ابوبکر صاحب اڈیٹر مجلہ زمزم

تحیۃ وسلاماً۔

میں برائے بحث نہیں بلکہ از راہ تحقیق آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ رفع یدین کے بارے میں جمہور صحابہ وتابعین کا عمل کیا تھا، وہ رفع یدین کے قائل تھے یا حنفیوں کی طرح عدم رفع یدین کے قائل تھے، براہ کرم آپ جو جواب دیں تحفۃ الاحوذی میں اس مسئلہ پر جو لکھا گیا ہے اس کو سامنے ضرور رکھیں۔ والسلام

زبیر احمد السلفی بستی

زمزم!

اگر آپ نے زمزم کا شمارہ نمبر ۷ جلد ۲ دیکھا ہوتا تو آپ کو یہ سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس مسئلہ پر میں نے اس شمارہ میں کافی روشنی ڈالی ہے۔

آپ پوچھتے ہیں کہ رفع یدین کے سلسلہ میں جمہور صحابہ وتابعین کا عمل کیا تھا، میرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ میں جمہور صحابہ وتابعین کا عمل احناف کے مذہب کے موافق تھا، یعنی صحابہ کرام وتابعین عظام کی اکثریت خصوصاً ان میں جو فقہاء تھے عدم رفع یدین کی قائل تھی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ رفع یدین والی حدیث ذکر کرکے فرماتے ہیں:

وبهذا يقول بعض اهل العلم   یعنی رفع یدین کے قائل اہل علم صحابہ

من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ ہی تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدث کا یہ اعتراف ہے کہ رفع یدین کے قائل صحابہ کرام میں سے کچھ ہی تھے، اگر اہل علم سے مراد فقہاء لئے جائیں تو امام ترمذی کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام میں سے جو فقہاء تھے ان میں سے کچھ ہی رفع یدین کے قائل تھے، اگر غیر مقلدین کی تشریح کے مطابق اہل علم سے مراد محدثین لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام میں سے جو اصحاب حدیث تھے ان میں سے کچھ ہی رفع یدین کے قائل تھے اور اگر اہل علم سے مراد اصحاب فقہ اور اصحاب حدیث دونوں مراد ہوں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ صحابہ کرام میں سے جو اصحاب فقہ و حدیث تھے ان میں سے کچھ ہی کا مذہب رفع یدین کا تھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو صاحب تحفۃ الاحوذی بالکل نظر انداز کر گئے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جزء رفع یدین رسالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ تمام صحابہ کرام کا مذہب رفع یدین کا تھا، مگر آپ خود سوچیں کہ اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کہ تمام صحابہ کرام رفع یدین کے قائل تھے ذرہ برابر بھی باوقعت اور باوزن ہوتی تو امام ترمذی جو ان کے شاگرد خاص ہیں ان کی بات کے برخلاف اپنا فیصلہ یہ نہ سناتے کہ رفع یدین کے قائلین اصحاب علم میں سے کچھ صحابہ کرام تھے(۱) مولانا مبارکپوری نہایت متعصب اور غیر آئین غیر مقلد عالم تھے، وہ تحقیق سے زیادہ تحقیق کا منہ چڑاتے ہیں، ہم ان کی کتابیں پڑھ کر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں، آپ برا نہ مانیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع یدین والی حدیث ذکر کی ہے، اور اس کو حسن کہا ہے، اور پھر فرماتے ہیں۔

---

(۱) حضرت امام بخاری کا رفع یدین کے بارے میں مسلک کچھ اور تھا غیر مقلدین زبردستی ان کو اپنا ہم نوا سمجھتے ہیں اس کی تفصیل شمارہ نمبر۱ اور جلد نمبر۳ میں دیکھئے۔

وبہ یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وهو قول سفیان واهل الکوفۃ۔	یعنی عدم رفع یدین اہل علم صحابہ کرام اور تابعین عظام کی بڑی تعداد کا مذہب تھا اور یہی امام سفیان ثوری اور تمام کوفہ والوں کا مذہب ہے۔

آپ صرف اس پر غور کریں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے رفع یدین والی حدیث کے بعد جو صحابہ و تابعین کا مذہب بتلایا ہے تو وہاں بعض اہل العلم من الصحابہ کی عبارت لائے ہیں، اور عدم رفع یدین کی حسن حدیث ذکر کرنے کے بعد وبہ یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی والتابعین کی عبارت لائے ہیں اور اہل علم حضرات خوب جانتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری عبارت سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عدم رفع یدین صحابہ و تابعین میں سے اکثر کا مذہب تھا۔

"بعض اهل العلم" اور "غیر واحد من اهل العلم" کے بارے میں آپ خود اپنے علماء سے تحقیق کرلیں کہ پہلے عبارت کے مقابلہ میں اس دوسری عبارت میں کثرت کا معنی زیادہ ہے کہ نہیں، اور پہلے کے مقابلہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری عبارت زیادہ پرزور ہے یا نہیں، اگر آپ کے علماء میں عربیت کا ذوق ہوگا اور انصاف و دیانت سے کام لینا ان کا مذہب ہوگا تو وہ میری بات کی ضرور تصدیق کریں گے، اور پھر آپ کو یہ تسلیم کرلینا ہوگا کہ امام ترمذی نے (بزعم غیر مقلدین) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا نوٹس لئے بغیر یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ عدم رفع یدین اکثر صحابہ و تابعین کا مذہب تھا، اور رفع یدین کچھ صحابہ و تابعین کا مذہب تھا۔

آپ کے مبارکپوری صاحب کے تعصب کا عالم تو یہ ہے کہ جس امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب کی شرح لکھ رہے ہیں، امام ترمذی نے جب حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث جس میں عدم رفع یدین کا ذکر ہے اس کو حسن کہا تو برافروختہ ہو کر اسی امام ترمذی کے خلاف یہاں تک کہدیا کہ اگر ترمذی کسی حدیث کو حسن کہیں تو اس پر اعتماد نہیں ہے، فرماتے ہیں:

ان حديث ابن مسعود ليس بصحيح ولا بحسن بل هو ضعيف لايقوم بمثله حجة، واما تحسين الترمذی فلا اعتماد عليه، لما فيه من التساهل۔

یعنی (امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعود کی جس حدیث کو حسن کہا ہے) نہ وہ صحیح ہے اور نہ حسن ہے، بلکہ وہ ضعیف ہے، اس طرح کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی، رہا ترمذی کا اس حدیث کو حسن کہنا تو ترمذی کے حسن کہنے پر اعتماد نہیں ہے، اسلئے کہ ان میں تساہل تھا۔

اللہ اللہ یہ ہے مبارکپوری صاحب کا طنطنہ اور زمزمہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب کی حقیقت کیا ہے، اور ہمت اور حوصلہ یہ ہے کہ وہ امام ترمذی پر حملہ کر رہے ہیں اور ان کے خلاف فیصلہ سنا رہے ہیں اور صحیح حدیث رسول کو رد کر رہے ہیں اور جو مذہب بقول امام ترمذی صحابہ کرام میں سے اہل علم صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا تھا جس کو تابعین کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا اس کے خلاف شہ زوری دکھلا رہے ہیں اور قلم چلا رہے ہیں۔

اگر اللہ نے آپ کو عقل سلیم عنایت فرمائی ہے تو آپ غور فرمائیں کہ ایک ایسا مسئلہ جو صرف راجح اور مرجوح کا ہے، جس کے بارے میں خود آپ کی جماعت کے اکابر کو یہ تسلیم ہے کہ رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں سنت ہیں، احادیث دونوں طرح کی ہیں اس مسئلہ میں محض اس بنا پر کہ ایک محدث نے آپ کی رائے کے خلاف فیصلہ دیا ہے، اس جلیل القدر محدث کے خلاف یہ بکواس کہ ہم امام ترمذی کی بات نہیں مانیں گے، ان کی تحسین پر اعتماد نہیں کریں گے وہ حدیث کے بارے میں سہولت پسندی سے کام لیتے تھے، کیا یہ مناسب فیصلہ ہے۔

اگر امام ترمذی کی تحسین پر آپ کا اعتماد نہیں ہے تو پھر ترمذی شریف کی تمام حسن روایتوں کا آپ کو انکار کر دینا چاہئے، اور پھر سوال یہ ہے کہ جب ان کی تحسین پر اعتماد نہیں ہے تو تصحیح پر کیا اعتماد ہوگا، بلکہ ان کے کسی حدیث کے بارے میں ضعیف اور غریب کہنے پر کیا اعتماد ہوگا، اور ترمذی شریف میں ساری روایتیں اسی قسم کی ہیں، صحیح، حسن، ضعیف، غریب، گویا ترمذی شریف کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں رہی، جب امام ترمذی ایک جگہ ناقابل اعتماد

قرار دے دیے گئے تو ان کا اعتبار کہیں اور کیوں کر ہوگا ، اور پھر ان کی کتاب ترمذی کی قیمت کیا باقی رہ جائے گی، اور پھر ایسے معاذ اللہ بے اعتبار محدث کی بے اعتبار کتاب کی شرح مولانا مبارکپوری کو کیوں لکھنے کی ضرورت پیش آئی ؟

آپ حضرات کی اسی قسم کی باتوں سے انکار حدیث کا دروازہ کھلتا ہے اور منکرین حدیث کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ معاذ اللہ احادیث کی کتابوں کا اعتبار نہیں، محدثین کی تحقیقات ناقابل وثوق ہیں۔

آئیے دیکھئے کہ اس مسئلہ رفع یدین کو آڑ بنا کر مولانا مبارکپوری نے کتنی حدیثوں کو رد کر دیا ہے ، جو کچھ میں نقل کر رہا ہوں مولانا مبارکپوری کی کتاب تحفہ ہی سے نقل کر رہا ہوں۔

(۱) امام طحاوی اور محدث ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود ۔	حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق کو دیکھا کہ شروع تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں ۔

مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں ، یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ محفوظ نہیں ہے ۔

(۲) امام طحاوی ، محدث ابن ابی شیبہ اور محدث بیہقی نے حضرت علی کا یہ اثر نقل کیا ہے ۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ من الصلوۃ ثم لا یرفع ۔	یعنی عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شروع تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے ، پھر نہیں ۔

اس کے بارے میں مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علی کا یہ اثر صحیح نہیں ہے ۔ عاصم بن کلیب ثقہ محدث ہیں مگر امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ مرجئی تھے ، اس طرح اس ثقہ محدث کو ضعیف قرار دیا حالانکہ مبارکپوری صاحب کو خود اعتراف ہے کہ ان کو یحیی بن معین جیسے محدث نے ثقہ کہا ہے ، اور ایک جگہ حافظ ابن حجر نے ایک راوی کے بارے میں کہا کہ وہ مرجئی تھا تو مبارکپوری صاحب

فرماتے ہیں کہ رُمی بالارجاء لیس بعلة قادحة۔ یعنی ارجاء سے متہم ہونا کوئی علۃ قادحہ نہیں ہے (ص ۲۳۵ ابکار)

یہاں چونکہ اس راوی کو قبول کرنا تھا اس وجہ سے ارجاء یعنی مرجئی ہونا علۃ قادحہ نہیں رہا۔

(۳) حضرت امام طحاوی، محدث ابن ابی شیبہ اور محدث بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمر کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يرفع يديه الا فی تکبیرة الاولی، من الصلوٰة	حضرت مجاہد تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے صرف نماز کی تکبیر اولی میں رفع یدین کیا۔

آپ کے مبارکپوری صاحب اس کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن عمر کا یہ اثر ضعیف ہے اس اثر کی سند ابوبکر عن حصین سے شروع ہوتی ہے، یہاں مبارکپوری صاحب امام وکیع کا مقام بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان امام هذا الشان یحیٰ بن معین قال حدیث ابی بکر عن حصین توهم منه لا اصل له۔ یعنی فن حدیث کے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ وہم ہے اس کی کوئی اصل نہیں، اور انھیں یحییٰ بن معین کے اوپر والی سند کو صحیح کہا تھا اور عاصم بن کلیب کی توثیق کی تھی اور ان کو ثقہ کہا تھا تو وہاں اس امام ہذا الشان کا کلام مبارکپوری صاحب نے رد کر دیا، تسلیم نہیں کیا، اس تعصب کا کوئی ٹھکانا ہے، اور یہ ایماندارانہ طرز گفتگو ہے۔

(۴) مسلم شریف کی روایت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اس میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے، اس کے بارے میں مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں رفع یدین کے منع پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

ان روایات کا تو مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی میں انکار کیا ہے، اور ابکار المنن جو ان کی کتاب ہے اس میں مندرجہ ذیل روایتوں کا مختلف بہانوں اور حیلوں سے انکار کیا ہے۔

(۵) امام طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

کان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لا یرفع یدیہ فی شیء من الصلوٰۃ الا فی افتتاح۔	یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں رفع یدین صرف نماز کی ابتداء میں کرتے تھے۔

اس کے بارے میں مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا راوی حصین بن عبد الرحمٰن کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، اس لئے یہ حدیث قابل رد ہے یعنی اگر کسی کا آخر عمر میں حافظہ خراب ہو جائے تو اس کی کوئی حدیث قبول نہیں۔ کیا بڑھاپے میں قوی جسمانیہ وذہنیہ جوانی کے زمانہ جیسے ہی رہتے ہیں؟ کم ہی ایسے اللہ کے بندے ہوں گے جن کا حافظہ بڑھاپے میں بھی ایسا ہی رہتا ہو جیسا کہ جوانی میں رہتا ہے، مگر مبارکپوری صاحب کا فیصلہ یہی ہے کہ انھیں محدثین کی روایت قبول کی جائے گی جن کا حافظہ بڑھاپے میں بھی جوانی کے زمانہ جیسا ہو۔

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند سے یہ روایت ہے۔

کان اصحاب عبد اللہ واصحاب علی رضی اللہ عنہما لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ۔	یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگرد صرف شروع نماز ہی میں رفع یدین کرتے تھے۔

اور ظاہر بات ہے کہ یہ شاگرد اپنے اساتذہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا عمل دیکھ کر ہی اور ان سے سیکھ کر کے ہی صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے۔ اور جگہوں پر رفع یدین نہیں کرتے تھے، یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے، جس کا کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا مگر مولانا مبارکپوری کا تعصب یہ ہے کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "لیس مما یلتفت الیہ" یعنی یہ لائق توجہ بات نہیں ہے۔

مولانا مبارکپوری نے ان احادیث و آثار کا انکار تو کیا ہی ہے مندرجہ ذیل روایتوں کا بھی انکار کیا ہے۔

(۷) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

عن الحسن وابن سیرین انہما کانا یرفعان ایدیہما بین السجدتین۔

یعنی حضرت حسن بصری اور امام سیرین سے منقول ہے کہ یہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کرتے تھے۔

چونکہ آپ حضرات غیر مقلدین کا مذہب دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنے کا نہیں ہے اس وجہ سے مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے۔

(۸) نسائی شریف میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے۔

انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ فی صلوٰتہ اذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع واذا سجد واذا رفع راسہ من السجود حتی یحاذی بہما فروع اذنیہ۔

یعنی حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں رکوع میں جاتے وقت بھی کانوں کی لو تک رفع یدین کرتے تھے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی اور سجدہ میں جاتے وقت بھی اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی۔

اس حدیث کا ایک ایک راوی صحیح ہے مگر چونکہ یہ صحیح حدیث مولانا مبارکپوری کے مذہب کے خلاف ہے اس وجہ سے اس صحیح حدیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس کی سند میں قتادہ محدث ہیں اور وہ مدلس ہیں۔

اور قتادہ وہ راوی اور محدث ہیں جن کی روایتوں سے مسلم اور بخاری کی کتابیں بھری ہیں مسلم و بخاری جن کا اعتبار کریں وہ محدث مبارکپوری صاحب کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے، منکرین حدیث آپ حضرات کی انھیں باتوں سے فائدہ اٹھا کر حدیث کا بالکلیہ انکار کر دیتے ہیں۔

(۹) صحیح سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ فی الرکوع والسجود۔

یعنی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔

مبارکپوری صاحب نے اس حدیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ کیف یکون اسنادہ صحیحاً وفیہ حمید الطویل وھو مدلس ۔ یعنی اس کی سند کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ اس کا راوی حمید الطویل مدلس ہے ۔

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو طبرانی نے روایت کیا ہے ۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ عند التکبیر للرکوع وعند التکبیر حین یھوی ساجدا ۔	یعنی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رکوع کے وقت تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور سجدہ کی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے ۔

محدث ہیثمی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، مگر مبارکپوری صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں ہیثمی پر اعتماد نہیں ہے، فرماتے ہیں ولا یطمئن القلب علی تصحیح الھیثمی، یعنی محدث ہیثمی نے جو اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے تو ان کی تصحیح پر قلب کو اطمینان نہیں ہوتا ہے اللہ اکبر آپ کا زعم یہ ہے کہ آپ کو جو کہہ دیں ہم اس کو بلا چوں چرا تسلیم کر لیں خواہ اس سے انکار حدیث کا دروازہ ہی کھل جائے اور محدثین کی ساری کاوشیں رائیگاں چلی جائیں، حدیث کا ذخیرہ غیر معتبر ٹھہرے، مگر آپ کو محدث ہیثمی پر اعتماد نہیں ہے، گویا مجمع الزوائد جو حدیث کا زبردست ذخیرہ ہے اس کی کوئی حدیث اس وقت تک صحیح نہیں جب تک مبارکپوری صاحب سے اس کے صحیح ہونے کا سارٹیفکٹ نہ مل جائے ۔ حالانکہ محدث ہیثمی کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب کی جو حیثیت ہے اس سے مبارکپوری صاحب بھی خوب واقف ہیں ۔

(۱۱) سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے ۔

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ حذو منکبیہ حین یفتتح الصلوٰۃ وحین یرکع وحین یسجد ۔	حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع کے وقت اور رکوع کرتے وقت اور سجدہ کرتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ۔

یہ روایت بالکل صحیح سند سے مروی ہے، مگر امام طحاوی کا دامن پکڑتے ہوئے پہلے تو اس کو ناقابلِ حجت قرار دیا لیکن چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی اسلئے اس کی تاویل یہ کی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سجدہ میں جارہے ہوتے تب رفع یدین کرتے۔

(۱۲) حضرت وائل بن حجر کی مشہور صحیح روایت دارقطنی کی ہے، حضرت وائل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

انہ رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حین یفتتح الصلوٰۃ واذا رکع واذا سجد۔	انھوں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز کے شروع کرتے وقت اور نماز میں رکوع میں جاتے وقت اور سجدہ کرتے وقت رفع یدین کر رہے تھے۔

اس صحیح حدیث کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں حصین بن عبدالرحمٰن نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے، اور اس کا حافظہ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا۔

(۱۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ جزء رفع یدین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ صحیح حدیث ذکر کی ہے۔

عن یحیٰی بن ابی اسحاق قال رأیت انس بن مالک یرفع یدیہ بین السجدتین۔	یعنی یحیٰی بن ابی اسحٰق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے تو اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور اس کی سند کو بلا چوں چرا صحیح تسلیم کر لیا مگر مبارکپوری صاحب کا جذبہ انکار حدیث یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں حماد بن سلمہ ہے اور اس کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا، اس لئے اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے، اگر حماد بن سلمہ جیسا راوی بھی ضعیف قرار دے دیا جائے تو پھر کسی حدیث پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور صحاح ستہ کی احادیث ناقابلِ اعتبار قرار پائیں گی۔

مہربان من، آپ فرمائیں کہ رفع یدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ اتنا ہی اہم ہے کہ اس کو بنیاد بنا کر بڑے بڑے محدثین عظام کی دھجیاں بکھیر کر رکھدی جائیں، اور احادیث صحیحہ کا انکار پر انکار کرتے چلا جایا جائے، آپ فرمائیں کہ کیا یہ عوام کو احادیث رسول و آثار صحابہ سے برگشتہ کرنے کی سعی ناپاک نہیں ہے، یہ سنت رسول کی طرف دعوت دینا ہے یا اس سے برگشتہ کرنا ہے۔

آپ نے اپنے خط میں بلا وجہ مبارکپوری صاحب کا نام لیا ہے، ورنہ آپ کا جواب تو چند سطروں کا تھا، مبارکپوری صاحب تو وہ غیر مقلد عالم ہیں کہ انھوں نے احادیث رسول سے عوام کو بدظن کرنے کی زبردست سازش رچی ہے، انھوں نے محدثین کی قدر و قیمت گھٹانے اور ان کو غیر معتبر بنانے کے لئے اپنی روشنائی و قلم کا غیر مناسب استعمال کیا ہے اپنی ساری صلاحیتوں کو اس پر خرچ کیا ہے کہ اللہ کے رسول کی احادیث مشکوک ہو جائیں عوام کا اعتماد ان پر سے ختم ہو جائے، محدثین مجروح قرار پائیں اور ان کی کسی بات پر کوئی بھروسہ نہ کرے۔ یہ کون سی دین کی خدمت ہے، بخاری و مسلم کے راویوں پر بھی دوسروں کی نقالی میں مبارکپوری صاحب زبردست نقد کرتے ہیں۔

مبارکپوری صاحب کا حال تو یہ ہے کہ وہ امام شعبہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثقة، حافظ متقن کان الثوری یقول هو امیر المومنین فی الحدیث، وهو اول من فتش بالعراق عن الرجال وذب عن السنة وکان عابدا، وقال احمد بن حنبل کان شعبة امة واحدا فی هذا الشان یعنی فی الرجال وبصره بالحدیث وقال الشافعی لولا شعبة لما عرف الحدیث بالعراق۔ (تحفہ ج۱ ص۱۴)

یعنی شعبہ ثقہ حافظ اور پختہ کار محدث ہیں، سفیان ثوری فرماتے تھے کہ وہ حدیث کے علم فن امیر المومنین (سارے مسلمانوں کے امیر) ہیں، امام شعبہ ہی نے عراق میں پہلے پہل رجال حدیث یعنی سندوں کی چھانٹ پھٹک کی، انھوں نے سنت کا دفاع کیا اور اس کی حفاظت ہر طرح کی، یہ بہت عبادت گذار بھی تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ فن حدیث میں امام شعبہ

تنہا ایک امت ہیں یعنی رجال حدیث اور حدیث کی ان کو خوب معرفت و بصیرت حاصل ہے ،
امام شافعی فرماتے تھے کہ اگر عراق میں شعبہ جیسا محدث نہ ہوتا تو عراق میں حدیث کا فن غیر معروف
رہتا ۔

مولانا مبارکپوری کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محدثین میں امام شعبہ کا کتنا عظیم و
رفیع مقام تھا اور فن حدیث میں ان کا پایہ کتنا بلند تھا ، امام احمد بن حنبل جیسا آدمی یہ کہتا ہے
کہ وہ علم حدیث میں تنہا ایک امت کے قائم مقام تھے ، امام شعبہ کی روایتوں سے صحاح ستہ کی
کتابیں بھری ہیں بخاری و مسلم کے لئے امام شعبہ کی روایتیں قابل فخر ہیں ۔

اور یہی امام شعبہ جن کا ابھی ابھی آپ نے خود مولانا مبارکپوری کے کلام سے حدیث میں
مقام اور وقعت اور عظمت کا اندازہ لگایا ، جب سورہ فاتحہ کے بعد آہستہ آمین کہنے کی
روایت ذکر کرتے ہیں تو مولانا مبارکپوری صاحب کا ان کے حق میں انداز بدل گیا اور ان کو حدیث
اور رجال حدیث میں ناقابل اعتبار قرار دینے پر پورا زور صرف کر دیا ، اب اس امام شعبہ کے بارے
میں مولانا مبارکپوری دوسروں کی تقلید میں فرماتے ہیں ۔

(۱) ان شعبہ کان یخطئ فی الرجال کثیرا	کہ شعبہ تو سند میں بہت غلطی کرتے تھے ۔
(۲) ان شعبہ کان شاکا یثلث کثیرا فی الاسانید والمتون ۔	یعنی شعبہ شکی تھے اور احادیث کے متن اور ان کی سندوں میں بہت زیادہ شک کرتے تھے
(۳) سفیان احفظ من شعبۃ	یعنی شعبہ سے زیادہ سفیان حافظ تھے ۔
(۴) قال تقدر ان شعبہ اذا خالف سفیان فالقول قول سفیان	معلوم ہو چکا ہے کہ اگر شعبہ سفیان کی مخالفت کریں تو سفیان کا قول معتبر ہوگا ۔
(۵) حدیث سفیان ثلثون الف وحدیث شعبہ عشرۃ آلاف	سفیان کی حدیثیں تیس ہزار ہیں اور شعبہ کی حدیثیں دس ہزار ہیں ۔

اور اس طرح وہ امام شعبہ جو فن حدیث اور فن اسماء رجال میں عظمت کے بلند ترین
مینارہ پر تھے دھڑام سے نیچے آ گئے ، یہاں تک کہ مبارکپوری صاحب نے دوسروں کی تقلید میں

جن کی باتیں ان کے نزدیک وحی آسمانی سے کم نہیں امام شعبہ جیسے محدث کو شکی اور احادیث کے بیان میں بہت زیادہ غلط کار ٹھہرا کے دم لیا، اور ان کا قصور کیا تھا بس یہ کہ انھوں نے سرّاً آمین کی حدیث کیوں روایت کی۔

میں نے یہاں صرف ایک مثال سے مبارکپوری صاحب کی ذہنیت پر روشنی ڈالی ہے، میری کتاب غیر مقلدین کے لئے لمحہ فکریہ کا آپ مطالعہ کریں اس میں بہت سی اس قسم کی مثالیں آپ کو ملیں گی، اور پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ مبارکپوری صاحب نے خدمت حدیث کے نام پر منکرین حدیث کے لئے کتنا مواد فراہم کر دیا ہے۔

اور کبھی کبھی تو ہم مبارکپوری صاحب کی حدیث صحیح کے رد کر دینے کی جرأت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ ان صاحب کو صحیح حدیث کے رد کرنے کا کتنا شوق ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ کیسا کھیل کھیلتے ہیں، مثلاً امام ترمذی نے جہراً آمین والی حدیث کو سند کے اعتبار سے سرّا والی حدیث پر ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ سند کے اعتبار سے جہر والی حدیث جو سفیان ثوری کی سند سے ہے وہ سرّا والی حدیث جو شعبہ کی سند سے ہے اصح ہے، یعنی صحت سند کے اعتبار سے سفیان والی حدیث کا پلہ بھاری ہے، امام ترمذی نے اصح کا لفظ استعمال کر کے شعبہ کی حدیث کو بھی صحیح بتلایا ہے، کہ ایک سنداً اصح ہے اور دوسری سنداً صحیح ہے۔ اصح کا مطلب زیادہ صحیح ہوتا ہے، زیادہ صحیح کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ کی چیز صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں امر صحیح ہیں البتہ ایک صحت کے اعتبار سے راجح ہے اور دوسرا صحت کے اعتبار سے مرجوح۔

مگر مبارکپوری صاحب کی منطق نرالی ہے اور اب وہ عربی زبان میں داد اجتہاد دینے کا شوق رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے جو اصح فرمایا ہے اس کا مطلب صحیح ہے، اور امام ترمذی کا مطلب یہ ہے کہ سفیان والی حدیث صحیح ہے اور شعبہ والی حدیث ضعیف ہے، مبارکپوری کے الفاظ یہ ہیں :

وأراد بقوله اصح الصحيح والمعنى   یعنی امام ترمذی نے اصح سے مراد صحیح لیا ہے

ان حدیث سفیان صحیح وحدیث شعبہ لیس بصحیح (ص ۲۰۹/۱۲۰ تحفہ) اور ان کا مطلب یہ ہے کہ سفیان کی حدیث صحیح ہے اور شعبہ کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مبارکپوری صاحب کو امام ترمذی کے درس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، اور انھوں نے اپنے کان سے امام ترمذی کو یہ بتلاتے ہوئے سنا ہے کہ میری مراد یہاں اصح سے صحیح ہے۔

خدارا آپ بتلائیں کہ یہ سب حرکتیں کیا ہیں، اور ان کا مقصد کیا ہے یہی تو کہ ایک ثابت شدہ صحیح حدیث کو محض سند کا بہانہ لے کر رد کر دیا جائے، حالانکہ مبارکپوری صاحب جب ان کے مطلب کی بات ہوتی ہے تو دوسروں کو یہ قاعدہ سناتے ہیں کہ سند کے ضعیف ہونے سے متن کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

کیا خوب امام ترمذی تو سفیان والی حدیث کے بارے میں فرمائیں کہ اس کو اصح زیادہ صحیح کہو اور مبارکپوری صاحب فرمائیں کہ نہیں صرف صحیح کو کہو زیادہ صحیح مت کہو تاکہ اس کے بالمقابل والی حدیث کو ضعیف قرار دے دیا جائے: (۱)

---

(۱) اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک سند کے اعتبار سے سفیان والی حدیث زیادہ صحیح ہے مگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہاں مبارکپوری صاحب کا یہ قاعدہ کہ سند کے صحیح ہونے سے متن کے صحیح ہونا لازم نہیں ہے۔ (ابکار ص ۱۴۵) یہاں خوب فٹ آتا ہے، اس وجہ سے کہ سفیان ثوری جو آمین بالجہر والی حدیث کے راوی ہیں اور انھیں پر اس حدیث کے صحیح ہونے کا مدار ہے، وہ خود آمین بالجہر کے قائل نہیں ہیں، اور راوی حدیث جب اپنی روایت پر خود عمل نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ روایت اگرچہ سنداً صحیح ہے مگر قابل عمل نہیں ہے اور اس کی وجہ اس کے یہاں غالباً یہی ہوگی کہ اس کے زمانہ میں یا اس کی تحقیق میں عام طور پر یہ حدیث صحابہ و تابعین اور محدثین و فقہاء امت میں معمول بہ نہیں رہی ہے، اگر اس حدیث پر عام طور پر عمل رہا ہوتا تو راوی حدیث اس حدیث پر عمل کرنے سے باز نہ رہتا۔

اپنے اکابر کی اس قسم کی باتوں کو دیکھ کر اب کے غیر مقلدین احادیث رسول کے ساتھ وہ بھونڈا انداق کرتے ہیں کہ دیانت وامانت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔

مثلاً ایک غیر مقلد صاحب نے اپنی کتاب میں رفع یدین کے بارے میں ایک حدیث کا یہ ٹکڑا نقل کیا ہے۔

ثم جئت بعد ذلك فی زمن فیه برد شدید فرأیت الناس علیهم جل الثیاب تحرك ایدیهم تحت الثیاب۔

یعنی روایت کرنے والے نے فرمایا کہ میں اس کے بعد شدید سردی کے زمانہ میں آیا تو دیکھا کہ لوگوں پر موٹے موٹے کپڑے ہیں اور کپڑوں کے نیچے ان کے ہاتھ حرکت کر رہے ہیں۔

یہ تو ہے اس کا ترجمہ اور اب غیر مقلد صاحب کا ترجمہ دیکھئے وہ ترجمہ کرتے ہیں :

۔ جب (اگلے برس) میں دوبارہ آیا تو موسم اتنا سرد تھا کہ لوگوں نے بوجھل کپڑے اوڑھ رکھے تھے مگر رفع یدین بدستور ہی کپڑوں کے نیچے سے (ہاتھ باہر نکال کر) کرتے تھے۔

(۱۲ مسائل ص۲۷ از حکیم عبدالرحمٰن خلیق)

یہ ہے تحرک ایدیہم تحت الثیاب کا فاضلانہ اور غیر مقلدانہ ترجمہ

ایک صاحب نے آمین بالجہر کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے رسالہ میں ذکر کی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیهود علی شئ ما حسدتکم علی آمین فاکثروا علی قول آمین۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود تم سے اتنا کسی چیز پر حسد نہیں کرتے جتنا تمہارے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں سو تم آمین زیادہ کہا کرو۔

اور ان غیر مقلد صاحب کا ترجمہ ہے

۔ یہود نے اتنا حسد تم سے کسی بات پر نہیں کیا جتنا آمین پکار کر کہنے پر کرتے ہیں سو تم بہت

آمین کہو تاکہ اور زیادہ جلیں ۔ (رسالہ اثبات آمین از نور محمد جا کمی ص۱۸)

خط کشیدہ جملوں پر غور کرلیں ان کا حدیث میں (اگرچہ حدیث صحیح بھی ہو) کہیں نام و نشان نہیں ہے مگر ہمارے فاضل غیر مقلد صاحب بڑی شان سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منسوب کر رہے ہیں، گویا بوقت واحد صحابی پر بھی افترا کیا اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بھی افترا کیا۔

میں کہتا ہوں کہ آمین بالجہر کو زیادہ سے زیادہ آپ سنت کہیں گے مگر صحابی و رسول کی طرف ان باتوں کو منسوب کرنا جو انھوں نے نہیں فرمائی ہیں یہ تو حرام ہے، ایک سنت کو ثابت کرنے کے لئے آپ حرام کا ارتکاب کریں اور وہ بھی ایسے حرام کا جس کا مرتکب مستحق جہنم ہے، اس کو کون سی شریعت جائز قرار دیتی ہے۔

خط کا جواب ضرورت سے زیادہ طویل ہوگیا خدا کرے یہ سطریں آپ کے لئے مفید ہوں۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

ص۵۵ کا بقیہ۔

کتاب و سنت ہی میں موجود ہے، اس وجہ سے تمام شرعی مسائل محقق اور مدون ہیں، ان پر عمل کرنے میں کسی طرح کی گمراہی، بدراہی کا اندیشہ نہیں ہے، ائمہ اربعہ ان خاصان خدا میں سے تھے جن کے علم و فہم، تقویٰ اور دیانت پر ساری امت کا اجماع ہے، آج کے دور میں کون ہے جو ان ائمہ کا ان اوصاف میں سے کسی ایک وصف میں بھی مقابلہ کرسکے۔ پس جب شروع ہی سے ساری امت نے اور امت کے اصحاب فضل و کمال نے ان ائمہ کو اپنا مقتدیٰ جانا ہے اور ان پر کامل اعتماد کیا ہے تو ہمیں بھی ان کی اتباع میں ان ائمہ کی تقلید و اقتدار سے گریز نہ ہونا چاہیئے۔

ہمارے نزدیک سلامتی کا خصوصاً اس دور پرفتن میں بس یہی ایک راستہ ہے کہ دینی و شرعی مسائل میں ائمہ اربعہ کی تقلید کی جائے۔ والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

خط اور اس کا جواب

کیا ہر عالم سے مسئلہ معلوم کر کے دین پر عمل کیا جا سکتا ہے؟!

مکرمی ! زید مجدکم

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ، زمزم کا گزشتہ شمارہ نمبر ۳ جلد نمبر ۵ ملا ، پہلی گذارش تو یہ ہے کہ زمزم میں دنیات پر طویل مضامین نہ ہوں تو مناسب ہے ، زمزم کے صفحات محدود اور سائز بھی متوسط ہے ، اس وجہ سے اس میں وہی مضامین شائع ہوں جن سے ہم لوگ دینی مسائل میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ زمزم نے ہماری معلومات میں بہت اضافہ کیا ہے اور بہت سے حقائق جو ہم سے مخفی تھے وہ اجاگر ہو گئے ۔

دوسری بات جو عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ دینی و فقہی معلومات حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے یہ کیوں ضروری ہے کہ کسی مذہب خاص ہی کے علماء سے فتویٰ حاصل کیا جائے ایسا کیوں نہ ہو کہ جو بھی مسائل شرعیہ سے واقف ہے اس سے مسائل معلوم کر کے اس پر عمل کیا جائے ، ایسا کرنے میں حرج کیا ہے ؟ براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں ، اگر فوری جواب عنایت ہو جائے ۔ تو مہربانی ہوگی۔

محمد مرتضیٰ چوبیس پرگنہ بنگال

سلام مسنون !

آپ کا خط ملا تو میں بھوپال اور اندور کے سفر پر تھا ۔ پھر کچھ اور مشغولیات نے گھیرے رکھا اسلئے جواب میں تاخیر ہو گئی اور اب زمزم ہی میں اپنے سوال کا جواب ملاحظہ فرمالیں ۔

یہ بات تو بہت مناسب ہے کہ عوام اہل علم سے مسئلہ معلوم کر کے شریعت پر عمل کریں قرآن کا بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ آیت فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون سے واضح ہے۔

اگر یہ دور نفسانیت کا نہ ہوتا اور اہل علم میں انصاف اور عدل پایا جاتا، اور شریعت پر عمل کرانے میں کوئی مخصوص جذبہ یا فکر یا عقیدہ کام کرتا نظر نہ آتا، اور جن کو عوام اہل علم سمجھتے ہیں ان میں اتنی دیانت اور تقویٰ ہوتا کہ وہ مسائل کے بتلانے میں اسلاف کی راہ اعتدال و جادہ مستقیم سے گریز نہ کرتے، مسائل بتلانے والے علماء راسخین میں سے ہوتے اور ان کو مسائل شرعیہ سے پوری واقفیت ہوتی، وہ کتاب و سنت کے ناسخ و منسوخ سے واقف ہوتے، وہ کسی مخصوص نظریہ و مذہب کی پابندی کرانے کے بجائے جو واقعی شرعی مسئلہ ہے اس سے عوام کو واقف کرانے کا ان میں جذبہ و خلوص ہوتا تو اس کی اجازت ضرور دی جاتی کہ عوام جس عالم سے چاہیں ان سے مسائل معلوم کر کے ان پر عمل کریں۔

مگر اس وقت ہم لوگ جس دور سے گزر رہے ہیں، یہ دور بڑے فتنہ کا ہے، طرح طرح کے مذاہب پیدا ہو گئے ہیں، کم علم عالم و مفتی بنے پھر رہے ہیں، ہر شخص محقق و علامہ بنا ہے، انانیت کا عالم یہ ہے کہ اپنی تحقیقات کے آگے اکابر و اسلاف کو وہ کچھ نہیں سمجھتا کتاب و سنت میں کیا ہے اس کا اس کو پتہ نہیں مگر وہ شرعی مسئلہ بتلانے کو تیار ہے اپنی تحقیق کو وہ حرف آخر سمجھتا ہے اور اسے اصرار ہوتا ہے کہ جو ہم نے سمجھا ہے وہ ہی حق اور درست ہے، بڑے طنطنہ سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے فتاویٰ اور ان کے اقوال حجت نہیں ہیں، فقہاء امت نے جو کچھ کہا ہے وہ غیر معتبر ہیں، اور بے شرمی کا عالم یہ ہے کہ صحابہ کرام اور فقہائے امت کے اقوال کو ناقابل اعتبار قرار دینے والا اس پر مصر ہوتا ہے کہ وہ جو کہے اسے مان لو خواہ وہ اس کی ذاتی رائے اور اس کا اپنا اجتہاد و استنباط ہی کیوں نہ ہو۔

ہر شخص کا ایک فکر ہے، ایک مذہب ہے، اس کا اپنا عقیدہ ہے، اس کی اپنی تحقیق ہے

وہ اپنے ہی دائرہ میں رہ کر مسئلہ بتلائے گا چاہے وہ مسئلہ کتاب وسنت سے کتنا ہی متصادم اور شریعت کے خلاف کیوں نہ ہو، اس سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کتاب وسنت کا صحیح مسئلہ بتلائے گا اور اسلاف واکابر کے جادۂ مستقیم سے بہکائیگا نہیں۔

طلاق کے مسئلہ میں غیر مقلدین حنفی، شافعی، مالکی حنبلی سب کو اپنے مذہب والا مسئلہ بتلائیں گے حالانکہ ان کا یہ مسئلہ اجماع امت اور کتاب وسنت کے صریح خلاف ہے، اگر اس مسئلہ میں غیر مقلدین کی بات کو مان لیا جائے تو فیصلہ کرنا پڑے گا کہ امت کے تمام فقہاء، محدثین اور علماء اس شرعی مسئلہ سے جاہل تھے حتیٰ کہ صحابہ کرام تک کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ اس زمانہ میں حق کا دروازہ صرف غیر مقلدین پر کھلا۔

تراویح کا مسئلہ آپ غیر مقلدین سے پوچھیں وہ کہیں گے کہ تراویح آٹھ رکعت ہے حالانکہ جمہور امت کے یہاں آٹھ رکعت تراویح کا کوئی وجود نہیں، نہ صحابہ کرام نے کبھی آٹھ رکعت تراویح پڑھی۔ اگر غیر مقلدین کی بات کو حق سمجھ لیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ یہ مسئلہ اسلافِ امت کو معلوم نہیں تھا حتیٰ کہ صحابہ کرام کو بھی اس صحیح مسئلہ پر عمل کرنے کی معاذ اللہ توفیق نہیں ہوئی۔

یہ تو غیر مقلدین کی بات ہے۔ بریلویوں کا حال ان سے برا ہے، ان سے شرعی مسائل معلوم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ شرک و بدعت کی لعنت میں گرفتار ہوجائیں گے پھر آپکا عقیدہ یہ بنے گا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے، مختار کل تھے، اولیاء اللہ کو تصرف فی الکائنات حاصل تھا، قبر کی تعظیم جائز ہے، عرس کرنا قبروں پر پھول چڑھانا، نذر و نیاز کرنا سب دین ہے اور یہ سب کام جائز ہیں۔

یہی حال شیعوں کا ہے، وہ آپ کو صحابہ کرام اور خلفائے راشدین سے بدظن و گمراہ کردینگے حضرت علی کی الوہیت اور ائمہ اہل بیت کی معصومیت ثابت کریں گے، تعزیہ بنانے کو اور نوحہ و ماتم کرنے کو سب سے بڑا دینی کام قرار دینگے۔

اگر آپ دینی مسئلہ قادیانیوں سے پوچھیں گے تو آپ کو سب سے پہلے مرزا صاحب

کی نبوت پر ایمان لانا پڑے گا اور آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی آخرالزماں ماننے کے عقیدہ سے دامن جھٹکنا ہوگا۔

اگر آپ آزاد فکروں کے گروہ میں پہنچ گئے تو پھر وہ آپ کو الحاد دھریت کی راہ پر ڈالدیں گے، کوئی معجزہ کا منکر نظر آئے گا کوئی جنت ودوزخ کا انکار کرنے والا ہوگا، کسی کو فرشتوں کی کوئی حقیقت نظر نہیں آئے گی، کوئی انبیاء کی عصمت کی دھجیاں بکھیرتا نظر آئے گا کسی کو قرآن وحدیث کے بارے میں متقدین کے علوم فرسودہ اور پرانے ذخیرے نظر آئیں گے۔

غرض ہر شخص سے مسئلہ معلوم کرنے میں آپ کو بھانت بھانت کی بولیاں سننے کو ملیں گی اور شریعت کے مسائل پر عمل کرنا تو درکنار اندیشہ ہے کہ شریعت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اس زمانہ میں جو علمی قحط ہے وہ سب کو معلوم ہے، جو اجتہاد کے دعویدار ہیں ان کو کتاب وسنت میں کیا ہے اس کا پتہ ہی نہیں، نہ کتاب وسنت کے ناسخ کو جانیں نہ ان کے منسوخ کا انھیں پتہ ہو۔ نہ ائمہ دین کے فتاوی اور ان کے فیصلوں پر ان کی نگاہ ہوتی ہے، آخر ایسے لوگوں پر خواہ وہ زمانہ حال کے شیخ الاسلام ہی کیوں نہ ہوں کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے اور دین کے صحیح مسائل ان سے کیوں کر جانے جاسکتے ہیں۔

مثال کے طور پر مشہور غیر مقلد عالم مولانا صادق سیالکوٹی ہی کو لے لیجئے انھوں نے صلوٰۃ الرسول نامی ایک کتاب لکھی جس میں عوام کو آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز سکھلائی گئی ہے۔ اس کتاب کی بڑے بڑے مشاہیر غیر مقلدین علماء نے تقریظ وتعریف کی ہے جو اس کتاب کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں انھوں نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ پانی میں نجاست پڑنے سے خواہ اس کا رنگ مزہ بو بدل جائے وہ پانی پاک ہی رہے گا نجس نہیں ہوگا، حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے، پانی میں نجاست پڑنے سے خواہ پانی کثیر ہی کیوں نہ ہو اگر اس کا ایک وصف بھی بدلا تو پانی ناپاک ونجس ہوگا اس سے طہارت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ صادق صاحب نے متعدد حدیثوں کو غلط حوالوں سے نقل کیا ہے یعنی جن کتابوں کی طرف ان حدیثوں کی نسبت کی ہے اس میں وہ حدیث ہی نہیں، اور اگر وہ حدیث ہے تو ان الفاظ کے ساتھ نہیں جن کا ذکر صادق صاحب

نے کیا ہے۔ اب شرعی مسائل میں اس طرح کے علماء پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ہیں، انھوں نے اپنے رسالہ اہلحدیث کا مذہب میں یہ آیت نقل کی ہے فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (سورۃ النساء ع ۹) اور اس کا ترجمہ کیا ہے۔

جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع نہ ہوں گے کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔ (ص۳۲)

آپ قرآن کا کوئی ترجمہ اور کوئی تفسیر دیکھ لیں، مولانا ثناء اللہ صاحب والا یہ ترجمہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا، ہر مذہبی بات اس آیت کے ترجمہ میں خاص مولانا امرتسری کا ایجاد کردہ جملہ ہے۔

یہ دو ایک باتیں اس بات کو بتلانے کے لئے بطور مثال ذکر کی گئی ہیں کہ زمانہ حال کے جو علماء مجتہد بن کر فتویٰ دیں گے وہ امت کو اسلاف کی شاہراہ سے گمراہ کر دیں گے نہ ان کے علم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے خلوص پر۔ ہر شخص ایک خاص نظریہ کا پابند ہے اسی کی روشنی میں وہ دوسروں کو چلانا چاہتا ہے۔

اسلئے امت کی بھلائی اور خیر اسی میں ہے کہ آدمی کتاب وسنت پر عمل کرنے کے لئے متقدمین علماء راسخین کا دامن تھامے، اور اس کا پابند رہے کہ وہ صحابہ کرام کے منہج اور ان کے اسوہ سے دور نہ ہو۔

مذاہب اربعہ کو اللہ نے دین کی بقاء اور حفاظت کا تکوینی طور پر ذریعہ بنایا ہے، امت نے ہر زمانہ میں انھیں مذاہب کے تابع رہ کر اپنی علمی ودینی زندگی کا کارواں آگے بڑھایا ہے جب سے ان مذاہب کا وجود ہوا ہے امت کے اکابرین نے، محدثین نے، فقہاء نے، اولیاء اللہ نے ان مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھا ہے۔ اور انھیں مذاہب کے سایہ میں رہ کر اپنی دینی زندگی کو سعادت جانا ہے، ان مذاہب کی تدوین کتاب وسنت اور سنت صحابہ کی روشنی میں ہوئی ہے۔ جو باتیں اجتہادی اور قیاسی ہیں ان کی بنیاد اور اصل بھی

بقیہ ص۵۹ پر

محمد اجمل مفتاحی

طلا شیرازی

خمارِ سلفیت

جماعت اہلحدیث کا مسلک و منہج صحابہ کرام والا ہے

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ اباجی اشاعۃ السنہ دہلی والے میں ایک زبردست انکشاف ہے۔

باپ۔ بیٹا وہ کیا؟

بیٹا۔ اباجی لکھا ہے کہ جماعتِ اہلحدیث کا منہج و مسلک وہی ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا ص ۹

باپ۔ سو فی صد درست بالکل ٹھیک، اس میں بھی بھلا کسی کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے، ہمارے علماء ہمیشہ سو میں سو سچ بولتے ہیں۔

بیٹا۔ مگر صوفی دستگیر اور بابا قل قل اور میاں شکنجبین جن کو ہم نے ان کا ماہانہ باندھ کر سلفی بنایا ہے، اور اب وہ بھی حنظہم اللہ ہو گئے ہیں ان کو اس پر سخت اعتراض ہے، وہ کہتے ہیں

کہ ہم سے تو یہ کہا گیا تھا کہ ہماری جماعت میں دعا تعویذ جھاڑ پھونک کشف و مراقبہ غیر اللہ سے مدد اور قبروں کی حاضری یہ سب بھی چلتا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا دوسروں کو سلفی بنانے کے لئے پیسہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور یہ بھانے والی یہ سب باتیں بھی کہنی پڑتی ہیں ہماری جماعت کی ترقی کا راز یہی ہے ۔

بیٹا ۔ ابا جی صوفی بابا قل قل حفظہ اللہ کو شیخ جن حفظہ اللہ نے نواب صاحب کی کتابیں بھی دکھلائی تھیں ، دیکھئے یہ ان کی کتاب کتاب التعویذات ہے ، اس میں سے بطور خاص ان دو تعویذوں کو ان کو سکھلایا تھا ۔

برائے فرزند نرینہ (یعنی لڑکا پیدا ہونے کا تعویذ)

جو عورت سوا لڑکی کے لڑکا نہ جنتی ہو تو حمل پر تین مہینے گزرنے سے پہلے ہرن کی جھلی پر زعفران و گلاب سے اس آیت کو لکھے ۔ اللہ یعلم ما تحمل من انثیٰ وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیٔ عندہ بمقدار عالم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال ، پھر اس آیت کو لکھے ۔ یا زکریا انا نبشرك بغلام ن اسمہ یحییٰ لم نجعل لہ من قبل سمیا ۔ پھر یہ لکھے بحق مریم وعیسیٰ ابنا صالحاً طویل العمر بحق محمد و آلہ ، پھر وہ تعویذ حاملہ باندھے ۔

باپ ۔ بیٹا ، مگر اس میں غیر اللہ سے توسل ہے ، حضرت مریم حضرت عیسیٰ ، حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اولاد ، یہ سارے لوگ غیر اللہ ہیں اور غیر اللہ سے وسیلہ پکڑنا ہمارے مذہب میں حرام اور ناجائز اور شرک ہے ۔

بیٹا ۔ ابا جی ، پہلے رہا ہوگا ، اب نہیں ہے ، ہمارے نواب صاحب نے اس مشکل کو حل کر دیا ہے ، اس تعویذ کے آخر میں فرماتے ہیں :

" یہ توسل بانبیاء بکیفیت کذائی کچھ مخالف شرع شریف نہیں ہے " (یعنی انبیاء علیہم السلام سے اس طرح توسل کرنا اور ان کو وسیلہ بنانا شریعت کے خلاف نہیں ہے)

باپ ۔ مگر بیٹا عرب والے سلفی لوگ تو کچھ اور کہتے ہیں ان کا فتویٰ ہے ۔

اما التوسل بالاحياء او الاموات من الانبياء وغيرهم بذاتهم او جاههم او حقهم فلا يجوز بل هو من البدع ووسائل الشرك۔

(فتاوی اللجنة الدائمة ص ۱/۱۲۰)

یعنی زندہ مردہ انبیاء وغیر انبیاء علیہم السلام کی ذات یا ان کی جاہ یا ان کے حق سے وسیلہ پکڑنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ بدعت اور شرک کا وسیلہ ہے۔

بیٹا۔ ابا جی، تحقیق بعد میں ہوتی رہے گی یا با قل تل کو نواب صاحب کا جو دوسرا تعویذ شیخ جمن حفظہ اللہ نے یہ دکھلایا تھا اسے بھی ملاحظہ فرمالیں، یہ بھی اسی مرض کا تعویذ ہے، یعنی اگر کسی کو لڑکا نہ ہوتا ہو تو اس کے لئے یہ تعویذ ہے۔

نواب صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

جو عورت سوائے لڑکی کے لڑکا نہ جنتی ہو تو اس کے لئے پیٹ پر گول لکیر کھینچے انگلی کے پھیرنے کے ساتھ ساتھ ستر بار یا متین کہے انشاء اللہ تعالیٰ لڑکا پیدا ہوگا۔ ص ۱۴۲

ابا جی، یہ سب کام یعنی اس قسم کی دعا تعویذ منہج صحابہ و مسلک صحابہ ہے یا ہمارے نواب صاحب اہلحدیث نہیں تھے یا اشاعۃ السنہ میں گپ بازی کی گئی ہے اور جھوٹا پروپیگنڈہ ہے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

تصوف کا منکر اندھا اور احمق ہے
نواب صاحب بھوپالی کا ارشاد گرامی

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ ابا جی، اشاعۃ السنہ دہلی کی خصوصی اشاعت میں فرقہ اہلحدیث کے اکابر کی خوب خبر لی گئی ہے۔

باپ ۔ بیٹا۔ یہ پرچہ تو ہماری ہی جماعت کا ہے، اس میں تو حنفیت اور دیوبندیت کا دائرہ تنگ کیا جاتا ہے، اس کے مضمون نگاروں نے دیوبندیوں کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔

بیٹا ۔ اباجی، اس کے ایک مضمون نگار عبدالمعید نامی کوئی صاحب ہیں وہ فرماتے ہیں:

یہ تصوف نے گمراہی کے ہر کام کروائے ہیں، صوفیاء کی قبریں ان کے تصوف کے سبب آباد ہیں اور ہر طرف صوفیاء پوجے جاتے ہیں۔ ص ۱۹۸

باپ ۔ بیٹا، یہ شخص پاگل اور دیوانہ ہے، اس کو اس کا پتہ ہی نہیں کہ ہمارے تمام اکابر تصوف پرست تھے، اور تصوف کو اصل دین اور شریعت سمجھتے تھے، دیکھو ہمارے نواب صاحب بھوپالی سے بڑا کون اہلحدیث ہوگا وہ لکھتے ہیں۔

علم التصوف هو علم يعرف به كيفية ترقي اهل الكمال من النوع الانساني في مدارج سعادتهم (ابجد العلوم ص ۳۸۵)

یعنی تصوف کے علم کے ذریعہ انسانوں میں جو اہل کمال ہیں ان کے سعادت کے درجات و مدارج کو جانا جاتا ہے۔

اور نواب صاحب اسی صفحہ میں تصوف کی تعریف میں یہ شعر بھی نقل کرتے ہیں:

علم التصوف علم ليس يعرفه الا اخو فطنة بالحق معروف
وليس يعرف من ليس يشهده وكيف يشهد ضوء الشمس مكفوف

یعنی تصوف کے علم کو سمجھدار اور جو حق کے ساتھ مشہور ہے وہی جان سکتا ہے جو تصوف کا شاہد و مشاہد نہ ہو وہ تصوف کو کیا جانے گا اندھے کو سورج کی روشنی کہیں نظر آتی ہے۔

بیٹا ۔ اباجی اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عبدالمعید جیسے لوگ نواب صاحب کی زبان میں نہ سمجھدار ہیں نہ اہل حق ہیں، بلکہ جاہل محض اور اندھے ہیں، جیسے اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی، اسی طرح عبدالمعید میاں جیسے لوگوں کو تصوف کی حقانیت نظر نہیں آتی۔

باپ - بیٹا، نواب صاحب کا کہنا برحق ہے، وہ ہمارے بڑے ہیں، عبدالمعید میاں کا
شمار تو ابھی کھلنڈروں میں ہے، ان جیسے اندھے بے وقوفوں اور جاہلوں کی بات
پر نواب صاحب کے مقابلہ میں کون کان دھرے گا۔

بیٹا - اباجی، نواب صاحب کے اس فرمان کو سن کر عبدالمعید میاں بے ہوش تو نہیں ہو رہے
ہوں گے۔

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

اگر یہی منہج و مسلک صحابہ ہے تو چہ خوب

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی، اشاعۃ السنہ کی خصوصی اشاعت میں نیا نیا انکشاف ہوتا ہے، اس کے
اداریہ میں یہ انکشاف کیا گیا ہے جماعت اہلحدیث کا منہج و مسلک وہی ہے جو صحابہ
کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مسلک و مشرب تھا۔ ص۹

باپ - جی بیٹا، ہمارے نوجوان فاضلوں نے ہماری ڈوبتی نیا کو سنبھالنے کا بیڑا اٹھایا ہے،
غازی پوری دیوبندی نے تنگ کر رکھا ہے، اس وجہ سے جماعت کے بڑوں نے
پالیسی یہ بنائی ہے کہ پروپیگنڈہ کرو اور جھوٹ بولو

بیٹا، اباجی، مگر جھوٹ بولنا تو شریعت میں حرام ہے اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔

باپ - دینی و شرعی کام کے لئے اور جماعت کی عزت و آبرو بچانے کے لئے جھوٹ بولنا
روا ہے، ہمارے علماء تو کہتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان صلح و صفائی کرانے کیلئے
اللہ پر بھی جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔

بیٹا - اباجی، تو اشاعۃ السنہ کی یہ بات کہ اہلحدیث کا مسلک و منہج صحابہ کرام والا ہے
محض پروپیگنڈہ اور جھوٹ ہے؟

باپ۔ بیٹا، یہ راز کی بات ہے، کسی اور کو خبر نہ ہو، ہمارے علماء کہتے کچھ ہیں عقیدہ کچھ رکھتے ہیں۔ مصلحتاً سب کچھ کرنا پڑتا ہے ہم لوگ غیر اللہ سے استعانت کو ناجائز کہتے ہیں مگر ہمارے نواب صاحب بھوپالی فرماتے ہیں: شیخ سنت مددے قاضی شوکاں مددے

اس شعر میں قاضی شوکاں سے مدد مانگی گئی ہے غیر اللہ سے مدد مانگنا شریعت میں حرام اور شرک ہے۔ عرب سلفیوں والے فتاویٰ میں لکھا ہے:

اما الاستغاثۃ بالاموات من الانبیاء وغیرھم فلا تجوز بل ھی من الشرک الاکبر (ص۱/۱۲۴) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ)

یعنی مردوں سے مدد چاہنا چاہے انبیاء ہوں یا غیر انبیاء یہ جائز نہیں ہے، بلکہ یہ شرک اکبر ہے، یعنی تمام شرکوں میں سب سے بڑا شرک ہے۔

بیٹا۔ اباجی مگر ہمارے نواب صاحب بھوپالی کو جن کا یہ شعر ہے ہماری جماعت والے مجدد سلفیت کہتے ہیں۔

باپ۔ یہ بھی جماعت کی پالیسی ہے، شرک اکبر کو ہم لوگوں نے تجدید سلفیت کا نام دیا ہے

بیٹا۔ اباجی، اس سے جماعت کو خاطر خواہ فائدہ ہو رہا ہے۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

رفع یدین وعدم رفع یدین کا ثبوت
نواب صاحب بھوپالی کی تحقیق میں

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ آج نواب صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت خفا ہو رہے تھے۔

باپ۔ بیٹا شیخ کلو حفظہ اللہ کو تو نواب صاحب سے بڑی عقیدت تھی، وہ خفا کس بات پر ہو رہے تھے؟

بیٹا ۔ اباجی آج صبح صبح کسی حنفی دیوبندی مقلد سے ان کی رفع یدین کے بارے میں بحث ہو رہی تھی، بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ شیخ کلو حفظہ اللہ بڑے زور و شور سے ثابت کر رہے تھے کہ نماز میں رفع یدین کرنا چار سو صحابہ سے ثابت ہے۔

باپ ۔ تو پھر کیا ہوا، وہ دیوبندی تو جھاگ کھڑا ہوا ہوگا ؟

بیٹا ۔ نہیں اباجی، وہ تو کھڑا مسکرا رہا تھا اور شیخ کلو حفظہ اللہ کے منہ سے نکلنے والی جھاگ سے جو ان کی ڈاڑھی آلودہ ہو رہی تھی اس کو وہ اپنے رومال سے صاف کر رہا تھا۔ اور وہ بڑے پیار سے ان سے کہہ رہا تھا کہ شیخ جی ذرا ٹھنڈے ٹھنڈے بات کرو، اور پھر اس نے نواب صاحب کی مشہور کتاب الروضۃ الندیہ ان کو دکھلائی۔

باپ ۔ بیٹا، کیا وہ دیوبندی پڑھا لکھا تھا، میں نے شیخ کلو سے بار بار کہا تھا کہ کسی دیوبندی پڑھے لکھے سے کبھی مت الجھنا، ہمیں ہمیشہ جاہلوں کو پھانسنا چاہیے اچھا پھر کیا ہوا ؟

بیٹا ۔ اباجی، الروضۃ الندیہ میں ص $\frac{۱۴۷}{۱۷}$ میں نواب صاحب نے اپنی یہ تحقیق درج کی تھی۔

اما عند التکبیر فقد روی ذلک عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ نحو خمسین رجلا من الصحابۃ منهم العشرۃ المبشرۃ بالجنۃ

یعنی شروع نماز میں تکبیر کے وقت رفع یدین کرنا (جیسا کہ حنفی مذہب ہے) تقریباً پچاس صحابہ سے مروی ہے جن میں وہ دس صحابی بھی ہیں جن کو اللہ کے رسول نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی۔

اور نواب صاحب نے ص ۱۴۸ میں یہ لکھا ہے۔

واما الرفع عند الرکوع وعند الاعتدال منه فقد رواه زیادۃ علی عشرین رجلا من الصحابۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی

آلہ وسلم ۔

یعنی رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا بیس سے زیادہ صحابی سے ثابت ہے ۔

باپ ۔ پھر کیا ہوا ؟

بیٹا ۔ اباجی اس دیوبندی نے کہا کہ نواب صاحب اہلحدیث جماعت کے بہت بڑے عالم ہیں وہ حنفیہ والا رفع یدین پچاس صحابہ سے ثابت بتلاتے ہیں اور صاف صاف لکھتے ہیں کہ یہی عشرہ مبشرہ سے (جن میں خلفائے راشدین سر فہرست ہیں) بھی ثابت ہے ۔ اور رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کا رفع یدین جو اہلحدیث کا مذہب ہے اس کے بارے میں نواب صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ بیس سے کچھ زائد صحابہ سے مروی ہے اور انھوں نے اس جگہ عشرہ مبشرہ کا نام بھی نہیں لیا، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عشرہ مبشرہ سے اہلحدیث والا رفع یدین ثابت نہیں ہے اور چار سو صحابہ والی بات تو ایسی گپ ہے کہ نواب صاحب نے اس کا زبان پر لانا بھی پسند نہیں کیا ۔ اور دو رکعت سے اٹھ کر رفع یدین کرنے کا ذکر اس کو تو نواب صاحب نے فرمایا نہیں ۔

باپ ۔ پھر کیا ہوا ؟

بیٹا ۔ اباجی، نواب صاحب کی یہ کتاب دیکھ کر شیخ کلو حفظ اللہ کی منہ سے نکلنے والی جھاگ بیٹھ گئی اور ان کا بدن پسینہ سے شرابور ہو گیا، لوگ شیخ کلو کو لعن طعن کرنے لگے کہ تم لوگ اہلحدیث نام رکھ کر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتے ہو ۔

آج جب میری ملاقات شیخ کلو حفظ اللہ سے ہوئی تو وہ نواب صاحب پر بہت خفا ہو رہے تھے کہ نواب صاحب جیسے بڑے عالم کی کتاب کی وجہ سے آج جیتا ہوا میدان مجھے ہار جانا پڑا ۔

باپ ۔ بیٹا، شیخ کلو کو تم بھی سمجھاؤ کہ وہ کسی پڑھے لکھے اور خاص طور سے کسی دیوبندی کا پڑھے

لکھنے سے ہرگز بحث نہ کیا کریں، اس سے ہماری تحریک کو نقصان پہونچے گا۔
دیوبندی مولویوں کو ہماری کتابوں میں کیا لکھا ہے سب پتہ ہے۔

بیٹا۔ اباجی تو ہم اہلحدیثوں کا یہ کہنا کہ رفع یدین چار سو حدیثوں سے ثابت ہے گیا ہے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔